Title - DAUR-E-SHAYARI

Creator - Sayyed Mohd. Mirza Mazhab.

Publisher - Sayyed Hasan Akmal (Lucknow).

Date - 1945

Subjects - Urdu Shayari - Tanqeed

Pages - 288.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب

دورِ شاعری

مُصنّفہ

...اعظم عالیجناب سید محمد میرزا صاحب صدر "انجمن محافظ اردو"
فاضل و ممتاز الافاضل و دبیر کامل
مؤلف مہذّب اللغات (اردو انسیکلوپیڈیا)
خلف حضرت مؤدب مدظلہ العالی

ناشر

سید حسن [illegible] سکریٹری "انجمن محافظ اردو" لکھنؤ

پتہ [illegible]

قیمت [illegible]

کتاب "دورِ شاعری" کے متعلق

عالیجناب معلی القاب، محسن زبانِ اردو

(خان بہادر) سرکار راجہ محمد امیر احمد خان صاحب بہادر والیِ ریاست عالیہ

جو حضورِ موصوف نے مصنّف کتاب حضرت مہذّب مدظلہ سے بذریعہ سرفر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لکھنؤ

۱۹ر نومبر ۱۹۴۵ء   سلامٌ علیکم و رحمۃ اللہ

مکرمی مہذب صاحب

آپ کی کتاب دورِ شاعری کا میں نے بغور مطالعہ کیا۔ اردو ادب میں ا
میری نظر سے نہیں گزری۔ عروض و ادب کے سے خشک مباحث کو اتنا دل آ
آپ ہی کا کام تھا۔ آپ کی محنت و مشقت قابلِ صد تحسین و آفرین ہے۔ اردو
ایسے ہی تصانیف کی مرہونِ منت رہی اور رہے گی۔

آپ کا مخلص

(خان بہادر سرکار راجہ) محمد امیر احمد (خاں صاحب بہادر بالقا



(محسن زبان اردو)
عالیجناب خان بہادر سرکار راجہ محمد امیر احمد خان
صاحب بہادر بالقابہ والی ریاست عالیہ محمود آباد

ج

کتاب دورِ شاعری

حصّہ اوّل

پیشکش خلوص

ناچیز تصنیف، حقیر تالیف یعنے کتاب دورِ شاعری کو شاعر نازک خیال، ادیب بے مثال، محسنِ زبانِ اُردو، سرکار (خان بہادر) راجہ محمد امیر احمد خان صاحب بہادر بالقابہ والیِ ریاستِ عالیہ محمود آباد کے نام نامی سے معنون کرتے ہوئے یہ دعا کرتا ہوں کہ خداوندِ عالم سرکار موصوف کی ہمت، خدمت قومی وجذبہ بقائے زبانِ اُردو میں علی الحساب اضافہ فرمائے۔ اور کتاب کو مقبولیتِ عوام وخواص کے اعلیٰ مرتبہ سے سرفراز فرمائے۔

خیر طلب

مہذب

پیشکش خلوص

ناچیز تصنیف، حقیر تالیف یعنے کتاب دَورِ شاعری کو شاعر نازک خیال، ادیب بے مثال، محسنِ زبانِ اُردو، سرکار (خان بہادر) راجہ محمد امیر احمد خاں صاحب بہادر بالقابہ والیِ ریاستِ عالیہ محمود آباد کے نام نامی سے معنون کرتے ہوئے یہ دعا کرتا ہوں کہ خداوندِ عالم سرکار موصوف کی ہمت، خدمت قومی وجذبہ بقائے زبانِ اُردو میں علی الحساب اضافہ فرمائے۔ اور کتاب کو مقبولیتِ عوام و خواص کے اعلیٰ مرتبہ سے سرفراز فرمائے۔

خیر طلب
مہذب

میں بحیثیت سکریٹری ادارۂ عالیہ انجمن محافظ اردو، جناب مُصنف صدرِ انجمن محافظ اُردو کا
تہِ دل سے شکرگزار ہوں کہ موصوف نے اس مایۂ ناز ادبی و ملکی خدمت کو انجمن مذکور کی خدمت
قرار دیتے ہوئے دُنیائے ادب پر خاص احسان فرمایا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب
باشندگانِ ہندوستان سے ضرور خراجِ تحسین حاصل کرے گی۔ اور یہ بھی امید ہے کہ موصوف
اس سلسلۂ تصنیف و تالیف کو برابر جاری رکھیں گے۔

آپ کی ذاتِ گرامی ہندوستان میں محتاجِ تعارف نہیں۔ آپ کے خاندان نے
بلکہ آپ کے اجداد نے اُردو ادب پر عظیم احسان فرمایا ہے۔ خصوصاً حضرت عشق و تعشق رحمہما اللہ
جن کو ادبی دُنیا کا ذرہ ذرہ جانتا ہے۔

مصنفِ موصوف کی استعدادِ علمی کا بیّن ثبوت وہ اسناد ہیں جو نہایت محنت و مشقت سے
حاصل کیے ہیں۔ خصوصاً سند ممتاز الافاضل و دبیرِ کامل وغیرہما۔

آپ کے ادبی خدمات کا آئینہ بالخصوص "مُہذّب اللغات" ہے۔ جو موصوف
عرصۂ دراز سے ہمہ وقت تیار فرمانے میں مصروف ہیں۔ مجھے بالاعلان اس کہنے میں کوئی
باک نہیں کہ لغت مذکور اپنی نظیر آپ ہی ہے جس کا اندازہ سلسلۂ طباعت شروع ہونے کے
بعد ناظرین کو خود ہوجائے گا۔ واقعاً مصنفِ موصوف خدمتِ زبان کا بیڑا اُٹھا چکے ہیں اور
اپنے تمام اوقات تصنیف و تالیف کے مشاغل میں صرف فرما رہے ہیں۔ عنقریب "انجمن محافظ اردو"
جنابِ مصنف کے وہ تصانیفِ غیر مطبوعہ (جو اس دنیا میں انقلابِ عظیم پیدا کردیں گے) اربابِ نظر
کی خدمت میں پیش کرنے والی ہے۔

کتاب دورِ شاعری

حصّہ اوّل

لیسی لاجواب و انتخاب تصنیف ہے جس کی داد سوائے انصاف پسند نظر کے دوسری نگاہیں
دینے میں قاصر نظر آئیں گی۔ یقیناً ایسے بیش بہا نکات، منتخب مسائل، سبق آموز اقوال و
واقعات کا مجموعہ ہے جس کی مثال دُنیائے ادب میں ملنا دشوار کیا بلکہ ناممکن نظر آتی ہے۔
لکھنؤ، جو مرکز زبان و ادب کہلاتا ہے۔ اور سیکڑوں تصانیف دُنیا کے سامنے پیش کر کے
خود مرکزیت حاصل کر چکا ہے۔

مگر ایسی تصنیف جو بالکل جدید اور انوکھے دلکش عنوان سے معرض وجود میں آئی ہو،
پیش کرنے سے قاصر رہا۔ یقیناً یہ تصنیف وہ تصنیف ہے جو اپنے حسن و جمال سے دُنیائے ادب کے
ذرّے ذرّے کو روشن و منوّر کر دے گی۔ انصاف اہلِ نظر کے ہاتھ ہے۔

سید حسن اکمال

سکریٹری "انجمن محافظ اُردو ہند"

اطلاع

یہ کتاب بہ اہتمام منشی سید اکبر حسین صاحب ساکن کٹرہ ابوتراب خاں لکھنؤ شائع ہوئی
جملہ حضرات سے گذارش ہے کہ لکھائی و چھپائی کا کام ان سے لیکر فائدہ اٹھائیے

محمد میرزا صاحب مہذب

اظہارِ واقعہ

میرا آبائی کام شعروشاعری بالخصوص مرثیہ گوئی - میرے اجداد نے یعنے عشق و تعشق و رشید و حمید و جدید و سعید و ادب وغیرہم نے سوائے مرثیہ گوئی، غزل گوئی کے کبھی نثر کی طرف توجہ نہیں فرمائی - زمانہ رنگ بدلتا ہے، اِن حضرات کا دَور اور تھا اور موجودہ دَور اور ہے - نثر نگاری، افسانہ نویسی کو دُنیا حُسن کی نگاہوں سے دیکھ رہی ہے - مجھے میرے فطری شوق نے مجبور کیا کہ اپنے بزرگوں کے قدم بہ قدم چلتے ہوئے یعنے مرثیہ گوئی، غزلگوئی کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھوں، چنانچہ یہ سلسلہ عرصۂ دراز سے قائم ہے اور اُردو زبان کا لغت، گویا اُردو انسیکلوپیڈیا تیار کرنے میں مصروف ہوں اور دیگر تصانیف ادبیہ غیر مطبوعہ محفوظ ہیں جو عنقریب منظرِ عام پر لانے والا ہوں - لغت مذکور پچیس ۲۵ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے جو غالباً تین ۳ سال کے بعد اربابِ ادب کی نظر سے گزرنے کا شرف حاصل کرے گا - میری تحریک سے انجمن محافظ اُردو معرض وجود میں آئی جس کا مبارک سنہ فروری سنہ ۱۹۴۰ء تھا - جلسے نے عہدۂ صدارت باوجود انتہائی انکار کے میرے سپرد کیا جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے -

میں نے انجمن محافظ اُردو کی خدمت اپنا فرض عین سمجھتے ہوئے اس کتاب دَورِ شاعری کو انجمن مذکور کی پہلی خدمت قرار دیا - خیال یہ ہے کہ آیندہ ہر تصنیف و تالیف کو انجمن ہی کی خدمت تصور کرتے ہوئے نشر و اشاعت کا سلسلہ جاری رکھوں گا -

آئینۂ صداقت

ھے یہ بھی اعتراف ہے کہ میں نثر نویسی کے فن سے ناواقف ہوں۔ لیکن چونکہ لکھنؤ اس امر میں ت زیادہ مطعون ہے کہ باوجود مرکزیت کوئی توجہ ترقی و بقائے زبان کی طرف نہیں۔ اس نظریہ کو نے کے لیے فوراً اقدام کرنا پڑا اور تصنیف حقیر معرض وجود میں آئی۔ صرف تین ماہ میں یہ کتاب ر کی ہے ۔ اس مجموعے میں جو کچھ بھی ہے سب بزرگوں کی روح کا تصدق ہے ۔ بالخصوص امجد خدائے سخن حضرت عشق رح کہ اُن کے ایک مختصر قلمی رسالے سے بھی مدد لی ہے جس کا ار اپنے لیے عین فضیلت سمجھتا ہوں ۔

خدا معلوم میری تصنیف میں کس قدر اغلاط ہوں گے لیکن ناظرین سے بصد ادب گزارش ہے کہ جس مسئلے پر کوئی ایراد ہوتا ہو اگر مخلص ہوں تو خط کتابت کرکے مسئلہ صاف کرلیں حتی الامکان جانے کی کوشش کروں گا ورنہ سپر انداختہ ہو جاؤں گا۔ غلطی کو غلطی تسلیم کرلوں گا۔ اگر دل کے ی گوشے میں شائبہ خلوص نہ ہو تو کسی اخبار میں بالاعلان اعتراض فرمائیں ۔ اور ایک پرچہ مجھے و ارسال فرمائیں میں جواب دینے کے لیے تیار ہوں۔ یہ عرض کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اب دَورِ شاعری حصہ اوّل دَورِ قدیم کی شاعری کے اعتبار سے لکھی گئی ہے۔ اس کے سرے حصے میں جو زیرِ تصنیف ہے موجودہ دَور کی شاعری اور نثر سے بحث کی جارہی ہے نتہائی دلچسپ عنوان سے پیشکش ناظرین کی جائے گی۔ خود رو شعرا کے کلام کے عیوب اً فرداً واضح کیے جائیں گے انتظار فرمائیے ۔

مہذب

اجزائے خیال

۱۔ کتاب **دورِ شاعری** کو بطور مکالمہ از ابتدا تا انتہا صرف اسلیے تصنیف کیا کہ وقتِ مطالعہ ناظرین کی دلچسپی کما حقہ باقی رہے اور طرزِ تحریر مسائل خاصتہ کے سمجھنے میں معین ہو، وقارِ تحریر کو باقی رکھنے کی انتہائی کوشش کی ہے۔

۲۔ خلاصہ کتاب ایک فرضی مستند استاد لکھنوی کی دو فرضی شاگردوں کے کلام پر اصلاحیں تا جن کے نام و تخلص کا اظہار دنیائے نثر نویسی میں ضروری تھا ظاہر کیے، ہر غزل کی اصلاح کے بعد دلچسپ معلومات کی سرخی کے ماتحت فرضی گفتگو جو یقیناً عوام کے لیے ذخیرۂ معلومات ہے۔

۳۔ اس چیز کا اعلان کہ کتاب میں نام فرضی ہیں، صرف اسلیے ہے کہ کذب کی تہمت سے محفوظ رہ سکوں اور دنیا واقعات مفروضہ کو صحیح نہ سمجھ لے جو کسی وقت میں فرضی معلوم ہونے کے بعد میرے لیے خرابیِ خیال کا سبب ہوں۔

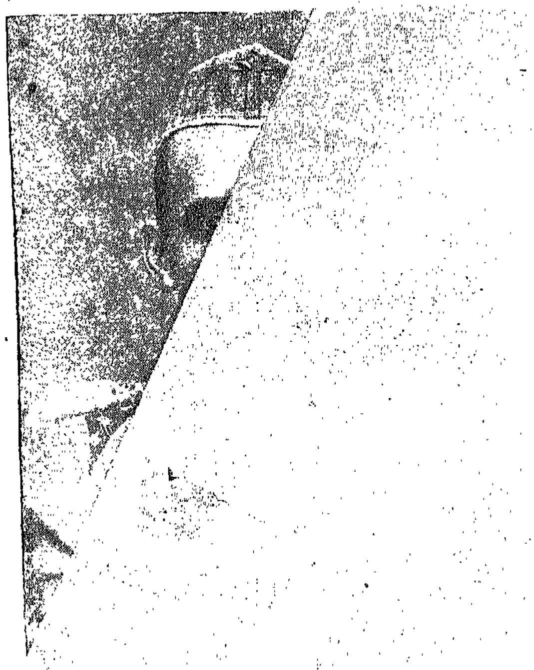
۴۔ جتنے عیوب و محسنات شاعری و اغلاط زبان و قواعد کا تذکرہ کیا ہے۔ قریب قریب اکثر کی مثالیں خود نظم کرکے اس لیے پیش کی ہیں کہ اگر شعرا لکھنؤ یا دہلی کے کلام سے مثالیں پیشکش ناظرین کرتا تو مقبولیت عام کو جس کی صرف امید ہے خاص نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہوتا۔

۵۔ جس قدر مسائل درج کتاب کیے ہیں سب اپنے خاندان کی احتیاط کے اعتبار سے ہیں، کسی فرد پر اعتراض نہیں ہے۔ وہ چیزیں جن کو عیب کی صورت سے پیش کیا ہے اگر کسی بزرگ کے کلام میں موجود ہوں تو مجھ سے ضرور تبادلۂ خیالات فرمالیں تاکہ مطلب کی وضاحت کرسکوں، اگر سمجھانے سے قاصر ہوں گا تو سپر انداختہ ہونے میں مجھے کوئی عذر نہ ہوگا۔

۶۔ مجھے یقین ہے کہ بعض اہل زبان و شعرا صرف اس لیے کہ میری تصنیف ہے دشمنی کی نظر سے مطالعہ فرمائیں گے اور ہمخیال احباب میں یہ تذکرہ ضرور ہوگا کہ مہذب کی جدت دیکھی بڑے بڑوں نے جن چیزوں کو نظم کیا ہے۔ درپردہ اعتراض کیا ہے۔

اظہارِ حقیقت

بخدا کسی فرد پر اعتراض مقصود نہیں، معلومات کا کتابی شکل میں جمع کرنا گناہ نہیں ہے۔
[illegible] کتاب بحث [illegible] تصنیف [illegible] گئی ہے مسائل محتاج شرح ہیں آئندہ بالتشریح پیشکش



کتاب

دورِ شاعری

حصّہ اوّل

ہندوستان میں لکھنؤ اور دہلی یہ دو طبقے ایسے ہیں جہاں کی سرزمین نے شعرا کی پیداوار میں کوئی انتہا باقی نہ رکھی۔ بڑے بڑے فن کے جاننے والے محقق، محسنِ ادبِ اردو گزر گئے بالخصوص لکھنؤ شاعری کا ایک ایسا مرکز تھا اور ہے کہ جس کا جواب دنیا کا کوئی خطہ نہ دے سکا۔ تہذیب و اخلاق کے پتلے، مروّت کے مجسمے زمینِ لکھنؤ نے پیدا کیے۔

لیکن سب تہِ خاک آرام کی نیند سو رہے ہیں۔ ایک نہ ایک اعلمِ فن، محقق، جانِ ادب، ہر عہد میں ایسا رہا کہ جس کی تقلید پر دُنیا کو مجبور ہونا پڑا۔

ایک اُستادِ فن، بادشاہِ شعر و سخن ایسے بھی گزرے ہیں جن کی جامعیت کا جواب دُنیا پیش نہ کر سکی اور وہ کوس لمن الملک بجاتے رہے۔ اُن کی زندگی کے کارنامے سونے کے حرفوں سے لکھنے کے قابل ہیں جس نے فخرِ تلمذ حاصل کیا۔ اُستادِ بے بدل، شاعرِ اکمل ہو گیا۔

اپنی وضعداری، اپنی آن بان میں ضرب المثل ایک ذاتی مکان مسکونہ جس میں نہایت عالیشان زنان خانہ، پرانی وضع کی عمارت۔ بیرونی حصہ جس میں چمن، دیوان خانہ، دو بڑے کمرے ملازم کے

جن کا منافع سولہ روپے آٹھ پائی ماہوار، اُستاد کی مجموعی آمدنی، ارزانی کے عہد کے اعتبار سے بھی کسی طرح کافی آمدنی کہے جانے کے قابل نہ تھی۔ گھر میں ماما۔ ایک لونڈی۔ باہر ایک خدمتگار گھر کی آرایش بیوی کے حسنِ سلیقہ کا نمونہ، باہر کی زیبایش نواب کے حسنِ انتظام کا آئینہ، کمرہ بہت شاندار، قالین بچھے ہوئے، گاؤ تکیے لگے ہوئے، دیواروں پر قطعات، عطارد رقم وغیرہ مع طغرہ جات احادیث و آیات نصب۔

لباس

چوگوشیہ ٹوپی یا جامدانی کی دوپلی ٹکے دار ٹوپی، گلے میں رومال بندھا ہوا۔ گرمیوں میں تنزیب جنگل باڑی، ململ کا اونچی چولی، بڑے چلیتون کا انگرکھا، ادھی یا کاڑھے کا کرتا، نین سکھ کا برد گٹوں سے اونچا پائجامہ، جالی کا رومال اوڑھے ہوئے۔ پاؤں میں مخملی زردوزی جس پر کبھی کبھی زردوزی کا کام بنا ہوتا تھا۔ جاڑوں میں شالی دگلا زیبِ جسم کرکے بیش قیمت بڑا دوفردا یا بڑا شالی رومال یا جامہ وار اوڑھتے تھے۔ مشروع کا سبز یا سرخ پائجامہ پہنا کرتے تھے۔

وضعداری

اوقات کے پابند، وعدے کے سچے، بات کے پورے تھے جس وقت اور جس دن دوست کے یہاں جاتے تھے اُس دن اور اُسی وقت آندھی آئے، پانی جائے پہونچنا واجب تھا۔ بجز اُس لباس قدیم یعنی انگرکھا، دگلا، چوگوشیہ ٹوپی کے کبھی شیروانی زندگی میں نہیں پہنی۔ سوائے حقہ کے محفل میں سگریٹ کا پینا معیوب سمجھا۔ ایک مرتبہ ایک محفلِ ادب میں تشریف لے گئے میزبان نے مہمانوں کے لیے خاص انتظام کیا تھا۔ سب کے سامنے قالیافت کی سجی ہوئی، چکنی لگی ہوئی پانوں کی ہانڈیاں فرداً فرداً منتظمِ بزم نے لگادیں مگر سہواً اُستاد کی خدمت میں ہانڈی پیش نہیں کی جس کو خود اُستاد اور اہلِ محفل نے محسوس کیا جب عمومی حیثیت سے کشتی میں پانوں کی تقسیم شروع ہوئی بانٹنے والے نے کشتی پیش کی۔ ذکی الحس استاد نے پان سے انکار کیا اس بات کو اہلِ محفل نے

اُستاد اُٹھ کھڑے ہوئے اور جانے کا ارادہ کیا لب فرش تک آ گئے تھے کہ میزبان نے نوکروں سے معلوم کر کے دریافت حال کیا۔ ایک دوست نے میزبان کے کان میں بڑھ کے صورت حال کی تصویر کشی کر دی۔ مہمان نواز میزبان نے ہاتھ جوڑ کے قدموں پر ٹوپی رکھ دی اور بصد نیاز فروگذاشت کی معافی چاہی۔ اُستاد مجبوراً پھر اپنی جگہ پر جا کے بیٹھ گئے فوراً معافی کے ساتھ ساتھ ہانڈی پیش کی گئی۔ اُستاد نے خندہ پیشانی کے ساتھ پان کھایا اور آخر تک بزم میں شرکت کر کے اپنے ادب کدہ پر چلے آئے۔

کبھی بازار میں پان مول لے کے نہیں کھایا۔ کبھی ساقی کا حقہ نوش نہیں کیا یا کسی ہوٹل کی کبھی صورت نہیں دیکھی، راہ میں ٹھہر کے کسی سے گفتگو نہیں کی، بغیر پانچوں کپڑے پہنے ہوئے کبھی دیوان خانے میں نہیں بیٹھے۔

تہذیب

ہر آنے والے کی کھڑے ہو کے تعظیم کی۔ دست بستہ مزاج پوچھا، زبان کو کبھی فحش گفتگو سے آشنا ہونے نہیں دیا۔ غصہ کو ہمیشہ تابع صبر رکھا۔ دوست، عزیز جب کبھی کوئی خدمت میں آ جاتا تھا گھنٹوں اُٹھنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ شیرینی کلام اپنا گرویدہ بنا لیتی تھی۔ خردوں سے آپ کر کے بات کرتے تھے۔

رکھ رکھاؤ

لکھنؤ کے بڑے بڑے رؤسا کو اس بات کا ارمان رہا کہ کبھی مجھ سے عرض حال کریں مگر باوجود آمدنی کم ہونے کے تکلیف کا ذکر بھی حرام سمجھا۔ ہمیشہ امرا سے آن بان سے ملے۔ ایک مرتبہ ایک جلیل المرتبت رئیس نے کہا کہ جناب نے کبھی مجھ کو سرفراز نہیں فرمایا (یعنی میرے یہاں تشریف نہ لائے) فوراً فرمایا کہ جناب رئیس ہیں کبھی غربت کدہ کو رونق بخشئے پھر حاضر ہوں۔ دورِ قدیم لاجواب دور تھا۔ رئیس نے جواب دیا حاضر ہوں گا چنانچہ آئے اور چار گھنٹے تک بیٹھے، چائے نوش کی،

جن کا منافع سولہ روپیے آٹھ پائی ماہوار استاد کی مجموعی آمدنی، ارزانی کے عہد کے اعتبار سے بھی کسی طرح کافی آمدنی کہے جانے کے قابل نہ تھی۔ گھر میں ماما۔ ایک لونڈی۔ باہر ایک خدمتگار گھر کی آرائش بیوی کے حسنِ سلیقہ کا نمونہ، باہر کی زیبائش نواب کے حسنِ انتظام کا آئینہ، کمرہ نہایت شاندار، قالین بچھے ہوئے، گاؤ تکیے لگے ہوئے، دیواروں پر قطعات عطارد رقم وغیرہ مع تغرہ جات احادیث و آیات نصب۔

لباس

چوگوشیہ ٹوپی یا جامدانی کی دو پلی ٹکے وار ٹوپی، گلے میں رومال بندھا ہوا۔ گرمیوں میں تنزیب جنگل باڑی، ململ کا اونچی چولی، بڑے شلیتوں کا انگرکھا، اودھی یا کاہی رنگ کا کرتا، نین سکھ کا پنڈ گٹوں سے اونچا پائجامہ، جالی کا رومال اوڑھے ہوئے۔ پاؤں میں مخملی زرد آوگی جس پر کبھی کبھی زردوزی کام بنا ہوتا تھا۔ جاڑوں میں شالی دگلا، جسم کے بیش قیمت گرد و فرد یا بڑا شالی رومال یا جامے اوڑھتے تھے۔ مشروع کا سبز یا سرخ پائجامہ پہنا کرتے تھے۔

وضعداری

اوقات کے پابند، وعدے کے سچے، بات کے پورے تھے جس وقت اور جس دن دوست کے یہاں جاتے تھے اُس دن اور اُسی وقت آندھی آئے، پانی جائے پہونچنا واجب تھا۔ جو اُس لباس قدیم یعنی انگرکھا، دگلا، چوگوشیہ ٹوپی کے کبھی شیروانی زندگی میں نہیں پہنی۔ سوائے حقّہ کے محفل میں سگریٹ کا پینا معیوب سمجھا۔ ایک مرتبہ ایک محفل ادب میں تشریف لے گئے میزبان نے مہمانوں کے لیے خاص انتظام کیا تھا۔ سب کے سامنے خالیافت کی سدھی ہوئی، لچکہ لگی ہوئی پانوں کی ہانڈیاں فرداً فرداً منتظم بزم نے لگادیں مگر سہواً استاد کی خدمت میں ہانڈی پیش نہیں کی گئی جس کو خود استاد اور اہل محفل نے محسوس کیا جب عمومی حیثیت سے کشتی میں پانوں کی تقسیم شروع ہوئی بانٹنے والے نے کشتی پیش کی۔ ذکی الحس استاد نے پان سے انکار کیا اس بات کو اہل محفل نے مزید محسوس کرتے ہوئے دیکھا۔

اُستاد اُٹھ کھڑے ہوئے اور جانے کا ارادہ کیا لبِ فرش تک آئے تھے کہ میزبان نے دوروں سے معلوم کرکے دریافت حال کیا۔ ایک دوست نے میزبان کے کان میں بڑھ کے صورت حال کی تصویرکشی کردی۔ مہمان نواز میزبان نے ہاتھ جوڑ کے قدموں پر ٹوپی رکھ دی اور بصد نیاز فروگذاشت کی معافی چاہی۔ اُستاد مجبوراً پھر اپنی جگہ پر جاکے بیٹھ گئے فوراً معافی کے ساتھ ساتھ ہانڈی پیش کی گئی۔ اُستاد نے خندہ پیشانی کے ساتھ پان کھایا اور آخر تک بزم میں شرکت کرکے اپنے ادب کدہ پر چلے آئے۔

کبھی بازار میں پان مول لے کے نہیں کھایا کبھی ساقی کا حقہ نوش نہیں کیا یا کسی ہوٹل میں کبھی صورت نہیں دکھی، راہ میں ٹھہر کے کسی سے گفتگو نہیں کی، بغیر پانچوں کپڑے پہنے ہوئے کبھی دیوان خانے میں نہیں بیٹھے۔

تہذیب

ہر آنے والے کی کھڑے ہوکے تعظیم کی۔ دست بستہ مزاج پوچھا، زبان کو کبھی فحش گفتگو سے آشنا ہونے نہیں دیا۔ غصہ کو ہمیشہ تابع صبر رکھا۔ دوست، عزیز جب کبھی کوئی خدمت میں آجاتا تھا گھنٹوں اُٹھنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ شیرینی کلام اپنا گرویدہ بنالیتی تھی۔ خردوں سے آپ کرکے بات کرتے تھے۔

رکھ رکھاؤ

لکھنؤ کے بڑے بڑے رؤسا کو اس بات کا ارمان رہا کہ کبھی مجھ سے عرض حال کریں مگر باوجود آمدنی کم ہونے کے تکلیف کا ذکر بھی حرام سمجھا۔ ہمیشہ امراء سے آن بان سے ملے۔ ایک مرتبہ ایک جلیل المرتبت رئیس نے کہا کہ جناب نے کبھی مجھ کو سرفراز نہیں فرمایا (یعنی میرے یہاں تشریف نہ لائے) فوراً فرمایا کہ جناب رئیس ہیں کبھی غربت کدہ کو رونق بخشیے پھر حاضر ہوں۔ دورِ قدیم لاجواب دور تھا۔ رئیس نے جواب دیا حاضر ہوں گا چنانچہ آئے اور چار گھنٹے تک بیٹھے، چائے نوش کی، اس کے بعد اُستاد سے خواہش کی کہ آپ کب تشریف لائیں گے۔ دن معین ہوا اور اُستاد

حسبِ وعدہ تشریف لے گئے۔ رئیس نے بڑی عزت کی اور خاطر مدارات میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی

قدامت پسندی

بغیر وعدہ کبھی کسی بزم میں شرکت نہ کی۔ ہاں اگر کسی نے گھر پر آکے وعدہ لے لیا تو حتی الامکان ضرور شرکت کی۔ کسی کا بارِ احسان لینا ہمیشہ ضمیر فروشی کے مرادف سمجھا۔

فنی تحقیق

اس منکسر مزاج، غیر متعصب، مہماں نواز، احباب پرست، شاعرِ بے بدل استاد نے اپنی عمر کا پورا حصہ تحقیقِ فن شعر و شاعری میں صرف کیا۔ ہمہ وقت کتب بینی، اور دواوین کے مطالعے سے سروکار رکھا۔ بڑے بڑے اساتذہ متقدمین پر جن کو خدائے سخن ہونے کا شرف حاصل تھا۔ ایسے مضبوط اعتراض کیے کہ دنیائے ادب کی نمایاں فردیں جواب سے قاصر رہیں اور ماننا پڑا کہ اعتراضات درست ہیں۔

معیارِ علم

عربی و فارسی کی انتہائی تعلیم حاصل فرمانے کے باوجود ستّر برس کے سن تک مطالعہ کتب جاری رکھا۔ درس و تدریس کے فطری شوق نے علم میں چار چاند لگا دیے۔ مختصر سا کتب خانہ جس میں ہر علم و فن کی کتابیں اساتذہ کے دیوان موجود، شبانہ روز نظم کرنا یا شاگردوں کے کلام پر اصلاح دینا سیکڑوں تلامذہ کو بے عیب شعر کہنا بتا دیا۔ دُنیا میں ایسی شہرت حاصل کی کہ ذاتِ مقدس محتاجِ تعارف نہ رہی۔ ہندوستان کی ہر ہر فرد صد کمال سے واقف ہو گئی اور دُنیا کو طے کرنا پڑا کہ اپنے عہد میں لکھنؤ کی سرزمین پر دوسرا مجتہدِ فن، ماہرِ قواعدِ شعر و سخن اب موجود نہیں۔

انھیں اُستادِ موصوف کے دو شاگرد (۱) نواب سید خورشید حسین صاحب اُمید لکھنوی، (۲) مولانا مولوی سید افتخار حسین صاحب شعارؔ پوربی۔ ان کے باہمی دوستانہ تعلقات دنیا کی نگاہوں پر چڑھے ہوئے ایسے لاجواب و انتخاب شاعر گزرے ہیں جن کے بارِ احسان سے دُنیائے ادبِ اُردو سر نہ اٹھا سکی۔ ایک زمانے میں یہ دونوں شاگرد آپس میں طے کر کے بیک وقت حاضر ہوئے

اور اُستاد مذکور الصدر سے عرض کیا کہ ہم لوگ صرف اس غرض سے حاضر ہوئے ہیں کہ فخرِ تلمذ حاصل کریں اور کسی قابل ہو جائیں۔

اُستاد۔(زیرِ لب مُسکرا کے) پہلی بات یہ کہ جو خود نااہل ہو وہ دوسرے کو قابل کیا بنا سکتا ہے۔ میں اسکا اہل نہیں کہ کوئی میرا شاگرد ہو۔ لکھنؤ میں بہتر سے بہتر استادِ فن موجود ہیں۔ آپ حضرات نظرِ انتخاب ڈال کے رجوع فرمائیں تو بہتر ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ حضرات اپنا قیمتی وقت شعر و شاعری یعنے غزل گوئی میں خراب نہ کریں۔ اس لیے کہ دنیا کا رنگ بدل چکا۔

اب غزل گوئی کی کوئی قدر باقی نہیں رہی۔ بڑے بڑے اساتذہ کے دیوان وقفِ طاقِ نسیاں ہو گئے۔ کسی اور علم و فن کے کسب کی طرف توجہ فرمایئے۔ تاکہ دنیاوی زندگی کامیاب بن سکے۔ شاعروں کی وقتی واہ واہ پر نہ جایئے۔ اسے ایک خوشنما۔ روح افزا خواب سمجھیے جب آنکھ کھلی کچھ نہ تھا۔

نواب۔ صاحب حضور کا ارشاد بجا اور درست ہے لیکن میری آمدنی کافی ہے مجھے کسبِ معاش کی حاجت نہیں۔ منقولہ و غیر منقولہ جائداد والد مرحوم اس قدر چھوڑ گئے ہیں کہ سات پشتوں کو کافی ہے گاؤں کی آمدنی، پانچ مکانات کا کرایہ تیس روپیہ دس آنے ۹ پائی وثیقہ عیش کی زندگی گزارنے کے لیے کم نہیں۔ ایک ماما، ایک خدمتگار رکھ کے زندگی بسر کرتا ہوں۔

میں کمسن تھا تقریباً دس سال کی عمر ہوگی جب سے شوقِ شاعری مجبور کیے ہوئے تھا کہ شعر کہوں اور فنِ شاعری حاصل کروں آج خدا نے میری حسرت پوری کی۔ جو حضور ایسے باکمال کے سامنے زانوئے ادب تہ کیے بیٹھا ہوں۔ (نواب کے خاموش ہونے کے بعد)

مولانا۔ قبلہ۔ فدوی کا ذوق و شوق مجبور کر رہا ہے کہ تحصیلِ علمِ شعر کروں اور جناب ایسے استاذ الاساتذہ سے اصلاح لوں بالخصوص طبع مائل الی التنزل ہے۔

اس حقیر کو کسبِ معیشت کی چنداں حاجت نہیں۔ وطن میں زمینداری کافی حصہ ہے۔ فاضل ممتاز الافاضل، دبیرِ کامل، سند الافاضل، فاضلِ فقہ، فاضلِ ادب۔ یہ تمام امتحانات دے کے اچھے نمبروں سے کامیاب ہو چکا اب دنیا کا کوئی کام نہیں مدرسۃ الواعظین میں قیام ہے۔

اُستاد۔ آپ حضرات مجبور کرتے ہیں خیر غزل کہہ کے لائیے تو طبیعت کا اندازہ کر سکوں۔ دیگر یہ کہ ہر آٹھویں روز غزل لانا ہوگی جو پندرہ شعروں سے کم نہ ہونا چاہیئے۔ نواب صاحب ایک دن آپ معیّن کر لیں۔ اور مولانا صاحب ایک دن آپ اپنا معیّن کر لیں۔

کیونکہ بسبب پیرانہ سالی و عدم صحت مزاج اس قدر قوت باقی نہیں رہی کہ ایک دن میں دو غزلیں مبتدی شاعروں کی بنا سکوں۔ بخدا آپ حضرات کے مجبور کرنے سے اقرارِ اصلاح کرتا ہوں ورنہ طے کر لیا تھا کہ اب کسی کو مشورہ نہ دوں گا۔

نواب۔ فدوی کو ہفتہ کے دن کی اجازت مرحمت ہو۔

مولانا۔ حقیر یکشنبہ کو حاضر ہوا کرے گا۔

اُستاد۔ دونوں دن مناسب ہیں وقت صبح تمام اوقات میں بہتر ہے۔ آج یوم شنبہ بھی ہے آیندہ سے حسب ہدایت وقت معینہ پر غزلیں لے کے آیئے گا۔ زیادہ تر اسی کمرے میں بیٹھا ہوا املا کروں گا۔

نواب ...... مولانا۔ انشاء اللہ تعالیٰ حسب الحکم تعمیل کی جائے گی۔

دونوں اجازت لے کے رخصت ہوگئے نواب اپنے گھر گئے مولانا مدرسۃ الواعظین پہونچ گئے۔ دونوں نے غزلوں کی فکر شروع کی۔ چونکہ ابتدا تھی باوجود انتہائی کوشش کے غزل نہ کہہ سکے نواب متفرق نو اشعار کہہ کے ہفتہ کے روز صبح کو اپنے مکان سے خوشی خوشی روانہ ہوئے لیکن غزل نہ تیار ہونے کی شرم بڑھتے ہوئے قدم کو روک رہی ہے بقول شاعر ؏

شرم کہتی ہے نہ جا شوق یہ کہتا ہے کہ چل

اسی کشاکش میں استاد کے مکان پر پہونچ گئے۔ اُستاد کمرے میں بیٹھے ہوئے انتظار کر رہے تھے

نواب نے سامنے پہونچکر سلام ادب کیا۔

اُستاد۔ تسلیم، آیئے میں تو انتظار ہی کر رہا تھا۔

نواب۔ حضور حاضر ہے کہہ کے بیٹھ گئے۔

اُستاد۔ کہیئے غزل کہی؟

نواب - حسبِ حکم غزل عرض نہ کر سکا بہت کوشش کی صرف دو شعر متفرق عرض کر کے لایا ہوں -
اُستاد - خیر کوئی قباحت نہیں ابھی ابتدا ہے، انشاء اللہ تعالیٰ شعر نکلنے لگیں گے آپ مایوس نہ ہوں - شاعری کی ابتدا بہت خراب ہوتی ہے، بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اگر انسان ثابت قدمی دکھاتے ہوئے اپنے ارادوں کی منزلوں کو طے کرتے گیا تو سبحان اللہ ورنہ برساتی خودرَو درختوں کی طرح بہت سے نکلے - اور آب مشقت سے بار آور ہونے کی کوشش کی لیکن دنیائے شاعری کی ناقابلِ برداشت مصیبتوں کی گرم ہواؤں نے اُن نونہالوں کو نمونۂ فصلِ خزاں بنا دیا - اور شاعری کو ترک کر کے مجبوراً خلافِ ضمیر اقدام کرنا پڑا -
نواب - عالیجناب میرے پدر بزرگوار نواب سید محمود حسین خاں صاحب مرحوم لکھنؤ کی پرانی تہذیب کا نمونہ تھے - میری ابتدائی تربیت و تعلیم مرحوم اعلیٰ اللہ مقامہ نے فرمائی ہے وہی خو بو بحمداللہ موجود ہے - وضعداری خاندانی ہے -
اُستاد - میرا مقصد بھی یہی ہے کہ انسان جو بات کرے وضعداری و پابندی کے ساتھ متفرق اشعار لائیے -
نواب - بدقت دو شعر عرض کر سکا - کیا عرض کروں شرم آ رہی ہے یہ کہہ کے جیب سے اشعار نکال کے پیش کیے جو پنسل سے لکھے ہوئے نہایت بدخط تھے جن کا پڑھنا دشوار تھا -
اُستاد - (اشعار دیکھ کے) ہمیشہ خیال رکھیے گا - کہ غزل یا اشعار متفرق پنسل کے لکھے ہوئے میرے سامنے نہ لائیے گا - اشعار قالین پر رکھ کے آپ ہی پڑھیے -
نواب - بہت خوب -

اصلاح نمبر ۱

مطلع نمبر ۱

عاشق میں اُنکی چاندسی صورت کا ہوگیا   مجھکو عجیب مرض محبت کا ہوگیا

اُستاد - آپ موزوں طبع معلوم ہوتے ہیں - ایک بات خاص ہے جو بتا دوں وہ یہ کہ لفظ مرض صحیح

بفتحتین یعنے میم کو زبر، رے کو زبر، ضاد ساکن۔ آپ نے میم کو زبر، رے کو ساکن نظم کیا ہے۔ یہ غلط ہے شعر کاٹ دیجئے۔ اور پڑھیے۔

نواب۔ بہت مناسب۔

مطلع نمبر ۲

بھولے سے شاہراہ محبت پہ آیئے ۔۔۔ مَیں مر چکا ہوں اب مری میّت پہ آیئے

اُستاد۔ ایک بات اور بتا دوں، صحیح لفظ درحقیقت (میّت) یائے مشدد مکسور ہے یعنے (یا) کو زیر ہے۔ آپ نے (یا) کو زبر دے کے نظم کیا ہے۔ مطلع کاٹ دیجیے۔ اور پڑھیے۔

نواب۔ بہت خوب۔

مطلع نمبر ۳

غیظ و غضب میں ابروؤں کو کج کیے ہوئے ۔۔۔ نکلے ہیں گھر سے تیغ دو پیکر لیے ہوئے

اُستاد۔ ایک لطیف بات بتاتا ہوں جو یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ کہ اہل فرس یعنے ایرانی شعرا وغیرہ شعرا نے (تیغ دو پیکر) کہیں صرف نہیں کیا۔ میں نے بہت تحقیق کی وجود معدوم ہے۔ لہذا اہل ہند کے لیے تصرف ناجائز۔ مطلع کاٹ دیجیے۔ اور پڑھیے

نواب۔ انسب ہے۔

مطلع نمبر ۴

تم مل گئے گلے سے کدورت بھی دھو گئی ۔۔۔ کیسی صفائی دل ناشاد ہو گئی

اُستاد۔ تقریباً ہر مطلع میں ایک نہ ایک بات موجود ہے۔ سُنیے صاف و صفا عربی ہیں صفائی اُردو ہے۔ آپ ترکیب سے نظم کر گئے لہذا غلط ہے اس لیے کہ اُردو فارسی کی ترکیب صحیح نہیں۔ مطلع کاٹ دیجیے۔ اور پڑھیے۔

نواب۔ بہت اچھا۔

مطلع نمبر ۵

تم آگئے تو شب شبِ معراج ہو گئی ۔۔۔ ساری مصیبتوں سے برات آج ہو گئی

اُستاد۔ آج پہلی مرتبہ اصلاح دے رہا ہوں، برابر ٹوکتے اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

نواب۔ حضور ضرور ٹوکیں، ایک تو ابتدا ہے دوسرے معلوم نہیں۔ جناب ضرور ارشاد فرمائیں۔

اُستاد۔ آپ نے (برات) کا لفظ نظم کیا ہے جس کے معنے نجات کے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ دراصل

لفظ (برائت) ہے۔ یہاں تک کہ قرآن مجید میں ایک سورہ ہے جس کا نام سورۂ برات ہے جو بغیر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے شروع کیا جاتا ہے چونکہ لفظ غلط نظم ہوا ہے مطلع کاٹ دیجیے۔ اور پڑھیے۔

نواب **مطلع نمبر ۶**

اک ہم ہیں رنج و غم سے زمانے میں رو گئے   لاکھوں مریض ہجر صحتیاب ہو گئے

اُستاد۔ آپ نے صحتیاب نظم کیا ہے۔ (صاد) کو زیر (حا) کو زبر (تا) ساکن یہ بالکل غلط ہے درحقیقت (صاد) کو زیر (حا) مشدد مفتوح ہے یعنے (حا) پر تشدید ہے جو دو بار پڑھی جاتی ہے اور زبر کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔ لہٰذا مطلع کاٹ دیجیے۔ اور پڑھیے۔

نواب **مطلع نمبر ۷**

دریائے شوق میں لہر آ آ کے رہ گئی   فرقت میں ندی خون کی آنکھوں سے بہہ گئی

اُستاد۔ دل نہیں مانتا کہتا ہوں۔ میرے نزدیک فصیح و صحیح (لہر) بروزنِ (قہر) ہے یعنے (ہا) ساکن ہے۔ گو صاحب نفائس اللغات نے لہَر بروزن (سحَر) بھی لکھا ہے بمقتضائے احتیاط یہی ہے کہ (لہر) بروزن (قہر) نظم کیا جائے۔ آیندہ خیال رکھیے گا۔ مطلع کاٹ دیجیے۔ اور پڑھیے۔

نواب **شعر نمبر ۸**

گزری شبِ فراق پر افسوس ہے کہ تم   آتے تو دیکھتے جو قلق تا سحر رہا

اُستاد۔ ایک اہم مسئلہ سمجھاتا ہوں غور سے سُنیے وہ یہ کہ پہلے مصرع کا الحاق دوسرے مصرع سے میرے نزدیک صحیح نہیں۔ جیسا کہ آپ کے شعر میں موجود ہے۔ یعنے (تم) جو دوسرے مصرع میں ہونا چاہیئے تھا پہلے مصرع میں لے آئے۔ میرے نزدیک احتیاط لازم ہے۔ گو اساتذۂ متقدمین نے یہ طریقہ جائز قرار دے رکھا ہے۔ شعر کاٹ دیجیے۔ اور پڑھیے۔

نواب **مطلع نمبر ۹**

بجلی کی سی تڑپ تھی دلِ بیقرار میں   ہم رات جاگتے ہی رہے انتظار میں

اُستاد۔ رات جاگنا یا رات جاگتے رہنا لکھنؤ کا صرف نہیں بجائے اس کے (رات کو جاگتے رہے)

ہونا چاہیئے تھا۔ مطلع کاٹ دیجیے۔ اور پڑھیے۔

نواب۔ بس اسی قدر شعر کہہ سکا۔

اُستاد۔ چونکہ بالکل ابتدا ہے کوئی قباحت نہیں۔ گو سب شعر میں نے کاٹ دیے مگر مسرت اس بات کی ہے کہ آپ موزوں طبع ہیں بہت جلد اچھے شعر کہنے لگیں گے۔

دلچسپ معلومات نمبر ۱

نواب۔ یہ سب حضور کی توجہ پر موقوف ہے۔

اُستاد۔ میری توجہ میں انشاء اللہ تعالیٰ آپ کمی نہ پائیں گے۔ آپ کی محنت بھی ضروری۔

نواب۔ جناب کے حسبُ الفرمایش ضرور محنت کروں گا۔

اُستاد۔ حسبُ الفرمایش آپ غلط بولے فرمایش فارسی حاصل مصدر ہے اور فارسی زبان کا لغت ہے اس پر الف و لام عربی کا ہے لہذا یہ ترکیب غلط ہے خیال رکھیے گا۔ لغات وغیرہ دیکھتے رہیے گا۔

نواب۔ میرے والد مرحوم کی ایک لغت رکھی ہے اُسی کو دیکھا کروں گا۔

اُستاد۔ لغت مؤنث نہیں ہے مذکر ہے۔ عوام اکثر بولتے ہیں کہ لغت مول لی، لغت پڑھی۔ قطعاً غلط ہے آپ ہمیشہ لحاظ رکھیے گا۔ میں اپنے بزرگوں سے مذکر ہی سنتا آیا ہوں اور تمام مستند حضرات لکھنؤ مذکر ہی بولتے ہیں۔

نواب۔ بہت خوب۔ خیال رکھوں گا۔ حضور دعا فرمادیں تندرستی خراب ہوگئی ہے۔ علاج شروع کرنا چاہتا ہوں کل حکیم صاحب کے یہاں گیا تھا وہاں مَرَضا کا مجمع تھا واپس چلا آیا۔

اُستاد۔ خدا آپ کو شفائے کلی عنایت کرے لفظ پھر غلط بولے۔

نواب۔ حضور کیا؟

اُستاد۔ آپ مریض کی جمع (مَرَضا) بولے یعنے (میم) کو زبر (رے) کو زبر یہ بالکل غلط ہے۔ بلکہ اس کی جمع (مَرْضا) ہے یعنے میم کو زبر (رے) ساکن ہے۔ ہاں مرضی کی جمع (مَرَضا) ہے یعنے میم کو زبر

رے کو زبر۔ مگر آپ نے تو مریض کی جمع استعمال کی جو اصولاً غلط ہے ۔

نواب ۔ بہت خوب ۔ چونکہ میں اس قدر لکھا پڑھا نہیں ہوں اس لیے ایسی غلطیاں ہوتی ہیں ۔

اُستاد ۔ میرے پاس جب تک بیٹھے رہیے گا یوں ہی ٹوکے جاؤں گا ۔ آپ نے لکھا پڑھا کہا ۔ یعنے کاف کو غیر مشدّد زبر دے کے بولے ۔ جہر باں غلط تو نہیں ہے لیکن خلاف فصاحت ضرور ہے کیونکہ فصحاء لکھنؤ ہمیشہ (کاف) کو مشدّد و مفتوح بولتے ہیں ۔ مصرع

وہ بھی انسان ہے کوئی جو نہ لکھا نہ پڑھا

نواب ۔ سبحان اللہ کیا مدح کروں جناب مطالب کو حُسنِ الفاظ کا ایسا جامہ پہنا کے تقریر فرماتے ہیں کہ کیسا ہی غبی کیوں نہ ہو انسان عمر میں بھول نہیں سکتا ۔

اُستاد ۔ آپ پھر غلط بولے ۔ آپ نے اپنی تقریر میں پہنانے کا لفظ استعمال کیا ۔ یعنے (پ ن) مقدم کرکے پہنانا بولے یہ بالکل غیر فصیح ہے درحقیقت فصیح پہناتا ہے یعنے (پ ہ ن) مقدم کرکے بولا جاتا ہے یہی فصحا کا معمول ہے ۔ بازاری لوگ پہنانا (پ ن) مقدم کرکے کثرت سے بولتے ہیں ۔ آپ کو برابر ٹوک رہا ہوں ناراض نہ ہوں ۔

نواب ۔ درست و بجا ہے ۔ ناراض کیا ہو سکتا ہوں ۔ میرا سر نہیں پھرا ہے جو اُستاد کے ٹوکنے سے کبیدہ خاطر ہوں ۔

اُستاد ۔ جب بغیر ترکیب بولا کیجیے تو سر یعنے سین کو زیر دے کے بولا کیجیے کیونکہ یہی فصیح ہے ۔ مثلاً میرے سِر میں درد ہے ۔ یہاں سین کو زیر فصیح ہے ۔ جب ترکیب سے بولیے مثلاً دردِ سَر تو یہاں سین کو زبر ہونا چاہیئے کیونکہ سَر فارسی بفتح سین ہے اور سِر اُردو بکسر سین ہے ۔ یہ جو کچھ میں نے آپ سے بیان کیا یعنے فصاحت و غیر فصاحت کے متعلق یہ باعتبار لکھنؤ ہے ۔ دیگر مقامات کی بول چال سے ناواقف ہوں ۔

اچھا اب آپ کو بہت تاخیر ہو گئی ہے تشریف لے جایئے ورنہ حسب عادت میری زبان یونہی چلے جائے گی اور اعتراض کیے جاؤں گا ۔

نواب - بخدا میرا خون بڑھ رہا ہے - بہت خوب اجازت چاہتا ہوں -

اُستاد - خدا حافظ -

نواب - تسلیمات عرض کرتا ہوں -

کھڑے ہو کے سلام کر کے اشعار کا پرچہ جیب میں رکھتے ہوئے رخصت ہو گئے - اُستاد اپنے دیگر کاموں میں مصروف ہو گئے - یہاں تک کہ دن گزرا رات گزری یکشنبہ کی صبح کو مولانا اپنے اشعار بغرض اصلاح لے کے آ پہونچے، اُستاد کمرے میں منتظر بیٹھے تھے - آتے ہی سلام علیکم

اُستاد - علیکم السلام - آئیے -

مولانا سلام کر کے سامنے بہ ادب بیٹھ گئے -

اُستاد - کہئے کچھ شعر کہے - میں تو آپ کا دیر سے منتظر تھا -

مولانا - قبلہ غزل کی بہت کوشش کی مگر نہ ہو سکی متفرق اشعار عرض کیے ہیں کچھ غزل کے، کچھ سلام کے - ایک بند عرض کیا ہے -

اُستاد - خیر ابتدا ہے نظم کرنے سے مطلب ہے کوشش کیجیے گا تو غزل کے شعر نکلنے لگیں گے پڑھیے

مولانا - (بہت خوب کہہ کے جیب سے پرچہ نکال کے) عرض کروں -

اُستاد - پڑھیے -

اصلاح نمبر ۲

شعر نمبر ۱

وہ درد کی شدت تھی کہ العظمۃ للہ دل میرا تڑپتا ہی رہا ہجر کی شب میں

اُستاد - مولانا میں پہلے سے عرض کیے دیتا ہوں کہ کوئی مروت نہیں کروں گا جو بات ہوگی یعنے غلطی فوراً ٹوک دوں گا

مولانا - حضور کے فرمانے کی کیا ضرورت، میں تو تحصیلِ علم و فن کے لیے حاضر ہوا ہوں بغیر بتائے کیونکر حاصل ہوگا -

اُستاد - آپ تو ماشاء اللہ عربی داں اور فارغ التحصیل ہیں - آپ کے شعر میں العظمۃ للہ یعنی (ظ) ساکن ہے - اور عظمت - بسکون الظا کسی لغت میں نہیں ملتا حتیٰ کہ کلام پاک میں العظمۃ للہ بفتح الظا موجود ہے - دلیل صحت جناب کے پاس کیا ہے -

(مولانا پر ایک سکوت طاری ہو گیا ، دیر کے بعد) بالکل درست فرمایا - بیشک مجھ سے فاش غلطی ہو گئی - عظمت بفتح الظا صحیح ہے - میں نے بسکون الظا غلط نظم کیا ہے -

اُستاد - پھر شعر کاٹ دیجیے اور پڑھیے -

مولانا - بہتر -

مطلع نمبر ۲

دنیا میں ایک آن نہ راحت اُٹھا گئے کتنے مریضِ غم ہیں جو تحتُ الثرا گئے

اُستاد - مولانا آپ تحتُ الثرا بضم تائے ثانی بصورت مضاف پڑھے - بحیثیت ظرفِ مکان حیثُ و قدّامُ و تحتُ و فوقُ جب مضاف ہوں اور مضاف الیہ محذوف منوی ہو تو مبنی بالضم ہوں گے جب مضاف الیہ محذوف منوی نہو ظاہر بظاہر ہو تو مضاف ہونے کی حالت میں مبنی بر فتح ہوں گے مثلاً کلام پاک میں ہے (ید اللہ فوقَ ایدیہم) دیکھیے فوق چونکہ مضاف ہے اور مضاف الیہ ایدی ظاہر بظاہر ہے لہذا فوق کو حالت مضاف میں فتح ہے -

مولانا پوری تقریر نہایت سکوت کے عالم میں سُنتے رہے اور دل میں افسوس کرتے رہے کہ کیا غلطی ہوئی ہے - جواب دیتے بن نہ پڑا - کہنے لگے ، جناب درست فرماتے ہیں - واقعاً غلطی تو ضرور ہوئی -

اُستاد - آپ افسوس نہ کریں بغیر شاعری یہ نکات نہیں معلوم ہوتے بلکہ یوں کہوں کہ معلوم ہوتے ہیں مگر خیال صحت بغیر شعر و شاعری نہیں رہتا - شعر رہنے دیجیے - اور پڑھیے -

مولانا -

مطلع نمبر ۳

آئے نظر کے سامنے کیا کیا عجائبات ہم پر پڑے جہان میں لاکھوں حوادثات

اُستاد - مولانا قوافی کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ قوافی غلط ہیں اس لیے کہ دونوں

جمع الجمع ہیں اصولاً یہ جمع ہی غلط ہے۔ ہاں لغت میں عجائبات ملتا ہے۔ اگر بفرض محال صحیح مان بھی لیں تو عجائبات اور حوادثات کی علامت جمع (الف وتا) اگر علٰحدہ کرلیں تو عجائبات کا عجائب اور حوادثات کا حوادث رہ جاتا ہے۔ عجائب وحوادث کا قافیہ صحیح نہیں۔ اگر (الف وتا) کو دونوں میں قافیہ قرار دیجیے تو قافیہ مکرر ہوا جاتا ہے یہ جائز نہیں۔ لہٰذا مطلع کاٹ دیجیے۔ چونکہ ابتداء ہے مختصراً بیان کیا آیندہ بالتفصیل سمجھاؤں گا۔ اور پڑھیے۔

مولانا۔ بہت خوب۔ مدح کا مطلع عرض کرلیا ہے۔ پڑھوں؟

اُستاد۔ ضرور پڑھیے۔

مولانا۔

مطلع نمبر ۴

شوہر ہیں علیؑ بنتِ رسولؐ دوسرا ہے ۔۔۔ معصومہ زمانے میں بتولِ عَذَرا ہے

اُستاد۔ جناب مولانا۔ بتول عذرا یعنے بفتح عین وذال۔ لغت میں نہیں ملتا بلکہ بجائے اسکے بفتح عین وسکون ذال پایا جاتا ہے۔ لہٰذا آپ نے جس طرح نظم کیا ہے غلط ہے۔ کاٹ دیجیے۔ اور پڑھیے۔

مولانا۔ بہت مناسب۔ مدح کا مطلع ہے۔

مطلع نمبر ۵

حیدرؑ کی فضیلت کا نہ کس طرح ہوں قائل ۔۔۔ قرآن میں اُن کے لیے آیہ ہوئی نازل

اُستاد۔ آیت۔ مؤنث ہے آیہ مذکر ہے آپ نے آیہ مؤنث نظم کیا ہے۔ اُسے آیت پڑھیے۔ اور شعر پڑھیے۔

مولانا۔

مطلع نمبر ۶

پڑھتے ہیں سب مصائبِ میدانِ کربلا ۔۔۔ پدسطے ہوا نہ شادیِ قاسمؑ کا مسئلا

اُستاد۔ عجب مسئلہ آپ نے نظم کیا ہے۔ عقد جناب قاسمؑ ایک اہم مسئلہ ہے جو آج تک لکھنؤ میں واقعاً طے نہ ہوسکا۔ خیر اس کو علما ہی طے کرسکتے ہیں عقد ہوا یا نہیں ہوا شعرا کے طے

کرنے کی بات نہیں۔ صرف اپنا مسلک بتا دوں۔ میں نے صرف اس لیے نظم نہیں کیا کہ اگر عقد نہیں ہوا اور نظم کر گئے تو بلا وجہ امام زادہ اور امام زادی کی نسبت قرار دی۔ اور اگر عقد ہوا اور نظم نہیں کیا تو حشر میں یہ سوال نہ ہوگا کہ تم نے عقد نظم کیوں نہ کیا۔ لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ نظم نہ کیا جائے۔ اب جو فن شاعری سے تعلق رکھنے والی بات ہے بتاتا ہوں۔ وہ یہ کہ شادی کی اضافت قاسم کی طرف صحیح نہیں۔ کیونکہ شادی بمعنے خوشی ہے بمعنے عقد کسی لغت میں نہیں ملتا یہ معنے اہلِ ہند کے قرار دیے ہوئے ہیں۔ لہذا بمعنے عقد۔ شادی کا لفظ اُردو ہے جب اُردو ہے تو اضافت غلط۔

مولانا۔ اس طرح تو اساتذہ نے نظم کیا ہے۔

اُستاد۔ کچھ کہلوائیے نہیں۔ سب نے غلطی کی ہے۔ آپ شعر نکال ڈالیے۔ اور پڑھیے۔

مولانا۔ سلام کا مبکی مطلع ہے۔ **مطلع نمبر ۷**

وہ غم اُٹھائے چہرے کی رنگت سفید ہے قیدِ ستم میں سیدِ سجادؑ قید ہے

اُستاد۔ سفید یعنے (فا) کو فتح صحیح نہیں قید کا قافیہ نہیں ہو سکتا۔ سفید قافیہ بھید کا ہو سکتا ہے لہذا نظری کر دیجیے۔ اور پڑھیے۔

مولانا۔ ایک بند کہہ لایا ہوں سُنا دوں؟

اُستاد۔ ضرور۔

مولانا۔

بند

عاشور کو پیاسا تھا یہ اللہ کا جانی کہتا تھا یہی شمر سے اوظلم کے بانی

بھولے گی نہ تا حشر یہ دنیا کو کہانی بچّوں کو مرے تو نے پلایا نہیں پانی

فرزندِ محمدؐ کا تجھے دھیان نہیں ہے

ثمانیِ سیّد کا تجھے دھیان نہیں ہے

اُستاد۔ بند غنیمت ہے صرف بیت کے قوافی غلط ہیں محمدؐ کا قافیہ سیّد نہیں ہو سکتا اس لئے کہ

سید بفتح سین و فتح یائے مشدد غلط ہے۔ سیّد بفتح سین و یائے مکسور مشدد صحیح ہے بیت بدل کے پھر سنائیے گا یا بند کاٹ دیجیے۔

مولانا۔ بہت خوب (یہ کہہ کے خاموش ہو گئے)

اُستاد۔ کیا اب کوئی شعر یا بند نہیں؟

مولانا۔ جی بس اتنے ہی شعر کہہ سکا۔

اُستاد۔ خیر کوئی قباحت نہیں کہنے لگیے گا۔

(مولانا نے سلام کر کے اشعار کا پرچہ تہ کر کے جیب میں رکھ لیا)

دلچسپ معلومات نمبر۲

مولانا۔ حضور گھڑی ملاحظہ فرمائیں کے بجی ہیں؟

اُستاد۔ یہ کے بجی کیوں بولے بالکل خلاف فصاحت و محاورہ ہے۔ کے بجے ہیں بولنا چاہیے۔

مولانا۔ بہت خوب۔ مگر لوگوں کو دس بجا ہے بولتے سُنا ہے۔

اُستاد۔ یہ بھی غلط۔ جمع کو واحد بولنا کیا معنے۔

مولانا۔ لوگ سوا ایک یا ساڑھے ایک بجا ہے بولتے ہیں صحیح ہے یا غلط؟

اُستاد۔ بالکل غلط صرف سَوا یا ڈیڑھ بجا ہے صحیح ہے۔ پونے ایک بھی غلط ہے۔ بجائے اس کے پون بجا ہے صحیح ہے۔

مولانا۔ بجا ہے۔

اُستاد۔ اب کس تاریخ غزل لائیے گا؟

مولانا۔ سولہ (۱۶) تاریخ حاضر ہوں گا۔

اُستاد۔ عدد و معدود میں فرق ہے۔ امر و د سولہ (۱۶) یا بیس کہے جاتے ہیں۔ آم دس یا بارہ (۱۲) بولے جاتے ہیں لیکن تاریخوں کے متعلق ہمیشہ سولھویں (۱۶)، بیسویں (۲۰) کہتے ہیں۔ ایک سے چھٹی تاریخ تک تو

پہلی، دوسری، تیسری، چوتھی، چھٹی بولتے ہیں اس کے بعد ساتویں، آٹھویں، نویں، دسویں یہانتک کہ انتیسویں[۲۹]، تیسویں تک برابر اسی طرح بولتے ہیں۔

مولانا۔ بہت مناسب۔ (طاق کی طرف اشارہ کر کے) کیا کلام پاک ہے؟

اُستاد۔ جی ہاں، قرآن مجید ہے۔

مولانا۔ مُتَرَجَّم ہے؟

اُستاد۔ آپ اور مُتَرَجَّم بضم میم و بفتح تا و را و بفتح جیم مشدد و میم ساکن بول گئے کسی لغت میں شاید اس طرح نہ ملے مُتَرْجَم بضم میم و فتح تا و سکون را و فتح جیم و سکون میم صحیح ہے۔ اگر کہیں مل جائے گا تو میں بھی بولنے لگوں گا۔

مولانا۔ بالکل درست ہے۔ اتفاقیہ بول گیا۔ کچھ عرصے کے بعد میری گفتگو میں انشاء اللہ تعالیٰ ایک لفظ بھی غلط نہ ہووے گا۔

اُستاد۔ (ہووے) میں (وے) زائد بھی ہے اور غیر فصیح بھی (ہوگا) صحیح ہے۔ اور مطلب بھی ہوگا میں ادا ہو جاتا ہے۔

مولانا۔ بیشک حضور کا فرمانا درست ہے۔ اگر اسی طرح جناب ٹوکتے رہے تو بڑے بڑے اُستادوں کو چند ماہ کے عرصے میں زمین دکھا دوں گا۔

اُستاد۔ زمین دکھانے کا صَرف بے محل ہے (زمین دیکھنا) قے کرنے کو کہتے ہیں۔ کیا آپ اساتذہ کو قے کرائیے گا؟ (مولانا ہنسنے لگے) کسی کا شعر ہے ؎

کبھی سر اُٹھا کے نہیں دیکھتے ہیں		فلک کے ستم سے زمیں دیکھتے ہیں

اس شعر میں ذم ہے۔ جیسا آپ کی گفتگو میں ذم ہے۔ ایسے محاورات سے احتیاط کیا کیجیے۔

مولانا۔ میں ناواقف تھا اس لیے بول گیا۔

اُستاد۔ کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ بتائیے کہ علاوہ غزل کہنے کے یا اشعار مختلف کہنے کے کیا مشغلہ رہتا ہے؟

مولانا۔ صرف چار بجے ہوا خوری کو دریا والے راستے پر ٹہلنے جاتا ہوں تاکہ آب وہوائے ترائی مفید ہو اور صحت برقرار رہے اس کے علاوہ تمام اوقات کتب بینی میں صرف کرتا ہوں۔

اُستاد۔ دَورانِ گفتگو میں اتفاقیہ آپ ایک لفظ بول گئے۔ بتادوں وہ یہ کہ ترائی کی طرف (ہوا) کی اضافت ناجائز ہے۔ ترائی فارسی نہیں ہے (تر) فارسی ہے۔ ترائی بالکل اُردو یہ لفظ دھوکا دیتا ہے۔ ہمیشہ اس بات کا خیال رکھیے گا کہ جس لفظ میں کلام ہو تحقیق ضرور کرلیا کیجیے گا۔ اُستاد عمر بھر نہیں بتاتا صرف راہیں بتا دیتا ہے۔ ذاتی تحقیق سے شعرا مستند ہوتے ہیں۔ اور دنیا میں نام پیدا کرتے ہیں۔ دل چاہتا ہے کہ آپ کا امتحان لوں۔

مولانا۔ جیسا حضور مناسب خیال فرمائیں۔

اُستاد۔ دقتی دو چار شعر کہہ کے سنائیے۔

(مولانا بہت خوب کہہ کے خاموش ہوگئے تھوڑی دیر کے بعد (ایک شعر عرض کیا ہے)

اُستاد۔ پڑھیے۔

مولانا۔ چھٹوں گا مصیبت سے گر تو نے چاہا　　کرم کر برائے نبیؐ یا آلٰہا

اُستاد۔ شعر غنیمت ہے۔ مگر ایک ایسا دھوکا کھایا جو آپ کے قابل نہ تھا۔

مولانا۔ (غور کرکے) حضور فرمائیں کیا ہے؟

اُستاد۔ (یا آلٰہا) کے کیا معنے۔ یا حرفِ ندا۔ آلٰہا کے آخر کا الف ندائیہ۔ دو نداؤں سے کیا خاص حاصل ہے۔

(مولانا شرمندہ ہوکے) کمبخت پہلے سمجھ میں نہیں آتا۔ جب ٹوکا جاتا ہے تو خفت ہوتی ہے (یہ کہہ کے مولانا دیر تک خاموش رہے)۔ قبلہ ایک بیت اور کہی۔ عرض کروں؟

اُستاد۔ ضرور فرمائیے۔

مولانا۔ ؎

جس کو غفلت سے نہیں کام وہ ہشیار ہے پھر
جب تعلق نہ کوئی گُل سے رہا خار ہے پھر

اُستاد۔ نایاب بیت آپ نے کہی ہے۔ اگر دنیا کے سامنے یہ بیت پیش کر دیجیے تو تعریفوں کی انتہا باقی نہ رہے مگر یہ تو فرمائیے کہ ردیف بیکار ہے یا نہیں۔ مطلب صرف اتنے میں تمام ہوا جاتا ہے ؎

جس کو غفلت سے نہیں کام وہ ہشیار رہے
جب تعلق نہ کوئی گُل سے رہا خار رہے

یہ نہایت لطیف چیز ہے جو عرض کی ہمیشہ ایسی چیزوں سے احتیاط کیجیے گا۔

مولانا۔ بیشک درست ہے۔ ردیف بالکل بیکار ہے۔ دو ایک شعر اور عرض کروں؟

اُستاد۔ ضرور۔

مولانا۔ (قدرے سکوت کے بعد) شعر عرض ہے ؎

جو سَیر اس کی دیکھو تو اے گُل بجا ہے		چمن دل کے زخموں کا پھُولا پھلا ہے

اُستاد۔ پُرانے رنگ کا بہترین شعر ہے مگر ایک عیب صریح موجود ہے اور وہ یہ کہ شعر میں اضمار قبل الذکر ہے۔ (اُس کی) کا اشارہ چمن کی طرف ہے۔ جو مقدم ہے چمن کا لفظ بعد کو آیا لہذا دوسرا مصرع پہلا مصرع کر دیجیے اور پہلا مصرع دوسرا قرار دے لیجیے یہ عیب نکل جائے گا۔

مولانا۔ نہایت مناسب۔ (تھوڑی دیر کے بعد غور و فکر کر کے) ایک بیت پھر عرض کی ہے۔ ملاحظہ ہو ؎

میں مجوب ہوں اور میں مایوس ہوں		یہ ہیں داغ غم میں تو طاؤس ہوں

اُستاد۔ اصطلاح شعرا میں ایک جنس کے حرفوں کا باہم جمع ہونا (اثقال) کہلاتا ہے۔ چونکہ پڑھنے میں ثقل و تکلف ہوتا ہے اس لیے اس کا نام (اثقال) رکھا جیسا کہ آپ کے شعر میں موجود ہے۔ (میں مجوب) کا ٹکڑا ملاحظہ ہو۔ (میں) اور (مجوب) برابر برابر آ گئے ثقل پیدا ہو گیا۔ اسی طرح (میں) اور (مایوس) برابر لائے گئے تکلف پیدا ہو گیا۔ اسی عنوان سے (داغ) کا غین اور (غم) کا غین متصل ہو گیا۔ (تو) اور (طاؤس) جمع ہونے سے انتہائی ثقل کلام کا آئینہ بن گئے۔ آپ پھر شعر پڑھیے دیکھیے ثقل معلوم ہوتا ہے یا نہیں۔

مولانا۔ (دوبارہ شعر پڑھ کے) یقیناً ثقل ہے تکلف ہوتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اب جو شعر جناب کو سنانا چاہتا ہوں یہی عیب موجود ہے۔

اُستاد۔ پڑھیے تو معلوم ہو۔

مولانا۔ میں مرتا ہوں لو لب پہ ہے دم مرا بتاؤ تو تم اب یہ کیا کر رہے ہو

اُستاد۔ بیشک بالکل وہی عیب اس شعر میں بھی ہے۔ (میں) اور (مرتا) قریب آ گئے (لو) اور (لب) جمع ہو گئے (تو) اور (تم) یکجا ہونے سے ثقل پیدا ہو گیا ہمیشہ اسکا لحاظ رکھیے گا۔

مولانا۔ بہت مناسب۔ ضرور خیال رکھوں گا۔

اُستاد۔ میں سمجھ گیا آپ موزوں طبع ہیں۔ صرف راہ بتانے کی ضرورت ہے۔ آپ جلد ترقی کر جائیں گے۔

مولانا۔ حضور کا کرم درکار ہے۔ اب اجازت چاہتا ہوں۔

اُستاد۔ خدا حافظ۔

مولانا کھڑے ہو کے سلام کر کے رخصت ہو گئے۔

اُستاد دن رات کتب بینی میں مشغول رہے۔ نواب آٹھ دن تک غزل کہتے رہے روزِ شنبہ صبح آٹھ بجے غزل لے کے استاد کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور استاد کو بہ ادب سلام کیا۔

اُستاد۔ تسلیمات۔ آئیے۔

نواب پھر سلام کر کے سامنے دو زانو بیٹھ گئے۔

اُستاد۔ غزل کہی یا متفرق اشعار؟

نواب۔ حضور، غزل عرض کی ہے۔

اُستاد۔ لائیے؟

نواب نے خوشخط لکھی ہوئی غزل اُستاد کی خدمت میں پیش کی۔ اُستاد نے غزل کھولی اور خوشخط دیکھ کے کہا کہ ہاں غزل یا کوئی کلام بغرض اصلاح اس طرح آنا چاہیے غزل سامنے

رکھ لی اور نواب سے کہا کہ آپ شعر پڑھتے جائیے میں بتاتا جاؤں ۔
نواب ۔ بہت خوب ۔

اصلاح نمبر ۳
غزل
مطلع نمبر ۱

مجکو ڈر لگتا ہے صورت سے ستم ایجاد کی   دل کو پھاڑا اس قدر بیداد پر بیداد کی

اُستاد ۔ (مسکرا کے نرم لہجے میں) دیکھیے مطلع تو آپ نے کہا ۔ قافیہ درست، موزوں ہے لیکن ایک بات آپ کو سمجھادوں ۔ آیندہ خیال رکھیے گا ۔
نواب ۔ حضور ارشاد فرمائیں ۔ ضرور خیال رکھوں گا ۔
اُستاد ۔ معشوق کی عزت عاشق کی نظر میں خاص اہمیت رکھتی ہے ۔

محبت کا مقتضا یہ ہے کہ صادق ہو اور کبھی معشوق سے نفرت نہ ہو ۔ وہ کسی قدر ہی ظلم و ستم کیوں نہ کرے ۔ معشوق سے خوف آنے کے معنے یہ ہوئے کہ محبت نفرت سے بدل گئی ۔ اور یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ محبت صادق ہونے کے بعد کبھی ختم نہیں ہوتی بلکہ کم بھی نہیں ہوتی ۔

پھر دل پھٹنا چہ معنے دارد ۔ دل پھٹنا نفرت ہوجانے کے محل پر بولتے ہیں ۔ جیسا کہ آپ نے نظم کیا یہ حفظ مراتب معشوق کے خلاف ہے ۔ عاشق ہمیشہ راضی بہ رضا رہتا ہے ۔ گو معشوق دل آزاری کی کوئی انتہا باقی نہ رکھے ۔ دل پھٹنا نفرت کے معنے میں اساتذہ نے استعمال کیا ہے ۔

جلال لکھنوی

یہ شوق خرق عادت دیوانگی میں پہونچی   دل پھاڑتا ہے میرا اب ذکر پیرہن کا

لہٰذا یوں بدل دیجیے ؎

شرح میں کس سے کروں ظلم ستم ایجاد کی   مار ڈالا اس قدر بیداد پر بیداد کی

نواب ۔ بہت مناسب کہہ کے بدل دیا ۔

شعر نمبر ۲

خواہشِ دیدار سے غش آ گیا اور گر پڑے
حضرتِ موسیٰؑ نے اپنی خاک بھی برباد کی

اُستاد۔ اے معاذ اللہ۔ آپ نے پیغمبر کے مرتبے کا بھی لحاظ نہ رکھا۔ آپ کے شعر میں ایک معصوم کی سخت توہین ہوئی۔ آیندہ لحاظ رکھیے گا۔

اِسے حفظِ مراتب کہتے ہیں۔ پھر نہ کوہِ طور کا ذکر نہ بجلی کا تذکرہ۔ واقعہ کو آپ نے بالکل مبہم رکھا مطلب صاف ادا نہ ہو سکا۔ الفاظ مناسب نہیں بلکہ بیکار۔ بندش خراب۔

خاک برباد کرنا نہیں بولتے بلکہ مٹی اپنے ہاتھ سے خراب کی یا مٹی خراب ہوئی بولتے ہیں۔ ہاتھ کا ذکر کر کے استعمال کیا ہے جو فصیح تر ہے۔

صبا

اُس شعلہ رو کے ہاتھ نہ مٹی خراب ہو
جل کر ہے ورنہ اک کفِ خاکستر آئینہ

بغیر ہاتھ کا ذکر کیے بھی بولتے ہیں۔ فصیح ہے۔

آتش

خراب مٹی نہ ہو کسی کی کوئی نہ مردود دوستاں ہو
جُدا ہوا شاخ سے جو پتا غبارِ خاطر ہوا چمن کا

اسیر

کہیں سبو کہیں ساغر بنی کہیں خمِ مے
ہر ایک طرح فلک نے خراب کی مٹی

شعر میں اگر مجموعی حیثیت سے ایک بات بھی قاعدے کی ہوتی تو رہنے دیتا۔ لہٰذا نظری کر دیجیے۔

نواب۔ میں نظری کے معنے نہ سمجھا؟

اُستاد۔ نظری کرنا شعر کاٹ دینے کو کہتے ہیں (پنسل ہاتھ میں لے کے) یہ طریقہ ہے۔ (یہ کہہ کے شعر کو نظری کر دیا) اور پڑھیے؟

نواب۔ ملاحظہ ہو۔

شعر نمبر ۳

اس قدر شہرگ سے میری خون نکلا ذبح میں
خون میں تا دیر پیری ہے چھُری جلاد کی

اُستاد۔ اس شعر میں ضعفِ نظم بھی ہے لفظِ خون کی تکرار سستی نظم کی دلیل ہے جو کم مشقی کی علامت ہے۔ پیرنے کی جگہ۔ تیرنے ہونا چاہیئے کیونکہ مچھلی کے لیے تیرنا مستعمل ہے گو آپ نے مچھلی یا ماہی کا شعر میں ذکر نہیں کیا لیکن آپ کے دل میں مچھلی کا خیال ضرور ہے۔

نواب۔ بالکل درست فرمایا گو ذکر نہیں مگر میں نے مچھلی کو خیال کر لیا تھا۔

اُستاد۔ صرف خیال پر کام نہیں چلتا ذکر ضروری ہے۔ چھری کو جب مچھلی بنایا تھا تو مچھلی کا لفظ بھی لانا چاہیئے تھا۔ لہذا یوں لکھ لیجیے ؎

ذبح میں دریا لہو کا میری شہ رگ سے بہا بن کے مچھلی خون میں تیری چھری جلاد کی

نواب۔ کیا خوب حضور نے اصلاح فرمائی ہے۔

شعر نمبر ۴

کہتے ہیں میت پہ میری موت تم کو آگئی کیجیے اب سیر جا کے خوب عدم آباد کی

اُستاد۔ آپ کے شعر میں شُتر گربہ ہے۔

نواب۔ حضور، شُتر گُربہ کیا ؟

اُستاد۔ لفظی معنے اونٹ، بلی کے ہیں۔ اصطلاحِ شعرا میں مخاطب سے ایک وقت میں ایک یا ایک بند یا ایک مصرع میں کبھی آپ، کبھی تم، کبھی تو کر کے بات کرنا۔

(سیفی) نے اس کی مثال فارسی میں (ما) اور (من) کی لکھی ہے۔ یعنے مخاطب سے کبھی ما، کبھی من کہہ کے بات کرنا۔

اردو میں بکثرت امثلہ موجود ہیں۔ اس وقت صرف دو شعر سناتا ہوں۔

نامعلوم

ہم اپنا حال اہلِ زمیں کیا بیاں کریں رہتا ہوں مثل برق فلک بیقرار میں

نامعلوم

سحر ہو گئی آپ ہرگز نہ آئے کٹی کس طرح شب تمھیں کیا خبر ہے

ہیں اور اساتذہ لکھنؤ اور دہلی کی مثالیں پیش کر سکتا ہوں۔ بڑے بڑے اساتذہ نے شتر گربہ نظم کیا ہے لیکن ابھی بے محل ہوگا آیندہ بالتشریح نام بنام اشعار اور مراثی کے بند سناؤں گا (آپ اچھی طرح سمجھ گئے؟)۔

نواب ۔ مطلب ذہن نشین ہوگیا ۔

اُستاد ۔ دوسرا عیب یہ ہے کہ عدم کا عین گر گیا ۔

نواب ۔ حضور، عین کیونکر گرا میری سمجھ میں نہیں آیا ؟

اُستاد ۔ آپ نے علم عروض پڑھا ہے۔ تقطیع کر سکتے ہیں ؟

نواب ۔ جی، مَیں عروض سے بالکل ناواقف ہوں ۔

اُستاد ۔ جب آپ تقطیع کرنے لگیں گے اور عروض پڑھ لیں گے اُس وقت بالتفصیل بتاؤں گا کہ حرف کیونکر گرتا ہے کیونکر بچایا جاتا ہے۔ اس وقت ایک معمولی سا قاعدہ بتائے دیتا ہوں سمجھ لیجیے۔ تاکہ آیندہ حرف عین کبھی نہ گرے ۔ اور وہ یہ ہے :۔

قاعدہ

مصرع میں عین کو غین کر کے پڑھیے یعنے عین پر نقطہ دے لیجیے۔ اگر کوئی تکلف پڑھنے میں نہ ہو یعنے مصرع اُسی صفائی سے پڑھ لیا جائے جس طرح عین میں پڑھا جاتا تھا تو عین نہیں گرا اور اگر زبان رُکے اور تکلف پیدا ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ عین گر گیا ۔

اب اپنے دوسرے مصرع کو یوں پڑھیے کہ عین کو غین کر لیجیے ۔

نواب ۔ بہت خوب کہہ کے عین کو غین کر کے مصرع جو پڑھا۔ تو خوب پر رُک گئے ۔

اُستاد ۔ کیوں ؟ پڑھیے ؟

نواب ۔ اُس صفائی سے نہیں پڑھا جاتا ۔

اُستاد ۔ بس سمجھ لیجیے عین گر گیا ۔

آیندہ جب غزل کہیے گا جس قدر عین ہوں سب کو غین کر کے پڑھ لیا کیجیے گا ۔

آپ دونوں عیب سمجھ گئے؟ شعر کاٹ دیجیے۔

نواب۔ بہت مناسب۔

شعر نمبر ۵

وصل کی شب جوش میں مجھ سے یہ فرمانے لگے لو، نکالو حسرتیں اپنے دلِ ناشاد کی

اُستاد۔ استغفراللہ، نہایت مذموم، واہیات شعر ہے۔ اس قسم کے شعر کبھی نہ کہیے گا۔ بالکل بازاری خیال۔ کیا آپ کو داغ دہلوی کا رنگ زیادہ پسند ہے؟ داغ نے اس قسم کے تخلیات کے دریا بہا دیے۔ چنانچہ مشہور شعر ہے ؎

بہت تم کو سا کرتے تھے کہ ٹپکے کوڑھ ہاتھوں میں جوانی آپ ہی کی چھوٹ نکلی چھاتیاں ہو کر

ایک داغ ہی پر بازاری خیال کا دھبہ نہیں۔ بہت سے اساتذہ نے ایسے خیال نظم کیے ہیں چنانچہ خدائے سخن حضرت میر تقی میر

لذتِ دُنیا سے کیا بہرہ ہمیں پاس ہے رنڈی دلے ہے ضعف باہ

امیر مینائی

ہزاروں برس کی ہے بُڑھیا یہ دنیا مگر تاکتی ہے جواں کیسے کیسے

امیر مینائی

آنکھیں دکھلاتے ہو جوبن تو دکھاؤ صاحب وہ الگ باندھ کے رکھا ہے جو مال اچھا ہے

آتش

ہوتا ہے خوشنوائی بلبل سے آشکار یہ مشت پر بھی شاعروں کا احتلام ہے

آپ نے شعر سُنے کس قدر پست خیال کے شعر ہیں ان کو مخربِ اخلاق نہ کہنا گناہ عظیم کا مرادف ہے۔ آپ ہمیشہ احتیاط کیجیے گا۔

نواب۔ بہت خوب، ضرور احتیاط کروں گا۔

اُستاد۔ یہ شعر کاٹ دیجیے۔ اور پڑھیے۔

نواب۔ شعر کاٹ کے۔

شعر نمبر ۶

صبح تک زنداں کی دیواریں ہلا کیں شام سے　　　شب کو قیدی نے بھلا یہ کس طرح فریاد کی

اُستاد۔ واہ، سبحان اللہ (شام سے) کا ٹکڑا بالکل زائد۔ کلام میں زوائد نہ ہونا چاہیئے۔

نواب۔ زوائد کیا؟

اُستاد۔ زوائد جمع زائد کی یعنے بھرتی کے لفظ نہ ہونا چاہیئے۔ تمام الفاظ اپنا اپنا مطلب ادا کریں۔ دیگر یہ کہ آپ نے سرقہ بھی کیا ہے جو قطعاً حرام ہے۔

نواب۔ گھبرا کے، چوری کی ہے؟

اُستاد۔ جی ہاں۔

نواب۔ کس کی چوری؟

اُستاد۔ جناب رشید لکھنوی مرثیہ گو کی چوری۔ مرحوم کی غزل کا مشہور شعر ہے ؎

سحر تک روز زنداں کی ہلا کرتی ہیں دیواریں　　　نہ جانے شب کو قیدی کس طرح فریاد کرتے ہیں

دیکھیے، کسی کے مضمون کو بجنسہ یا قدرے تغیر کے ساتھ جانتے ہوئے اپنا کر لینا یعنی خود نظم کر لینا، سرقہ کہلاتا ہے۔ اور اگر بغیر علم کسی کے مضمون سے لڑ جائے تو سرقہ نہیں کہتے بلکہ توارد کہتے ہیں۔ تفصیل آئندہ بیان کروں گا ابھی آپ سمجھ نہ سکیں گے۔ شعر کاٹ دیجیے۔

نواب۔ بہت بہتر (یہ کہہ کے شعر کاٹ دیا)۔

شعر نمبر ۷

کھانا پینا اُٹھنا بیٹھنا ہو گیا دشوار اب　　　بڑھ گئی ہے اس قدر دھڑکن دلِ ناشاد کی

اُستاد۔ پہلے مصرع کی بندش بھی خراب ہے۔ اور ناموزوں بھی ہے۔ یوں بدل دیجیے تو شعر غنیمت ہو جائے ؎

چلنا پھرنا بیٹھنا اُٹھنا ہے فرقت میں محال　　　بڑھ گئی ہے اس قدر دھڑکن دلِ ناشاد کی

نواب۔ بہت مناسب (یہ کہہ کے بدلا ہوا مصرع لکھ لیا)۔

شعر نمبر ۸
مقطع

ہوگیا زعفرؔ تمہارے عشق کا اتنا اثر   غیر حالت اُس ستمگر نے تمہارے بعد کی

اُستاد - خوب کیا آپ کا تخلص زعفرؔ ہے -

نواب - بڑی فکر کی کہ نیا تخلص مل جائے اور اچھا ہو لیکن نہ ملا بمجبوری زعفرؔ تخلص رکھ لیا اب جو حضور کا حکم ہو -

اُستاد - میرے خیال میں امیدؔ تخلص رکھ لیجیے -

نواب - بہت خوب ، واہ واہ - آیندہ مقطع میں امیدؔ ہی نظم کروں گا -

اُستاد - غزل بھر میں سب سے بڑا عیب مقطع کے قافیہ کا ہے - یاد ، فریاد ، آباد کے ساتھ (بعد) کیونکر آسکتا ہے ؟ بعد میں حرف دال کے قبل عین ہے جبین کی جگہ الف ہونا چاہیئے تھا -

یاد ، فریاد میں دال حرف روی ہے - الف حرف قید ضرور ہے - حرف قید کے بدلنے کے متعلق مختلف اقوال ہیں بعض کا خیال ہے کہ حرف قید بدلا جا سکتا ہے بعض حرام سمجھتے ہیں جو جائز سمجھتے ہیں اُن میں سے شیخ سعدی بھی ہیں - چنانچہ اُن کا شعر ہے ؎

چہ بصرہ چہ شام و چہ بر و چہ بحر   ہمہ روستانید و شیراز شہر

اور حرف قید کے بدلنے میں یہ قید بھی لگا دی ہے - حرف قریب المخرج ہونا چاہیے لیکن محققین خاص کے نزدیک حرف قید کا بدلنا قطعاً حرام ہے - چنانچہ مؤلف حدائق البلاغۃ اسی کے مؤید ہیں - شعرائے ہند کا بھی معمول یہی ہے کہ حرف قید نہیں بدلتے -

نواب - سرکار ، یاد آگیا - جوشؔ ملیح آبادی نے جائز قرار دیتے ہوئے اسی طرح کا قافیہ نظم کیا ہے جو مطبوعہ کتابی شکل میں ہے -

اُستاد - جوشؔ کا نام لینے سے آپ کا کیا مطلب ؟

نواب - وہ بہت مشہور و مقبول شاعر ہیں -

اُستاد - بیشک موجودہ دَور کی شاعری کے اعتبار سے ضرور مقبول عوام ہیں لیکن اسکے یہ معنے نہیں کہ اُنکا کلام سند میں پیش کیا جاسکے اسلیے کہ وہ قیودِ شعر و عیوب و محسنات کی پابندی نہیں کرتے دنیائے اُردو میں ناحق انقلاب پیدا کر کے (شاعرِ انقلاب) بن گئے ۔ جناب جوشؔ کے نظم کر دینے سے یاد - فریاد کا قافیہ رعد یا بعد کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا ۔ خدائے سخن حضرت عشقؔ مرثیہ گو نے ایسے ہی عیوب سے متاثر ہو کے یہ بیت نظم فرمائی ہے

ہر تازہ گو بھی اپنی جگہ لاجواب ہے دردا زمینِ شعر کی مٹی خراب ہے

آپ ہمیشہ احتیاط کیجیے گا ۔ اور میرے سامنے کبھی ایسے شعرا کی مثال پیش نہ کیجیے گا مقطع کاٹ دیجیے ۔

نواب - بہت خوب کہہ کے (مقطع کاٹ دیا) سلام کر کے غزل تہ کر کے جیب میں رکھ لی اور پیچھے ہٹ کے بیٹھ گئے ۔

اُستاد - جتنے شعر باقی رہ گئے ہیں صاف کر لیجیے گا ۔ مسودہ تلف نہ کیجیے گا آئندہ کام آئے گا ۔ جو باتیں بتائی ہیں اُن کا خیال رکھیے گا - آٹھویں روز ایک غزل ضرور آنی چاہیے تاکہ مشق بڑھتی رہے - درحقیقت شاعر کے لیے ضروری ہے کہ کم از کم پچاس شعر روزانہ کہے ۔ کچھ ہدایات اور کرون گا ۔ جو آپ کے لیے بہت زیادہ مفید اور کارآمد ثابت ہوں گے ۔

نواب - بہت خوب - (تھوڑی دیر سکوت کے بعد) اجازت چاہتا ہوں ؟

اُستاد - جائیے گا - اچھا خدا حافظ ۔

نواب - سلام کرتے ہوئے خدا حافظ کہتے ہوئے رخصت ہو گئے ۔

دلچسپ معلومات نمبر ۳

اُستاد حدائق البلاغۃ اُٹھا کے جابجا سے مطالعہ میں مصروف ہو گئے ۔ تقریباً آدھ گھنٹہ نہ گزرا ہو گا کہ یکایک چار شاعر کہنہ مشق صرف اس لیے کہ اُستاد کا امتحان لیں کہ معلومات کس قدر ہیں آ گئے سب نے اجازت چاہی ۔

اُستاد نے کھڑے ہو کے (تشریف لائیے) ۔

چاروں شاعر کمرے میں آگئے۔

اُستاد نے بسم اللہ کہہ کے اپنے قریب سب کو بٹھایا (چاروں شاعروں میں (۱) مروت صاحب (۲) شہرت صاحب (۳) زینت صاحب (۴) حیرت صاحب)۔

آپ حضرات کا کیونکر تشریف لانا ہوا؟ کہاں زحمت فرمائی؟

شاعر۔ ہم لوگ افقر صاحب موہانی کے یہاں مشاعرے میں حاضر ہوئے ہیں آج شب کو یہ خیال ہوا کہ جناب کی قدمبوسی کر لیں اس لیے کہ لکھنؤ اب آپ ہی ایسے حضرات کے دَم سے لکھنؤ ہے۔ کچھ کلام سے حضور مستفید فرمائیں تو مہماں نوازی ہوگی۔

اُستاد۔ عرصے سے شعر گوئی ترک کر چکا، برسوں سے ایک مصرع نہیں کہا مجھ سے کیا سُنیے گا۔ ہاں آپ حضرات ماشاء اللہ شب و روز کہتے رہتے ہیں کچھ ارشاد ہو تو عین بندہ نوازی ہوگی۔

شعرا۔ نہیں حضور کچھ ضرور ارشاد فرمائیں۔ مہمان کی خوشی میزبان پر فرض ہے۔ ہم لوگ مہمان ہیں۔

اُستاد۔ آپ حضرات مجبور کر رہے ہیں صرف ایک مطلع جو تقریباً تیس برس قبل کا ہے سنائے دیتا ہوں۔ اُس کے بعد آپ حضرات کو غزلیں سُنانی ہوں گی۔

شعرا۔ حضور ایک مطلع میں سیری نہ ہوگی۔

اُستاد۔ یہ بھی صرف آپ حضرات کی خوشی سے پڑھے دیتا ہوں ورنہ غزل گوئی، غزلخوانی ترک کر چکا۔

شعرا۔ (آپس میں اشارہ کر کے) خیر جو خوشی ہو ارشاد فرمائیے۔

اُستاد۔

آتشِ فرقت سے دل اس طرح سوزاں ہوگیا ۔۔۔ داغ لَو دینے لگے سرو چراغاں ہوگیا

شعرا۔ (مُسکرا کے) واہ حضور واہ۔ کیا مطلع ارشاد فرمایا ہے۔ مروت صاحب (ہمراہیوں کی طرف دیکھ کے) مطلع پھر ارشاد ہو۔ اُستاد نے پھر پڑھا۔ اور سلام کیا۔ شہرت صاحب (مُسکرا کے) حضور پھر عنایت فرمائیں۔ اُستاد نے پھر پڑھا۔

(اب اُستاد نے خیال کیا کہ مطلع پر کوئی اعتراض ہے)۔

زینت صاحب - حضور، ایک مرتبہ اور ارشاد ہو -

اُستاد نے سلام کرتے ہوئے پھر پڑھا (اور شعرا کی طرف نظر ڈال کے) کیا آپ حضرات کو مطلع میں کچھ کلام ہے ؟

شعرا - امید ہے کہ جناب گستاخی معاف فرمائیں گے -

اُستاد - نہیں نہیں جو اعتراض ہو ارشاد فرمائیے -

مروت صاحب - قوافی کے متعلق دریافت کرنا چاہتے ہیں - جناب نے سوزاں، چراغاں نظم فرمایا ہے - یہ ایطا جلی ہے - جو افحش عیوب میں شمار کیا جاتا ہے - کیا حضور کے نزدیک ایطا نہیں ہے اور اگر ہے تو جائز ہے ؟

(دُور اندیش تجربہ کار اُستاد سمجھ گئے کہ چونکہ میں لکھنوی ہوں - جذبۂ تعصب میرے ذلیل کرنے کیلئے یہاں تک ان حضرات کو لایا ہے) -

اُستاد - بظاہر تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ ایطا جلی ہے جسے یقیناً ناجائز سمجھتا ہوں لیکن فی الحقیقت جلی کیا ایطا خفی کی بھی جھلک نہیں پائی جاتی -

شہرت صاحب - یہ تو جناب کا دعویٰ ہی دعویٰ ہے - دلیل کا وجود نہیں - کیا چراغاں کا چراغ اور سوزاں کا سوز باقی نہیں رہتا - ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ جناب کیا فرما رہے ہیں -

اُستاد - پہلا جواب یہ ہے کہ سوزاں کا الف و نون علامت فاعلیت ہے - چراغاں کا الف و نون زائد ہے - چونکہ علامتوں میں فرق ہے اس لیے جائز ہونے میں کیا کلام ہے - گو میرے نزدیک یہ جواب صحیح نہیں -

شہرت صاحب - یہ مسئلہ ہماری سمجھ میں نہیں آیا ؟

اُستاد - (غصہ میں) یہ چیز آپ کے سمجھنے کی بھی نہیں ہے -

زینت صاحب - کیا کچھ چیزیں جناب کے نزدیک ایسی بھی ہیں جن کے سمجھنے سے ہم لوگ قاصر ہیں؟

اُستاد - کچھ کا لفظ نہ بولیے بکثرت چیزیں ایسی ہیں کہ جناب نے جن کا نام بھی نہ سنا ہوگا -

حیرت صاحب۔ معافی کا خواستگار ہوں، بے ادبی ہے۔ یہ اہل لکھنؤ کا خاص طریقہ ہے کہ اپنے سامنے کسی کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتے یہ طے کر لیا ہے کہ فن شعر و سخن میں ہم سے بہتر دستگاہ کسی کو نہیں جیسا کہ جناب نے طریقہ اختیار فرمایا ہے تو مشق سمجھتے ہوئے صریحی غلطی کو صحیح فرما رہے ہیں۔

اُستاد۔ (غضبناک لہجے میں) اہل لکھنؤ قطعاً متعصب نہیں کسی کو ذلیل نہیں سمجھتے۔ سر باہر سے آنے والے شاعر کی عزت کرتے ہیں، اُس کو آسمان پر چڑھا دیتے ہیں۔ بلکہ بہت سے پُرخلوص اہل لکھنؤ ایسے بھی ہیں جو لکھنوی شاعر کو پست کرتے ہوئے بیرونی شاعر کو ہفت آسمان کی سیر کراتے ہیں۔ کبھی کوئی آنے والا لکھنؤ سے بے عزت ہو کے نہیں گیا۔ اہل لکھنؤ نے ڈنکے بجوا دیے تعریفوں کے پُل باندھ کے جہاں تک عالم میں روشناس کرا دیا۔ برخلاف اس کے لکھنوی غریب بعض متعصب مقامات پر گئے اور مرثیہ پڑھنے کیلئے منبر پر جانا تھا کہ آتش بغض و حسد نے بھڑک کے خرمن اخلاق کو خاک سیاہ کر دیا۔ اثنا خوانندگی میں کسی نے ذاکر کو منہ چڑھا دیا کسی نے چوریج دکھائی کسی نے آنکھ ماری۔ ذاکر غریب الوطن میزبانوں کی نالائق حرکت سے عاجز آ گئے۔ بے ربط مرثیہ چھوڑ کے اتر آیا۔ اور رُخ سوئے وطن کر دیا۔ (حیرت صاحب کی طرف رُخ کر کے) آپ کے چھیڑنے سے موضوع بدل گیا۔ ہاں جناب آپ کے نزدیک بھی عیب ہے۔

حیرت ۔ قطعاً عیب صریح موجود ہے۔

اُستاد۔ میں تقریر شروع کرتا ہوں۔ جو کچھ اعتراض ہو تقریر کے بعد فرمالیے گا۔ غور سے ملاحظہ ہو۔

حیرت ۔ ارشاد۔

اُستاد۔ زبان عربی میں جسے (ایطا) کہتے ہیں۔ فارسی زبان میں اسی کو (شائگاں) کہتے ہیں۔ اسکی دو قسمیں ہیں۔ جلی اور خفی۔

جلی اُسے کہتے ہیں جس میں تکرار قافیہ ظاہر بظاہر ہو۔

مثال۔ دردمند، حاجتمند۔ ستمگر۔ افسوں گر۔ یاراں۔ دوستاں وغیرہ اسی کی واضح مثال حضرت موجب مدظلہ کے چار مصرع ہیں ؎

جاری آب اشک ہے آنکھوں سے جو شام و سحر پُتلیاں کہتی ہیں دل کو عشق ہے سلطین سے

شاگگاں کتنا جلی ہے دیکھیے اہلِ نظر   چشمۂ تسنیم و کوثر ہیں رواں عینین سے

موصوف نے شاگگاں کو کس حسن سے نظم فرمایا ہے۔ گویا ایک قاعدہ بیان فرمایا ہے اور وہ یہ کہ اگر شاگگاں نظم کر کے ظاہر کر دیا جائے تو قباحت نہیں گو سبطین کا سبط حسنین کا حسن رہ گیا لیکن شاگگاں کا لفظ چار مصرعوں میں لا کے عیب کو واضح کر دیا اب عیب نہ رہا۔

خفی اُسے کہتے ہیں جس میں تکرار قوافی ظاہر بظاہر نہ ہو۔

مثال ۔ دانا ۔ بینا ۔ حیراں ۔ سرگرداں ۔

ایطا کے معنی بھی یہی ہیں تکرار کلمہ قوافی میں ایک معنی کے ساتھ ۔ آپ کے نزدیک میرے مطلع میں ایطا جلی ہے ۔

حیرت ۔ جناب نے جو کچھ تقریر فرمائی یہ ابتدائی کتابوں میں اسی سلسلے سے لکھی ہوئی ہے ۔

اُستاد ۔ میں نے عرض کر دیا تھا کہ جناب درمیان میں نہ بولیں ۔ بیشک چھوٹی کتابوں میں بھی یہ مسئلہ یوں ہی لکھا ہوا ہے ۔ لیکن اب جو کچھ عرض کرتا ہوں بڑی بڑی کتابوں میں نہ ملے گا۔ اور شاید جناب نے آج تک کسی سے سُنا بھی نہ ہو ۔ اتنا تو دنیا جانتی ہے ۔ وہ یہ ہے کہ جواز ایطا کی دو صورتیں ہیں ۔ پہلی صورت یہ ہے کہ تکرار لفظ کے ساتھ معنے بدلتے جائیں ۔ جیسے جناب رشید لکھنوی مرثیہ گو کے ایک بند کے چار مصرع بہار کے موقع پر ۔

نہ کسی نے خبرِ حالتِ نیک و بدلی   شرط آپس میں بہار آنے کی سب نے بدلی
باغِ عالم کی ہوا اور ہوئی رُت بدلی   بوندیاں پڑ رہی ہیں چھائی ہوئی ہے بدلی

دیکھیے چاروں مصرعوں میں بدلی کا لفظ قافیہ ہے ۔ مگر معنی ہر جگہ بدلتے گئے یہ جائز اور قطعاً جائز ہے ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بیت میں دونوں قافیے ایک طرح کے ہوں لیکن ایک قافیہ عَلَم ہو۔ دراصل علم کے ولو دو جز ہوں لیکن علم ہونے کے بعد ایک مستقل شے قرار دیتے ہیں جس کے بعد تحلیل اجزا کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی ۔ جیسے حیدر ۔ صفدر ۔ حیدر کی اصل حی در ۔ سانپ یا اژدہے کا پھاڑنے والا ۔ صفدر کے معنی صفوں کا چیرنے والا ۔ بظاہر شاگگاں جلی

موجود ہے لیکن چونکہ حیدر علم ہوگیا ہے اس لیے جائز ہوگیا۔ علمیت کی دلیل خود قولِ حضرت علیؑ ہے جو خیبر میں مرحب کے مقابل میں رجز کے محل پہ فرمایا تھا انا الذی سمتنی امی حیدرا چنانچہ بطور مثال حضرت انیس رح کا بند ہے۔

مطلع

میدان میں عباسؑ دلاور کی ہے آمد ہر صف میں یہ ہے شور کہ صفدر کی ہے آمد
سب کہتے ہیں کرار کے دلبر کی ہے آمد یہ اور کی آمد نہیں حیدر کی ہے آمد
اک دم میں الٹ دیگا ورق فوج کی صف کا
رُخ پھیر دیا خلعتِ شاہِ نجف کا

حیدر، صفدر ایک ہی بند میں نظم فرمایا ہے جو قطعاً جائز ہے۔ میں نے جو کچھ عرض کیا یعنی حیدر و صفدر کی مثال پیش کی یہ بربنائے مشہور ہے یعنے حیدر۔ حتی درست علم ہوا ورنہ لیکہ میری تحقیق میں حیدر مستقلاً علم ہے۔ اژدہے کو بھی نہیں بلکہ شیر کہتے ہیں۔ رہا در تو درین سے در بنا کے عرب النسل عورت کبھی اپنے بچے کے نام میں شامل نہیں کرے گی جیسا کہ بربنائے مشہور ہے۔ بہر طور یہ طے شدہ امر ہے کہ اگر ایک قافیہ علم ہو تو جائز ہے مثلاً پہلے مصرع میں چراغاں ہو اور دوسرے مصرع میں سرو چراغاں ہو اور سرو چراغاں کسی کا نام ہو جیسا کہ میرے مطلع میں ہے تو قطعاً جائز قرار پائے گا۔

حیرت مثل آئینہ حیران ہو کے استاد کا منہ دیکھنے لگے باقی حضرات نے شرم سے سر جھکا لیا۔ اور بالاتفاق سب نے کہا بجا ہے درست ہے۔ واقعاً جناب کا مطلع صحیح ہے لیکن ایک بات باقی رہ گئی وہ یہ کہ سرو چراغاں بھی علم ہے یا نہیں۔

اُستاد۔ بیشک یہ فرض میرا ہی ہے کہ ثابت کروں۔ سنئے بہار عجم مستند لغت ہے اسکی عبارت بجنسہ پڑھتا ہوں۔ اسے آپ کو کوئی کلام باقی نہ رہے گا (سرو چراغاں) مثل چلچراغ بود و بعضے از تازہ گویان زبان ما این را در اشعار خود بستہ اند لیکن در کلام قدما یافتہ نشدہ۔

اب تو جناب کو علیت سروچراغاں کا یقین ہوا۔

حیرت۔ جناب کا فرمانا بالکل درست و بجا ہے ہم لوگ اپنا اعتراض واپس لیتے ہیں۔

اُستاد۔ مگر میں اپنا جواب واپس نہیں لیتا۔ اب کچھ اپنے کلام سے آپ حضرات مستفید فرمائیں (گو اُستاد کا سکہ دل پر بیٹھ چکا تھا، ہیبت طاری ہو چکی تھی۔ مگر جذبۂ تعصب لکھنؤ نے مجبور کرکے شعر پڑھنے پر آمادہ کیا۔)

(شعرا ایک دوسرے کو اشارہ کرکے، اُستاد کی طرف دیکھ کے) ہم لوگ کلام ساتھ لانا بھول گئے اب جناب ہی اپنے کلام سے مسرور فرمائیں۔

اُستاد۔ میں اب ایک شعر بھی نہیں پڑھوں گا۔ جو کچھ یاد ہو ارشاد فرمائیے۔

(شعرا، یہ خیال کرتے ہوئے کہ سمجھے اور جنچے ہوئے متفرق اشعار سنائیں گے تاکہ اُستاد اعتراض نہ کرسکیں)

مروت صاحب۔ شاید جناب تعلّی خیال فرمائیں یا دعویٰ متصور فرمائیں۔ ایسا نہیں بلکہ واقعی ہم لوگ حتی الامکان اتنا سمجھ کے شعر کہتے ہیں کہ اعتراض کا خیال ہی نہیں پیدا ہو سکتا۔ اگر جناب کو کہیں شک ہو تو ضرور دریافت فرمالیں۔

اُستاد۔ فن شعر و سخن ایسا فن ہے کہ انسان عمر بھر دھوکے کھاتا ہے۔

مروّت صاحب۔ ہم لوگ خدا کی قسم دیتے ہیں کہ اگر کہیں کچھ شک، یا خیال پیدا ہو تو ضرور اعتراض فرمادیجیے گا۔ مروّت سے کام نہ لیجیے گا۔ ہم لوگ ناراض نہیں ہوں گے۔ کیونکہ ہم لوگوں کا دعویٰ ہے کہ ہمیشہ بے عیب کہتے ہیں۔

اُستاد۔ (مسکرا کے) چونکہ آپ حضرات نے قسم دیدی ہے اس لیے جہاں سمجھ میں نہ آئے گا دریافت کرلوں گا۔

شعرا۔ (یکبارگی) ہم لوگ خوش ہوں گے ناخوشی کی کیا بات ہے۔

اُستاد۔ پھر ارشاد ہو؟

مروت صاحب ۔ مسلسل غزل یا دیگر کلام یاد نہیں ۔ متفرق اشعار ملاحظہ ہوں ۔ شعر عرض ہے ۔

کیا ستاتی ہمیں تمازت مہر تھا سر حشر سایۂ رحمت

اُستاد ۔ بہت خوب شعر فرمایا ہے لیکن عرض یہ ہے کہ سایۂ رحمت کس کا تھا پتا نہ چلا ؟

مروت صاحب ۔ خدا کی رحمت کا سایہ مراد ہے ۔

اُستاد ۔ بتانے سے سمجھ میں آیا ورنہ اجنبی شخص قطعاً سمجھ نہ سکتا ۔

مروت صاحب ۔ یہ نیا رنگ ہے ۔ صرف اشارات میں مطلب ادا ہوتا ہے ۔ یہ خصوصیت پرانے رنگ کی ہے کہ وضاحت ضرور ہو ۔

اُستاد ۔ اب سمجھ گیا ۔ بیشک اگر نئے رنگ کا شعر ہے تو درست ہے ۔ یہ بھی معلوم ہوگیا کہ طرز جدید کی شاعری میں مصرعوں کی بے ربطی اور مطلب کے ابہام کا نام شعر ہے ۔

مروت صاحب ۔ جی نہیں ۔ یہ ادب لطیف ہے ۔

اُستاد ۔ سب باتوں کو جانے دیجیے ۔ یہ تمازت کا لفظ ترکیب کے ساتھ آپ نے کیوں استعمال کیا کیا عربی یا فارسی ہے ؟

مروت صاحب ۔ عربی لفظ ہے ۔ بروزن سخاوت ۔ مصدر ہے ۔ کیا اب بھی اضافت صحیح نہیں ؟

اُستاد ۔ صرف جناب کا معیار تحقیق سمجھنا چاہتا تھا ۔ آپ دھوکے میں ہیں ۔ مصدری وزن ضرور ہے ۔ لیکن عربی نہیں ۔ اس لفظ کے واضع اہل ہند ہیں لہٰذا اُردو ہے ۔

مروت صاحب ۔ کیا کسی لغت میں اس لفظ کا وجود نہیں ؟

اُستاد ۔ بیشک کسی لغت میں نہیں ملے گا ۔

مروت صاحب ۔ تمام عالم بولتا ہے ۔

اُستاد ۔ پوری دنیا غلط بولتی ہے ۔ ہاں بغیر ترکیب اُردو سمجھتے ہوئے صحیح ہو جائے گا ۔ ترکیب کے ساتھ تو قطعاً ناجائز ۔

مروت صاحب ۔ میں نے جان کے امتحاناً غلط لفظ شعر میں لا کے پڑھا تاکہ جناب کی استعداد علمی

دریافت کرسکوں۔

اُستاد (بڑے غیظ کے لہجے میں) بہت مناسب اور شعر ارشاد ہوں تو استعدادِ علمی جناب پر کیا حقہ ظاہر کردوں۔

مروت صاحب - بہت خوب - شعر عرض ہے ؎

متلاشیِ دل رہا میں مگر   زندگی بھر مجھے پتا نہ ملا

اُستاد - ابھی تو امتحاناً کوئی لفظ آپ نے غلط استعمال نہیں کیا۔

مروت صاحب - جی نہیں بالکل سمجھا ہوا شعر ہے۔

اُستاد - (چونکہ غصہ آچکا تھا) جناب وہی عیب جو شعر اوّل میں تھا اس شعر میں بھی ہے۔ مُتلاشی، نہ عربی ہے نہ فارسی بلکہ اُردو ہے اور آپ ترکیب اپنے اضافت کے ساتھ نظم کر گئے۔

مروت صاحب - جب وزن عربی ہے گو اُردو ہی تو اضافت میں قباحت نہیں ہے۔

اُستاد - سبحان اللہ، آج جناب سے معلوم ہوا کہ اُردو کی اضافت فارسی یا عربی لفظ کی طرف صحیح ہے۔ معاف فرمایئے گا آپ میری استعدادِ علمی معلوم فرمانا چاہتے تھے قبل اسکے کہ میری حیثیت علمی معلوم ہو۔ مجھے جناب کی تحقیق و بلند خیالی کی حد کا پتا چل گیا۔ قاعدہ عرض کیے دیتا ہوں، ماننا نہ ماننا جناب کا فعل ہے۔

قاعدہ

اگر اہلِ ہند کسی عربی یا فارسی لفظ کی حرکت بدل کے بولیں۔ یا کسی وزن عربی پر لفظ وضع کر کے معنے خاص میں استعمال کریں۔ تو قطعاً اُردو کا حکم جاری کیا جائے گا۔ اس پر اجماعِ شعراء مستند ہے۔ آیندہ خیال رکھیے گا۔

مروت صاحب سر جھکا کے خاموش ہوگئے۔ سب پر ایک رعب طاری ہوگیا۔ مگر رئیس [illegible] بول اُٹھے کہ قبلہ دو ایک شعر میرے ملاحظہ ہوں شاید اعتراض کی زحمت جناب کو نہ ہو۔

اُستاد - جناب ضرور ارشاد فرمائیں۔

زینت صاحب ۔ شعر عرض ہے ؂

اے خیال مہتمم یہ اہتمام زندگی دیکھنا اک روز بھر جائے گا جام زندگی

اُستاد ۔ جناب معاف فرمائیں گے اعتراض کی زحمت ہوئی ۔

زینت صاحب ۔ ارشاد ہو کیا غلطی ہے ؟

اُستاد ۔ مروّت صاحب والے شعروں کا عیب آپ کے شعر میں بھی موجود ہے ۔

زینت صاحب ۔ لفظ مہتمم کا وجود کیا لغت میں نہیں ہے ؟

اُستاد ۔ آپ نثراً بھی ترکیب سے بول رہے ہیں ۔ میں عرض کر چکا کہ کہیں آپ کو اس لفظ کا وجود نہیں ملے گا ۔ یہ ساختۂ اہل ہند ہے ۔

زینت صاحب ۔ (شرما کے) ایک شعر اور عرض کرتا ہوں اگر جناب نے اعتراض فرما دیا تو یقیناً مان لوں گا کہ ایک مستند اُستاد کو ایسا ہی ہونا چاہیئے ۔

اُستاد ۔ یہ ضروری نہیں کہ انسان کے ہر شعر میں عیب ہو مگر خیر ، پڑھیے ۔

زینت صاحب ۔ شعر عرض ہے ؂

نقشۂ ہستی مٹاتا ہے مگر اے ظلم دوست سامنا عادل کا اک دن حشر میں ہو جائے گا

اُستاد ۔ وہی ہوا جو دلِ بے قرار کہتا تھا ۔ جناب نقش ، نقوش تک تو غنیمت ہے لیکن نقشہ وہ بھی ترکیب کے ساتھ کہیں نہیں ملتا نظر قاصر سے نہیں گزرا ۔ میرے نزدیک ساختۂ اہل ہند ہے اور اردو ہے ترکیب سے استعمال ہونے میں کلام ہے ۔ شعراء ہند نے نقش ترکیب کے ساتھ استعمال کیا ہے اور نقشہ ہمیشہ بغیر ترکیب استعمال کیا ۔ چند شعر اساتذہ کے سناتا ہوں ، آپ حضرات کو اندازہ ہو جائے گا کہ میں کہاں تک صحیح کہہ رہا ہوں ۔ نقش کی مثالیں ملاحظہ ہوں کہ ترکیب کے ساتھ نظم کیا ہے ۔

آتش

صفحۂ دل سے اُٹھاؤں کس طرح نقشِ صنم ملک میں ہوتا کسی کے گھر نہیں اللہ کا

امیر

نقشِ ہستی ہیں ابھی محو کیے دیتا ہوں　　خط تقدیر نہیں ہے کہ مٹا ہی نہ سکوں

غالب

آشفتگی نے نقشِ سویدا کیا درست　　ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دُود تھا

پھر کہتے ہیں ؎

غالب

اُس کی بزم آرائیاں سُن کر دلِ رنجور یاں　　مثل نقشِ مدعائے غیر بیٹھا جائے ہے

نقشہ کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں جو بغیر ترکیب استعمال ہوا ہے :-

آتش

جبیں پہ اپنی افشاں کو جو اس محبوب نے چھڑکا　　کتابی چہرے نے نقشہ دکھایا لوحِ قرآں کا

داغ

ناامیدی مٹائے جاتی ہے　　شوق نقشہ جمائے جاتا ہے

وزیر

اُس شہسوار کا ہے داغ آسمان پر　　کھینچا ہے جو ہلال نے نقشہ رکاب کا

امیر

افلاک نے چمکائے ستارے تو میں سمجھا　　نقشے یہ اُڑائے ہیں تری بزمِ طرب کے

غالب

تھم ماہِ شبِ چار دہم تھے مرے گھر کے　　پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشہ کوئی دن اور

نہایت صاف دلی سے عرض کرتا ہوں کہ نقشہ اگر آپ کی تحقیق میں کسی وقت آجائے تو مجھے ضرور اطلاع دیجیے گا میں تھک چکا ہوں۔

(زینت صاحب خود اور اُن کے ہمراہی دیر تک خاموش رہے)۔

زینت صاحب ۔ غالباً جناب کا وقت خراب ہو رہا ہوگا۔ آیندہ ہفتہ معین فرمائیے تو

جناب کے اعتراضات کی تحقیق کر کے ہم لوگ جواب پر تیار ہو کے آئیں ۔

اُستاد ۔ آپ حضرات مسافر ہیں ۔ آئندہ شنبہ کو زحمت ہو گی ۔ کل یکشنبہ ہے تشریف لائیے دو صاحب باقی رہ گئے ہیں اُن کا اشتیاق ہے ۔

زینت صاحب ۔ (ہمراہیوں کی طرف دیکھ کے) بہت بہتر ہے کل اسی وقت حاضرِ خدمت ہوں گے ۔ اب اجازت مرحمت ہو ۔

اُستاد ۔ پان اور نوش فرمائیے ۔

سب نے پان کھایا اور رخصت ہو گئے ۔ راستہ بھر یہی باتیں کہ کیا خیال کر کے گئے تھے کیا ہوا ۔ قیامت کا حافظہ، غضب کی تحقیق ہے جیسا اہلِ لکھنؤ کو سُنتے تھے ویسا ہی پایا ۔ اب جتنے شعر ان کے سامنے پڑھے جائیں نہایت سمجھ کے تحقیق کر کے پڑھے جائیں ۔

شہرت صاحب ۔ حیرت صاحب، کل ہم لوگوں کی باری ہے خدا رحم کرے ۔ آپ حضرات تو اپنا کلام سُنا چکے ۔ یہی باتیں کرتے ہوئے جائے قیام پر پہونچے اور دن بھر اشعار درست کیے گئے ۔ اور یہ طے کیا گیا کہ کون کون سے شعر کل پڑھے جائیں ۔ دو بجے شب تک مشاعرے میں شرکت کر کے سب نے آرام کیا ۔ صبح کو بیدار ہوتے ہی اُستاد کے یہاں جانے کی تیاری شروع کی ۔

یہاں اُستاد، صبح کا وقت ہے، بیٹھے ہیں مولانا کا انتظار کر رہے ہیں کہ وقتِ معینہ پر مولانا آ گئے ۔ سلام علیکم ۔

اُستاد ۔ علیکم السلام ۔ آئیے ۔

مولانا ۔ حاضر کہہ کے سامنے بہ ادب بیٹھ گئے ۔

اُستاد ۔ سب خیریت ؟

مولانا ۔ بفضلہٖ تعالیٰ من جمیع الجہات مع الخیر ہوں ۔

اُستاد ۔ فرمائیے کچھ شعر بھی کہے ؟ میں تو آپ کا انتظار کر رہا تھا ۔

مولانا - جی ، صرف دس شعر عرض کر سکا۔

اُستاد - لائیے -

مولانا نے جیب سے خوشخط لکھی ہوئی غزل نکال کے پیش کی -

اُستاد - آپ شعر پڑھتے جائیے میں بتاتا جاؤں -

مولانا - بہت خوب -

اصلاح نمبر۴
غزل مولانا
مطلع نمبر۱

اک انقلاب کی دُنیا بنا رہا ہوں میں تغیرات کے جلوے دکھا رہا ہوں میں

اُستاد - مطلع سُن کے متحیر ہو گئے - فرمایا کہ پوری غزل پڑھ جائیے پھر اصلاح دوں گا عجب رنگ کا مطلع سُنایا -

مولانا - یہ سمجھ کے کہ اُستاد کو مطلع پسند آیا - اب جو شعر پڑھا تو نہایت دلکش سُریلے لہجے میں -

شعر نمبر۲

نظر میں ہے جو حجاباتِ قُدس کی ہیبت وہ ارتعاش ہے دل کو کہ کانپتا ہوں میں

اُستاد - مولانا معاف فرمائیے گا - اُستاد کے سامنے اصلاح لیتے وقت غزل یا کوئی کلام دُھن میں نہیں سُنانا چاہیئے - یہ پُرانا قاعدہ ہے جو عرض کیا - یہ بات بھی ہمیشہ ملحوظ رہے -

مولانا - بہت خوب کہہ کے سیدھا سیدھا کلام سُنانے لگے -

شعر نمبر۳

حدِ ترقی انساں ہے سعیِ لاحاصل خموشیوں کو تکلم بنا رہا ہوں میں

اُستاد - (سر ہلا کے) واہ واہ کیا کہنا -

شعر نمبر۴

ترقی کے منازل کی بعد سے معلوم قدم اُٹھائے ہوئے پھر بھی جا رہا ہوں میں

اُستاد۔ (طعن سے) بہت خوب۔

شعر نمبر ۵

بنا ہے راہبرِ خلق عشق لا محدود اب ایک نقطہ پہ دنیا کو لا رہا ہوں میں

اُستاد۔ خوب صاحب۔ واہ جناب۔

شعر نمبر ۶

چلا ہوں شامل دِل سوئے منزلِ اُلفت کہ ذرّے ذرّے کو رہبر بنا رہا ہوں میں

اُستاد۔ مناسب۔

شعر نمبر ۷

ہے آندھیوں کا تلاطم مناظرِ حیرت بڑھی ہے وحشتِ دل خاک اُڑا رہا ہوں میں

اُستاد۔ عجیب بات۔

شعر نمبر ۸

میں اپنے دل کو لگائے ہوئے ہوں سینے سے کہ جلوہ گہ تری قدرت کا پا رہا ہوں میں

اُستاد۔ اہاہا۔

شعر نمبر ۹

جو گیسو یار کے دستِ رقیب میں دیکھے تو بل میں سانپ کی صورت کے کھا رہا ہوں میں

اُستاد۔ بجا ہے۔

شعر نمبر ۱۰

شعار ذوقِ طلب کا وہ کیف ہے طاری حجابِ قدس کے پردے اُٹھا رہا ہوں میں

غزل ختم ہوگئی، مولانا کے سکوت پہ اُستاد نے سربلند کرکے پوچھا کہ یہ پہلی غزل ہے یا اس سے پہلے کچھ اور غزلیں بھی آپ نے کہی ہیں۔

مولانا۔ تین چار غزلیں کئی برس ہوئے جب کہی تھیں یا اب یہ غزل عرض کی ہے۔

اُستاد - جناب کا رنگِ طبیعت معلوم ہو گیا - بہت بلند شعر فرماتے ہیں - خیر، اب غزل پھر شروع کیجیے تا کہ ایک ایک شعر بنتا چلے -

مولانا - بہت خوب -

مطلع

اک انقلاب کی دُنیا بسا رہا ہوں میں تغیرات کے جلوے دکھا رہا ہوں میں

اُستاد - مولانا پہلے مطلب بیان فرمایئے تو کچھ کہوں -

مولانا - شاعر کہتا ہے کہ میں وہ باکمال انسان ہوں کہ انقلاب کی دنیا بسا رہا ہوں یعنے کثرت سے انقلابات پیدا کر رہا ہوں - اُسی کو دوسرے مصرع میں توضیحاً کہا کہ دُنیا کو تغیرات کے جلوے دکھا رہا ہوں - میں نے درحقیقت منطق کا ایک اہم مسئلہ حل کیا ہے -

اُستاد - (گھبرا کے) جناب وہ کیا ؟

مولانا - حدوثِ عالم پر روشنی ڈالی ہے العالم متغیرٌ وکل متغیرٍ حادثٌ - نتیجہ یہ نکلا کہ فالعالم حادثٌ -

اُستاد - مولانا - آپ نے اُردو میں مطلع کہا ہے یا قطبی کے دریا کو کوزے میں بند کیا ہے - اُردو شعر کی تعریف یہ ہے کہ اہلِ زبان شعر سُننے کے بعد فوراً معانی و مطالب سے واقف ہو جائیں - آپ کی پہیلی شاید کوئی ہندوستان والا نہ بوجھ سکے - اسکا حل عراق عرب و عجم میں نکلنا دشوار ہے - مصرع اوّل و دوم میں تعلق ہونا چاہیے آپ کے یہاں ربط نہیں - اگر ربط مانیے گا تو مصرع ثانی بیکار ہوا جاتا ہے - اسی کو اساتذہ نے (المعنےٰ فی بطن الشاعر) کہا ہے - کہنے والا سب کچھ کہہ گیا لیکن سمجھنے والا کچھ نہ سمجھا - لکھنؤ کے پست طبقے کے لوگ ایسے محل پر ایک مثل بولتے ہیں - (نواب بولیں فارسی گنوار بھاگے جائیں) آپ کے مطلع کا کوئی حاصل نہیں - میں سمجھتا ہوں آج کل جو نیا رنگ نکلا ہے آپ اُس کے مقلد ہیں - شعر میں ایسے الفاظ یا ایسی ترکیبیں لانا جن کا مطلب فوری سمجھ میں نہ آسکے میرے نزدیک

شعر بے معنی کہے جانے کا مستحق ہے ۔ پھر اُردو شاعری، اُس میں انقلاب و تغیرات و جلوہ وغیرہ کے ایسے الفاظ خاص ترکیبوں کے ساتھ شعر کو بالکل مبہم کر دیتے ہیں۔ برائے خدا یہ رنگ چھوڑیے زبان و محاورہ کا لحاظ کر کے شعر کہیے، زبان نرم رہنا چاہیئے ۔ مزید یہ کہ جناب نے اک نیا محاورہ استعمال کیا یعنے (روشنی ڈالنا) ۔

مولانا ۔ کیا فصیح نہیں ؟

اُستاد ۔ بالکل غیر فصیح ہے ، انگریزی دانوں نے کچھ عرصے سے بولنا شروع کیا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ دس بیس سال بولنے کے بعد فصیح ہو جائے لیکن ابھی غیر فصیح آیندہ نہ بولیے گا نہ نظم کیجیے گا۔ ایک بات اور بتا دوں ۔ میری عادت یہ ہے کہ ایک ایک حرف پر اعتراض کرتا ہوں اسی سے مجھ سے دنیا ناراض ہے۔ آپ کو اگر تحصیل فن کرنا ہے تو کبھی ناراض نہ ہو جائیے گا ۔

مولانا ۔ استغفراللہ، بھلا میری یہ مجال کہ حضور سے ناراض ہو سکوں ۔ کیا شعر کاٹ دوں ؟

اُستاد ۔ نہیں، رہنے دیجیے ۔ آج کل کا رنگ ہی یہی رہ گیا ہے کہ جس قدر مبہم شعر کہا جائے اُسی قدر شاعروں میں واہ واہ زیادہ ہوتی ہے ۔ اور شعر پڑھیے ۔

مولانا ۔ ؎　　شعر نمبر ۲

نظر میں ہے جو حجابات قدس کی ہیبت　　وہ ارتعاش ہے دل کو کہ کانپتا ہوں میں

اُستاد ۔ ذرا اس شعر کا بھی مطلب بیان کیجیے ۔ میری سمجھ میں کچھ نہ آیا ۔

مولانا ۔ میں نے معراج کی شب نظر میں رکھ کے شعر عرض کیا ہے ۔ جناب رسولِ خدا جب معراج میں تشریف لے گئے اور قریب پردہ پہونچے تو جلالتِ بارگاہِ ایزدی کی وجہ سے آپ کا دل کانپنے لگا تھا اور آپ پر خاص رعب طاری ہو گیا تھا ۔ اس شعر میں اُس منظر کی تصویر کشی کی ہے۔

اُستاد ۔ آپ نے کہا ہے کہ میری نظر میں حجابات قدرت ہیں، دل میں رعشہ ہے، کانپ رہا ہوں ۔ مولانا! یا تو ہر شعر کے ساتھ تشریح بھی لکھ لایا کیجیے تاکہ کسی کو سناتے وقت یا مجھ کو آپ کو سمجھانا نہ پڑے تشریح سے خود سمجھ لیا جایا کرے ۔ صرف الفاظ کا گورکھ دھندا ہے۔ دل کا ارتعاش

عجب ترکیب ہے، حجابات قدس اللہ رے وزن الفاظ۔ آپ بالکل آجکل کے رنگ پر چل رہے ہیں۔ موجودہ دَور میں ایسے شاعر پیدا ہو گئے ہیں جو خود کہتے ہیں اور خود ہی سمجھ لیتے ہیں دوسرا اُن کے کلام سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ یہ رنگ آپ کو چھوڑنا پڑے گا۔

مولانا۔ جیسا حضور کا حکم ہو۔ ایک بات دریافت کرنا ہے وہ یہ کہ جناب نے رِعشہ بکسر را ارشاد فرمایا غالباً رَعشہ بفتح را رہے۔

اُستاد۔ آپ دھوکے میں ہیں۔ میں صحیح بولا۔ ترکیب کے ساتھ رِعشہ بکسر را ہی بولنا چاہیئے یہ میری احتیاط ہے کہ بغیر ترکیب بھی لفظ صحیح بولتا ہوں۔ ضِرغام بکسر را صحیح ہے۔ عوام و خواص بفتح را بولنے لگے۔ بغیر ترکیب ضرغام بفتح را بولا جا سکتا ہے لیکن مع الترکیب غلط یہی شان بعینہ گلعذار کی ہے۔ حقیقتاً گلعذار بکسر عین ہے۔ دنیا بفتح عین بولنے لگی یہ غلط ہے۔ صرف اس اشتباہ کو دُور کرنے کے لیے اگر گلعذار بضم عین بولا جائے کہ ازار پائجامہ کو کہتے ہیں تو قباحت نہیں۔ اسی طرح اور بھی الفاظ ہیں جو آیندہ بتا دوں گا۔ اور پڑھیئے۔

مولانا۔ بہت خوب۔

شعر نمبر ۳

حد ترقی انساں ہے سعیِ لاحاصل ۔۔۔ خموشیوں کو تکلّم بنا رہا ہوں میں

اُستاد۔ دولخت ہے۔

مولانا۔ میں سمجھا نہیں

اُستاد۔ پہلے مصرع کو جب دوسرے مصرع سے کوئی تعلق یا لگاؤ نہ ہو یعنے ایک مصرع کا کچھ دوسرے مصرع کا کچھ مطلب ہو تو اسے دولخت کہتے ہیں۔ پھر یہ کہ مصرع اولی بے معنے ہے حد ترقی انساں کا لاحاصل سعی ہونا کیا معنے غور فرمایئے۔ خموشیوں کو تکلّم بنانا ثابت نہیں۔ لہذا مجموعی حیثیت سے یہ شعر بے معنے ہے۔ کاٹ دیجیے۔

مولانا۔ (بجبر) بہت خوب۔ غزل بھر میں یہی شعر مجھ کو پسند تھا۔ میں نے ڈوب کے کہا تھا۔

اُستاد۔ ڈوب کے کیا کہا تھا میں سمجھا نہیں۔ آپ تو نئے نئے محاورات بول رہے ہیں۔ ڈوب کے کہنا کیا معنے رکھتا ہے۔ دریا میں کہا ہے، حوض میں غوطہ لگا کے کہا ہے، کنویں میں بیٹھ کے کہا ہے۔ برائے خدا زبان کا محاورے کا خیال کر کے بولا کیجیے۔

مولانا۔ بہت خوب۔ گہری فکر سے کہا تھا۔

اُستاد۔ یہ صرف بھی نیا ہے کبھی نہ بولیے گا۔ رہی جناب کی پسند تو آپ شعر اصلاح لیتے وقت اصلاح دینے والے کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا کیجیے۔ کچھ عرصے تک پسند خاطر سے کام نہ لیجئے۔ میں نے جتنے شعر اس وقت تک سُنے سب سے زیادہ پست شعر یہی ہے۔ نظری کر دیجئے۔ یعنے کاٹ دیجیے۔ ایک بات اور بتا دوں یشعر کسی قدر پسند خاطر کیوں نہ ہو، نظری شعر کبھی کسی کو سنایئے گا نہیں کیونکہ اُستاد ذمہ دار ہوتا ہے۔

مولانا شعر نمبر ۴

ترقیوں کے منازل کی بُعد ہے معلوم قدم اُٹھائے ہوئے پھر بھی جا رہا ہوں میں

اُستاد۔ لفظ بُعد مذکر ہے آپ نے مؤنث نظم کیا ہے۔ پھر منازل جمع منزل ہے۔ عربی لفظِ واحد کی جمع اُردو میں ہمیشہ تذکیر بولی جاتی ہے۔ یہ قاعدہ یاد رکھیے گا۔ جیسے مناظر اچھے تھے۔ منازل طے کیے گئے۔ گو یہ قاعدہ میں نے بلا سبب بیان کیا مگر فائدے سے خالی نہیں۔ ایک بات اور یہ ہے کہ دوسرے مصرع کا (پھر بھی) محتاج ہے کہ پہلے مصرع میں (گو) لایا جائے۔ یعنے یوں ہونا چاہیے تھا کہ ترقیوں کے منازل کا گو بُعد معلوم ہے۔ پھر بھی قدم اُٹھائے ہوئے جا رہا ہوں۔ یہ شعر بھی کاٹ دیجیے۔

مولانا۔ (بہ تکلف) بہت مناسب ہے۔

شعر نمبر ۵

بنا ہے راہبر خلق عشق لا محدود اب ایک نقطہ پہ دُنیا کو لا رہا ہوں میں

اُستاد۔ گو شعر رکھنے کا نہیں مگر رہنے دیجیے۔ برائے خدا آئندہ نرم زبان، فصیح محاورات کی

کوشش کیجیے گا تاکہ زبان کا لطف باقی رہے۔ اور پڑھیے۔

مولانا

شعر نمبر ۶

چلا ہوں شامل دل سوئے منزلِ اُلفت کہ ذرّے ذرّے کو رہبر بنا رہا ہوں میں

اُستاد۔ شاملِ دل کی ترکیب سمجھ میں نہیں آئی یہ تو پورب کی زبان ہے۔ پورب والے حضرات اگر باہر سے کوئی شئے منگاتے ہیں تو خط میں لکھتے ہیں کہ اپنے شامل لیتے آئیے گا۔ کیا آپ پوربی ہیں؟

مولانا۔ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ کجھوہ ضلع سارن کا رہنے والا ہوں ضلع سارن پورب میں ہے۔

اُستاد۔ جبھی، خیر یہ بتا دوں کہ لکھنؤ کی یہ زبان نہیں۔ داغ دہلوی کا شعر یاد آ گیا لیکن معتبر نہیں کیونکہ لکھنؤ، دہلی کی زبان میں فرق ہے۔ داغ ؎

خواب میں بھی کبھی تنہا نہیں دیکھا تم کو دل میں بھی آئے تو اغیار کے شامل آئے

مولانا۔ کیا لکھنؤ میں کسی نے یہ محاورہ استعمال نہیں کیا؟

اُستاد۔ صرف اسیر مرحوم لکھنوی نظم فرما گئے ہیں چونکہ اس صرف میں منفرد ہیں لہذا معتبر نہیں۔

اسیر لکھنوی

جسم میں نفس یعنی روح کے شامل آیا گھر تلک ساتھ ہمارے سگِ منزل آیا

میرے نزدیک احتیاط لازم۔ دونوں مصرعوں میں تعلق نہیں، نکال ڈالیے۔ اور شعر پڑھیے۔

مولانا۔ بہت خوب۔

شعر نمبر ۷

ہے آندھیوں کا تلاطم مناظرِ حیرت بڑھی ہے وحشتِ دل خاک اُڑا رہا ہوں میں

اُستاد۔ ابھی آپ سے مصرع نہیں لگتا۔ دوسرا مصرع صاف ہے لیکن پہلے مصرع میں آندھیوں کا تلاطم، نئی ترکیب ہے۔ پھر مناظرِ حیرت۔ غیر مانوس، کوئی ربط نہیں۔ یوں بدل دیجیے ؎

جہاں میں آئیں گی تا حشر آندھیاں لاکھوں بڑھی ہے وحشتِ دل خاک اُڑا رہا ہوں میں

مولانا۔ (خوش ہو کے) بہت صاف شعر ہو گیا۔ واقعاً جان پڑ گئی۔

اُستاد۔ اور پڑھیے۔

مولانا۔ شعر نمبر ۸

میں اپنے دل کو لگائے ہوئے ہوں سینے سے   کہ جلوہ گہ تری قدرت کا پا رہا ہوں میں

اُستاد۔ پہلے مصرع کے اول میں (میں) کا لفظ موجود۔ دوسرے مصرع کے آخر میں پھر (میں) کا لفظ۔ بہرطور ایک زائد ہے۔ یہ سخت عیب ہے۔ یوں بدل دیجیے ؎

اسی سے دل کو لگائے ہوئے ہوں سینے سے   کہ جلوہ گہ تری قدرت کی پا رہا ہوں میں

اور پڑھیے۔

مولانا۔ بہت خوب۔ شعر نمبر ۹

جو گیسوئے یار کے دستِ رقیب میں دیکھے   تو بل میں سانپ کی صورت سے کھا رہا ہوں میں

اُستاد۔ اس شعر میں تین عیب ہیں۔ پہلاً گیسو کا واؤ گر گیا جس کے گرنے نے شعر کو ناموزوں کر دیا چونکہ حرف اصلی ہے۔

مولانا۔ کیا لکھنؤ یا دہلی کے اساتذہ نے واؤ اصلی نہیں گرایا؟

اُستاد۔ عجیب بات آپ نے پوچھی۔ لکھنؤ اور دہلی کے بڑے بڑے اساتذہ نے واؤ گرایا۔ کسی مجمع میں اگر نام بنام بیان کرنا شروع کروں اور شعر پڑھتا جاؤں تو شاید زندہ نہ بچ سکوں۔ آپ کو صرف دو ایک شعرا کا کلام بطور مثال سناتا ہوں۔ خدائے سخن، فخر دہلی حضرت میر تقی میر نے واؤ گرایا۔ میر

نہ اتنی دارو[1] پی ظالم کہ اس خمار میں ہوں   مزاج گرم ہے پھر اور یہ ہوا ہے گرم

حضرت آتش لکھنوی نے بھی واؤ گرا دیا۔ آتش

شوقِ شکار تجکو جو اے چرخ ہے سُنا   چر چر کے سبزہ آہو ہیں کیا کیا ہرے ہوئے

[1] (دارو) کا واؤ گر گیا۔ دیکھیے کلیات میر ص ۲۰۳ حاشیہ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ۔ [2] (آہو) کا واؤ گر گیا۔ دیکھیے ص ۲۴۹ حاشیہ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ

ایک بات اور یاد رکھیے گا۔ کبھی عیب میں تقلید نہیں کی جاتی۔ غلط ہمیشہ غلط رہے گا۔ چونکہ اہلِ ہند اہلِ ایران کے مقلد ہیں اور شعرا مستند اہل ایران و اہل زبان نے کبھی حرف اصلی نہیں گرایا لہذا اہلِ ہند کو بھی نہ گرانا چاہیئے یہی قاعدہ بھی ہے۔ شعر کاٹ دیجئے۔

مولانا۔ شعر نمبر ۱۰

مقطع

شعارؔ ذوق طلب کا وہ کیف طاری ہے حجاب قدس کے پردے اُٹھا رہا ہوں میں

اُستاد۔ غنیمت ہے رہنے دیجیے۔ جن باتوں کو بتایا ہے آیندہ خیال رکھیے گا۔

مولانا۔ بہت خوب کہتے ہوئے سلام کر کے پیچھے ہٹ گئے اور غزل تہ کر کے جیب میں رکھ لی۔

اُستاد۔ اگر وقت ہو تو تھوڑی دیر تشریف رکھیے۔ کچھ شعرا آتے ہوں گے، آپ کو لطف آئے گا۔

مولانا۔ مجھے کوئی کام نہیں، حاضر ہوں۔

یکایک مروتؔ صاحب۔ شہرتؔ صاحب۔ زینتؔ صاحب۔ حیرتؔ صاحب آگئے۔

دلچسپ معلومات نمبر ۴

اُستاد۔ اے لیجیے تشریف لے آئے۔

شعرا۔ سلام علیکم۔

اُستاد۔ علیکم السلام۔ تشریف لائیے۔ کھڑے ہو کے تعظیم کی، اپنے قریب سب کو بٹھایا۔

شعرا۔ ہم لوگوں کو ایسی تاخیر تو نہیں ہوئی؟

اُستاد۔ جی نہیں۔ ابھی آپ کا ذکرِ خیر ہو رہا تھا۔

شعرا۔ حضور، آج بھی ایک ہی شعر سہی، سُنا دیجیے۔ بڑا اشتیاق ہے۔

اُستاد۔ آپ حضرات مجبور کرتے ہیں، صرف ایک مطلع قصیدہ کا مدح علیؑ میں یاد آگیا، سُنائے دیتا ہوں۔

شعرا - ضرور ارشاد ہو -

اُستاد - مطلع عرض کیا ہے ؂

حق نے کسے دیا ہے یہ رتبہ جہان میں   کردی بیاں فضیلتِ حیدر قرآن میں

زینت صاحب - حضور! کیا کہنا کس قدر صاف مطلع ہے -

دیگر شعرا - سبحان اللہ، واہ واہ -

اُستاد - مطلع میں تو آپ حضرات کو کوئی کلام نہیں ؟

زینت صاحب - حضور، قرآن بفتح را نظم ہوا ہے

اُستاد - بسکون را و بفتح را دونوں صحیح - اہل عجم نے بفتح را بھی استعمال کیا ہے - خدائے سخن حضرت عشق مرثیہ گو رح کے شاگرد سید جواد صاحب کشمیری کا مطلع ہے جو مرحوم کا دیکھا ہوا ہے -

مطلع سلام

وصفِ محاسنِ رُخِ شبیرؑ ہو گیا   مطلع مرا قرآن کی تفسیر ہو گیا

حضرت رشید رح کا ایک بند یاد آگیا جس میں قرآن بفتح را نظم ہے -

بند رشید لکھنوی (تلوار کی تعریف)

کُھل گیا صاف کہ ہے پیرِ اجل اور یہ جوان   اس کا کھنچنا ہے کہ ہے جنگ و جدل کا اعلان

سچ یہ ہے قابلِ تحریر جو ہے اس کی شان   جوہر اسکے ہیں کہ لکھا ہوا باریک قرآن

شاہ کھائے ہیں قسم بخششِ امت کے لیے

کہ اُٹھایا ہے اسے آج شہادت کے لیے

(جناب شہرت صاحب کی طرف دیکھ کے) اب آپ کا اور حیرت صاحب کا بہت اشتیاق ہے -

جناب شہرت - متفرق اشعار سناتا ہوں، شعر عرض ہے ؂

لاشِ غریب اُٹھ گئی آئے مگر نہ آپ   امید آپ سے یہ کبھی مہرباں نہ تھی

اُستاد - بہت خوب - درد میں ڈوبا ہوا شعر آپ نے فرمایا مگر کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں - شرم آتی ہے، آپ نے قسم دی تھی اس لیے مسئلہ سمجھنے کے لیے دریافت کرتا ہوں - یہ فرمایئے کہ (لاش) بمعنے میت انسان کیا لغت میں موجود ہے؟

شہرت صاحب - غالباً ہوگا اس لیے کہ مستند اساتذہ لکھنؤ نے نظماً استعمال کیا ہے -

اُستاد - اپنی تحقیق فرمایئے، اساتذہ کے نظم کرنے پر نہ جایئے - خدا معلوم کیا کیا رطب یابس نظم نہیں کر گئے بعض اوقات افسوس ہوتا ہے -

شہرت صاحب - میری کوئی خاص تحقیق خود نہیں ہے - جناب بیان فرمائیں -

اُستاد - لاش اُردو ہے - لاشہ فارسی ہے کسی لغت میں لاش بمعنے میت انسان نہیں ملے گا - جب وجود نہیں تو اُردو جب اُردو تو ترکیب چہ معنے دارد اساتذہ سے تسامح ہوا ہے -

شہرت صاحب - واقعاً جناب کے استحضار کی مدح ہو نہیں سکتی بالکل درست فرمایا - ایک سلام عرض کیا تھا اُس کا مطلع سُناتا ہوں ؎

رائجِ دینِ پیمبر حیدرِ کرار تھے ۔۔۔ فاتحِ خیبر وصیِ احمدِ مختار تھے

اُستاد - مطلع عمدہ اور صاف کہا ہے - اپنی طبیعت سے مجبور ہوں - ایک بات چاہتا ہوں عرض کروں - وہ یہ کہ رائج کی اضافت دین کی طرف آپ نے دی ہے اور معنے رائج کرنیوالا مراد لیے ہیں یہ صحیح نہیں، ہاں رائج الوقت صحیح ہے - رائج بمعنے فاعلیت غیر صحیح - دنیا بہت بڑے دھوکے میں ہے - یہ بڑی اہم اور خاص چیز ہے جو آپ کو بتائی -

شہرت صاحب - ہم لوگ احسانمند ہیں - خیال تھا کچھ، جناب کو پایا کچھ - ایک غزل کا شعر یاد آگیا دل چاہتا ہے سُنا دوں - بنظرِ اصلاح ملاحظہ ہو ؎

میرے مرنے پر بہائے گا زمانہ اشک خوں ۔۔۔ حشر تک میری صفِ ماتم بچھائی جائے گی

اُستاد - واقعاً آپ نے بہترین شعر سُنایا - کیا مدح کروں لیکن چونکہ آپ کا حکم ہے ایک لطیف اعتراض کرتا ہوں جس کا جواب ناممکن -

شہرت صاحب - بخدا میں ناراض نہ ہونگا۔ حتی الامکان جواب دوں گا۔ اگر حضور سمجھا دینگے مان لوں گا -

اُستاد - (صفِ ماتم) بالکل غلط ہے۔ ماتم کی صف کہنا صحیح ہے۔ کیونکہ ماتم کی صف ہندوستان میں بچھائی جاتی ہے - ایران میں یہ رسم مفقود ہے - لغت میں یا کسی فارسی مستند شاعر کے کلام میں یہ ترکیب نہیں ملے گی - اہلِ ہند، مرنے والے کے غم میں جہاں پر انتقال ہوتا ہے ایک فرش بچھاتے ہیں جس پر تعزیت دینے والے تعزیت دیتے ہیں، عزیز فرش پر بیٹھ کے روتے ہیں، یہ فرش چالیسویں تک بچھا رہتا ہے - اسے ماتم کی صف کہتے ہیں لہذا اُردو ہے - اُردو کی ترکیب اضافی غلط ہے صفِ ماتم کہنا اور مُردے کی صف مُراد لینا غلط ہے

محقق لکھنوی حضرت عشق مرثیہ گو کے منجملہ متروکات صفِ ماتم بھی ہے - مرحوم کے مرثیے کی ایک بیت مجھے یاد ہے جس میں ماتم کی صف نظم فرمایا ہے - غالباً جناب زینبؑ کسی بی بی سے فرما رہی ہیں -

بیت

ہم تم سحر کو بیٹھ کے روئیں گے ایک جا ماتم کی صف بچھائیں گے سوئیں گے ایک جا

شہرت صاحب - جناب نے میری غلط فہمی کو رفع فرمایا - حقیقتاً ایسا ہی ہونا چاہیئے - اب جناب حیرت صاحب کا کلام ملاحظہ فرمائیں -

اُستاد - (حیرت صاحب کی طرف دیکھ کے) جناب اپنے کلام سے محظوظ فرمائیں ؟

حیرت صاحب - ایک نظم کے چند شعر پڑھتا ہوں جس میں شہدائے کربلا کے صبر کا تذکرہ کیا ہے مطلع عرض ہے ؎

صبر میں تھے فرد لیکن حضرت زین العبا کر گئے وعدہ وفائی بادشاہِ کربلا

اُستاد - ایک بات عرض کر لوں پھر دوسرا شعر ارشاد فرمایئے گا وہ یہ کہ میری پوری عمر اس تحقیق میں صرف ہوگئی کہ زین العبا کے کیا معنے ہیں - کیوں امام سید الساجدینؑ کو زین العبا کہتے ہیں؟ لیکن آج تک مجھے کچھ پتہ نہ چلا - میرے نزدیک غلط ہے زین العابدین کہنا صحیح ہے - اگر آپ کی

تحقیق میں صحیح ہو تو فرمائیے۔
حیرت صاحب۔ اس کے متعلق میری کوئی تحقیق نہیں صرف مشہور کی بنا پر دھوکا کھا گیا حقیقتاً جناب کا فرمانا بجا ہے یہ ترکیب غلط ہے۔ (عبا) پر الف لام کیونکر لگا (زین) کو مضاف کیوں کیا گیا معنے مشہور کس مناسبت سے مراد لیے واقعاً تحقیق طلب شئے ہے جب جناب کے نزدیک غلط ہے تو غلط ہی ہے۔ دوسرا شعر جناب ملاحظہ فرمائیں ؎

تین دن کی پیاس میں دکھلائے جوہر صبر کے		جان تک میری فدا ہے اے شہِ کرب و بلا

اُستاد۔ کرب و بلا کے معنے (کربلا) کسی لغت میں نہیں ملتے۔ یہ اہلِ ہند کی ترکیب معلوم ہوتی ہے اس کی طرف اضافت دینا صحیح نہیں۔ یعنے شہِ کرب و بلا کہنا درست نہیں۔ میرے نزدیک بغیر ترکیب بھی کرب و بلا بول کے کربلا مراد لینا جائز نہیں۔
حیرت صاحب۔ اگر لغت میں یہ معنے نہیں تو اضافت قطعاً نادرست مگر حضور، سب نے نظم جو کیا ہے؟
اُستاد۔ اگر سب غلطی کریں تو کیا ضروری ہے کہ ہم بھی غلطی کریں؟
حیرت صاحب۔ یہ بالکل درست ہے۔ قبلہ ایک مرثیہ کی بیت سناتا ہوں ؎

خدا پرست تھے حق دوست تھے نمازی تھے		جنابِ حضرت زینبؑ کے لال غازی تھے

اُستاد۔ بیت تو بہت صاف ہے۔ لیکن جناب تکرار بیجا کا اعتراض وارد ہوتا ہے۔ یا جناب زینبؑ کہیئے یا حضرتِ زینبؑ کہیے معنے دونوں کے قریب قریب ایک تکرار بے محل۔ اس مسئلے میں پڑھے لکھے دھوکا کھاتے ہیں اور کھا گئے۔
حیرت صاحب۔ واقعی کیا لطیف اعتراض ہے۔ سامنے کی بات مگر سمجھ میں نہیں آتی۔ ایک بیت اور ملاحظہ ہو ؎

عاشور کا تھا دن ہمہ تن یاس تھے حسینؑ		دشتِ بلا میں بیکس و بے آس تھے حسینؑ

اُستاد۔ عمدہ بیت ہے لیکن پھر معافی کا خواستگار ہوں۔ بہت بڑے عیب کی طرف توجہ

دلانا چاہتا ہوں ۔ آس مخفف آیا ہے جس کے معنے (چکی) لیکن آس کے یہ معنے جو جناب کی بیت میں یعنے بیکس، بے ناصر و مددگار وغیرہ کسی لغت میں نہیں ملتے۔ آس کا لفظ اِن معنوں میں اُردو ہے۔ آپ نے ترکیب فارسی کے ساتھ نظم فرمایا ہے ۔

حیرت صاحب ۔ اس طرح تو اساتذہ متقدمین نے نظم فرمایا ہے ۔

اُستاد ۔ جناب بار بار یہی فرماتے ہیں کہ اساتذہ نے نظم کیا ۔ میں کہتا ہوں کہ بالکل غلط نظم فرمایا ہے ۔ اساتذہ تو خیر گزر گئے موجودہ دَور کے اساتذہ و محققین مجھ کو اب سمجھا دیں تو خط غلامی لکھنے کو تیار رہوں جب اہلِ ایران نے ان معنوں میں استعمال ہی نہیں کیا تو فارسی کیونکر ہو سکتا ہے ۔ جب فارسی نہیں تو ترکیب کے کیا معنے اس کے معنے یہ ہوئے کہ اُردو، فارسی کی ترکیب جائز قرار دے لی جائے ۔ یہ نا ممکن ۔

حیرت صاحب ۔ بخدا کیا کیا مسائل جناب نے حل فرمائے ہیں ۔ جیسا سنتے تھے ویسا ہی پایا بلکہ کچھ زائد پایا ۔ بس حضور بہت سمع خراشی کی ۔ یہ حسرت رہی کہ حضور کا کلام سیر ہو کے سُنیں ۔

اُستاد ۔ اس ناقدر دنیا میں رہنے کو دل نہیں چاہتا ۔ غلطی پر چھبتیں اُڑتی ہیں صحیح پر کوئی واہ تو واہ آہ بھی نہیں کرتا ۔

شعرا ۔ اب حضور اجازت مرحمت فرمائیں ۔ آج ہی ہم لوگ لکھنؤ سے چلے جائیں گے ۔ آپ کے الطاف، آپ کا خلق عمیم یاد آئے گا ۔

اُستاد ۔ خدا حافظ، حوالہ امام ضامن ثامنؑ کیا ۔

سب کھڑے ہو گئے ، اُستاد نے صدر پھاٹک تک جا کے رخصت کیا ، مولانا بھی سب کے ساتھ رخصت ہوئے ۔ اُستاد مختلف کاموں میں مصروف ہو گئے ، دن گزرتے دیر نہیں لگتی ۔ ہفتہ کا دن آ گیا ، نواب صاحب صبح کو غزل لے کے آ گئے ۔ سلام کر کے اُستاد کے سامنے کمرے میں بیٹھ گئے ۔

اُستاد ۔ پڑھیے اصلاح دے دوں ۔ مجھے آج کچھ ضروری کام انجام دینا ہیں، "تعجیل" ہے ۔

نواب - حضور، غزل تو کہہ نہ سکا چند متفرق اشعار عرض کیے ہیں، ملاحظہ ہوں -

اصلاح نمبر ۵

کلام متفرق

شعر نمبر ۱

قتل تو کرتا ہے ظالم پر رہے اتنا خیال		خون کا دھبا رہے گا دامنِ شمشیر میں

اُستاد - دامنِ شمشیر غلط ہے اس لیے کہ اہل فرس نے دامنِ شمشیر نہیں استعمال کیا۔ کہیں پتہ نہیں چلتا - جتنے دامن یعنے جتنے طریقوں سے ایرانیوں نے استعمال کیے ہیں بس وہی صحیح - باقی سب غلط - اہلِ ہند کو کوئی حق نہیں - آیندہ بدل کے لائیے گا - اور پڑھیے -

شعر نمبر ۲

نواب - سلام کا مطلع عرض کیا ہے ؎

کچھ ایسا قوتِ بازو بلا محبوبِ داور کو		قلمدانِ وزارت دے دیا احمدؐ نے حیدرؑ کو

اُستاد - قلمدان - لغت میں یا کلام اہلِ فرس میں نہیں ملتا - بغیر ترکیب بولنا صحیح، ترکیب کے ساتھ غلط - مطلع کاٹ دیجیے -

نواب - بہت مناسب - ایک دوسرے سلام کا شعر ؎

شعر نمبر ۳

ماں فاطمہؑ ہیں باپ علیؑ جد ہیں پیمبرؐ		حسنینؑ سے بہتر کوئی دنیا میں نہیں ہے

اُستاد - حسنینؑ بسکون سین صحیح نہیں - بفتحتین صحیح - اس وجہ سے کہ حسنین تثنیہ حسن ہے اور واحد میں سین کو فتح ہے کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ تثنیہ میں سین ساکن کر دیا جائے - لہذا یہ شعر کاٹ دیجیے -

نواب - بہت مناسب -

شعر نمبر ۴

ہمیں آج منظور جینا نہیں ہے
غمِ مرگ شاہِ مدینہ نہیں ہے

اُستاد - آج تو جو شعر آپ سُناتے ہیں عیب سے خالی نہیں۔ اس مسئلے کو غور سے سُنیئے گا۔ جینا، پسینا، مہینا یہ سب اُردو لفظیں ہیں ان کے آخر میں الف ہے (ہا) نہیں ہے۔ (ہا) کے ساتھ لکھنا بھی غلط ہے۔

مدینہ کے آخر میں (ہا) ہے اور عربی لفظ ہے۔ اگر ترکیب کے ساتھ نہ ہو تو (ہا) الف سے بدل جاتی ہے لیکن اگر ترکیب ہو جیسے آپ کے شعر میں (شاہِ مدینہ) تو (ہا) الف سے نہیں بدل سکتی۔ جب (ہا) الف سے نہ بدلے گی تو ظاہر ہے پسینا، مہینا، کا قافیہ کیونکر صحیح ہو گا؟

نواب - مجھے یاد نہیں، کسی بڑے اُستاد کے یہاں دیکھا تھا۔

اُستاد - بیشک دیکھا ہو گا۔ اساتذہ کے کلام میں کھُلے ہوئے عیوب میں یہ عیب بھی موجود ہے۔ شعر کاٹ دیجیے۔ اور پڑھیے۔

نواب - بہت خوب

شعر نمبر ۵

کسی کا کون مصیبت میں ساتھ دیتا ہے
خدا ہر ایک بَلا سے نجات دیتا ہے

اُستاد - اس مطلع میں قافیہ غلط۔ ساتھ کے آخر میں (ہا) ہے۔ نجات کے آخر میں (تا) ہے۔ قافیہ کیونکر صحیح ہو گا خود غور کیجیے۔

نواب - بالکل بجا اور درست ہے۔ میں نے بھی خیال کیا تھا مگر اساتذہ کے کلام میں پانے کے بعد یہ سمجھ کے نظم کیا کہ جائز ہو گا۔

اُستاد - ہمیشہ احتیاط کیجیے گا جواز کی کوئی صورت نہیں خدا معلوم اساتذہ نے کونسا اجتہاد کیا ہے اور کیونکر جائز قرار دے لیا۔ میرے نزدیک قطعاً غلط۔ اور شعر پڑھیے۔

نواب - بجا فرماتے ہیں۔

شعر نمبر ۶

بادِ خزاں کے چلتے ہی سب دفعتاً مٹے پھولے پھلے جہان میں کیا کیا چمن مٹے

اُستاد۔ پہلے مصرع میں قافیہ (دفعتاً) دوسرے مصرع میں قافیہ چمن کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ دفعتاً کے آخر میں تنوین۔ چمن کے آخر میں نون ہے۔ گو بعض متقدمین نے جائز قرار دیا ہے مگر میرے نزدیک بالکل ناجائز۔ آپ احتیاط کیجیے گا۔ اور پڑھیے

نواب۔ ضرور۔

شعر نمبر ۷

بینِ جگر خراش کیے سب نے میرے بعد محشر کی طرح گھر میں مرے شور و غُل رہا

اُستاد۔ یوں تو ایک شعر میں ایک غلطی ہوتی تھی، ایکی دو غلطیاں ہیں۔

پہلی غلطی (بینِ جگر خراش کی) بین، اُردو ہے۔ جگر خراش فارسی۔ ترکیب صحیح نہیں لوگ بولتے ہیں مگر غلط۔

دوسری غلطی (شور و غل) شور فارسی غل اُردو۔ واؤ عاطفہ درمیان میں لانا اصولاً بالکل ناجائز لہذا غلط۔ ہاں (واؤ) نکال کے صرف شور غل کہا جا سکتا ہے۔ یہ شعر بھی کاٹ دیجیے۔ اور پڑھیے۔

نواب۔ بہت خوب۔

شعر نمبر ۸

جب قتل رن میں بادشہِ کربلا ہوا آندھی چلی سیاہ کہ محشر بپا ہوا

اُستاد۔ محشر بپا ہونا، میرے نزدیک صحیح نہیں۔ بجائے اس کے حشر بپا ہونا بولنا چاہیے اس لیے کہ محشر اسم ظرف مکان ہے۔ ظرف کا بپا ہونا قرین قیاس نہیں۔ کسی فارسی والے کے یہاں یہ صرف نہیں ملے گا لہذا احتیاط کا مقتضی یہ ہے کہ استعمال نہ کیا جائے۔ اور پڑھیے۔

نواب۔ درست۔

شعر نمبر ۹

ناصح نصیحتوں کا تری خاک ہو اثر اب تو میں عادی مے خونِ ناب ہو گیا

اُستاد۔ عادی بمعنی عادت کنندہ نہیں آیا۔ چونکہ ترکیب سے نظم ہوا لہذا غلط بغیر ترکیب اُردو

سمجھتے ہوئے بمعنے عادت کنندہ صحیح ہے لہذا شعر کاٹ دیجیے - اور پڑھیے -
نواب - بہت خوب - صرف ایک مطلع اور باقی رہ گیا - وہ یہ ہے کہ

مطلع

جس دم ستروں سے مرا غم بدل گیا فوراً خیال صورتِ موسم بدل گیا

اُستاد - ایک خاص بات بتاتا چلوں وہ یہ کہ موسم بکسر سین عربی لغت ہے جس کے معنے فصل کے ہیں - ظرف زمان ہے - بغیر ترکیب یا مع الترکیب عالِم کا قافیہ ہو سکتا ہے - اہلِ ہند نے حرکت سین کو بدل کے استعمال کیا یعنے (موسِم) بکسر سین کو بفتح سین بولنا شروع کیا اور اسقدر استعمال کیا کہ اُردو ہو گیا - اب اگر موسَم غم کا قافیہ بغیر ترکیب قرار دیا جائے تو قباحت نہیں مع الترکیب صحیح نہ ہوگا اسلیے کہ اُردو فارسی کی ترکیب لازم آئے گی جو ناجائز ہے جیسا کہ شعر میں ہے مطلع کاٹ دیجیے - آج جتنے شعر آپ نے سُنائے قریب قریب سب میں عیوب موجود ہیں - آیندہ متفرق اشعار کہہ کے نہ لائیے گا وہی سلسلہ غزل جو طے پایا ہے قائم رکھیے گا -

نواب بہت خوب کہہ کے، تھوڑی دیر بیٹھ کے حسب قاعدۂ قدیم رخصت ہوئے -

دلچسپ معلومات نمبر ۵

ابھی نواب گھر تک نہ پہونچے ہوں گے کہ ایک مرد بزرگ لکھنوی جن کی عمر تقریباً اسّی سال کی ہوگی، اُستاد کی خدمت میں تشریف لائے اور بعد ادائے رسم و رواج لکھنؤ اُستاد کے سامنے بیٹھ گئے - (ان بزرگ کی تعلیمی حالت کمزور تھی مگر مادّہ تحقیق بہت تھا - ہر وقت صحیح و غلط کا تذکرہ ہر بزم میں فرماتے رہتے تھے) -

اُستاد - جناب نے کہاں زحمت فرمائی ؟

بزرگ - چند چیزیں قابلِ دریافت تھیں، آپ کو محقق فن سمجھتے ہوئے حاضر ہوا، چاہتا ہوں

شکوک رفع کرلوں ۔

اُستاد۔ میں مرد جاہل ہوں، یہ سب جناب کا حسنِ ظن ہے۔ ارشاد ہوں اگر علم ہوگا تو عرض کردوں گا ۔

بزرگ۔ لوگ (شریک وار) بولتے ہیں، کہاں تک صحیح ہے ؟

اُستاد۔ یہ ترکیب غلط ہے (شریک) اسم فاعل ہے یعنے شریک ہونے والا ۔ اب (وار) بالکل زائد ہے ۔ لکھنؤ کے جہلا نے یہ ترکیب بنائی ہے ۔ شریک دار کی جگہ شریک کہنا کافی ہے۔

بزرگ۔ ماشاءاللہ، کیا خوب سمجھایا ۔ یہ فرمائیے کہ معزز (زاء) اول کو زیر دے کے بولنا صحیح ہے یا زبر دے کے ۔

اُستاد۔ اپنے اپنے محل پہ دونوں صحیح ہیں ۔ جہلا اکثر و بیشتر یہ بولتے ہیں (آپ بڑے معزز ہیں) یعنے بڑے عزت والے ۔ مفعول کی جگہ فاعل کا صیغہ استعمال کرتے ہیں ۔ زاء اول کو زیر دے کے بولتے ہیں ۔ یہ غلط ہے ۔ ایسے موقع پر مفعول بولنا چاہیئے ۔ معزز بفتح زاء اول کہنا چاہیئے ۔ معزز بکسر زاء اول کے معنے تو عزت کرنے والے کے ہیں نہ عزت یافتہ کے ۔ معزز بفتح زاء وہ ہے جو عزت یافتہ ہو ۔

بزرگ۔ درست ہے، خوب مطلب واضح فرمایا ۔ میرا شک رفع ہوگیا ۔ اب سوال یہ ہے کہ (لفظ معلومات) بصورت مؤنث استعمال ہوتا ہے یا مذکر، اور فصیح کیا ہے ؟

اُستاد۔ معلومات معلوم کی جمع ہے ۔ عربی زبان میں جمع حکم تانیث میں ہوتی ہے لیکن اُردو میں جمع بصورت تذکیر بولی جاتی ہے ۔ علاوہ چند الفاظ کے مثلاً احوال ۔ اوقات وغیرہ ۔

لکھنؤ میں فصحا معلومات بصورت مذکر بولتے ہیں یعنے (معلومات اچھے تھے) ۔ عوام اکثر و بیشتر بولتے ہیں کہ (اُن کی معلومات کم ہے) ۔ یہ غلط ہے ۔ میرے نزدیک مذکر بولنا صحیح و فصیح ہے ۔ کسی کا شعر ہے ۔

اُنکے معلومات کا ہر راز شکلِ راز تھا　　آفرینش سے کہیں پہلے مرا آغاز تھا

دیکھیے مذکر استعمال کیا ہے -
بزرگ - درست و بجا ہے - ایک بات اور دریافت طلب ہے وہ یہ کہ (اَجِنّہ) کیا ہے ؟
اُستاد - جنین جس کے معنے بچّے کے ہیں اس کی جمع (اَجِنّہ) ہے جُہلا جن کی جمع سمجھتے ہوئے اَجِنَّہ بولتے ہیں اور بہت سے جن مُراد لیتے ہیں یہ غلط ہے بلکہ (جِن) کی جمع (جِنّات) سے ہے اُردو زبان میں (جِن) کی جمع (واؤ) اور (نون) کے ساتھ بولی جاتی ہے - یعنے (جنوں) جیسا کہ حضرت عشق رح کے مرثیے کا ایک مصرع ہے - ع

جنوں نے بیرِ عَلم میں پناہ چاہی ہے

بزرگ - سبحان اللہ، واہ رے استحضار جناب ایک بات اور بتایئے - لفظ رَمضان صحیح ہے یا رَمْضان؟
اُستاد - صحیح رمضان ہے بفتحتین یعنے (را) کو اور (میم) کو فتح ہے - کلام پاک میں بھی بصورت مذکور آیا ہے - بسکون میم بولنا غلط ہے -
بزرگ - جزاکم اللہ کیا تحقیق ہے، کیا ریاضت ہے - یہ فرمایئے کہ جلو کے کیا معنے ہیں ؟
اُستاد - جِلو کے حقیقی معنے آگے چلنے کے ہیں جیسا کہ لغات میں موجود ہے یا شعراء ہند و ایران نے استعمال کیا ہے لیکن بہت سے شعراء و غیر شعرا نثراً و نظماً اسی لفظ کو پشت کے معنے میں استعمال کرتے ہیں - حقیقتاً یہ فاش غلطی ہے - لفظ بہرحال صحیح معنے میں استعمال ہونا چاہیئے - جلودار کے معنے آگے چلنے کے ہیں -
بزرگ - خدا نظر بد سے محفوظ رکھے - یہ فرمایئے کہ لفظ بَرْص ہے یا بَرَص ہے ؟
اُستاد - بَرْص بفتح با موحدہ و سکون را مہملہ جیسا کہ عوام و خواص بولتے ہیں - قطعاً غلط ہے بلکہ بجائے بفتح با موحدہ و سکون را مہملہ بفتحتین یعنے (با) کو فتح اور (را) کو فتح دے کے بولنا چاہیئے جس کے معنے وہ سفید داغ جو جسم پر پڑ جاتے ہیں - اس مرض لاعلاج یعنے غلط استعمال کی عادت کو ترک کرنا بہتر ہے - ہاں اگر کوئی صاحب لفظ کو غلط ہی استعمال کرنا چاہیں تو بغیر ترکیب اپنی اُردو زبان میں شامل کرتے ہوئے استعمال کر سکتے ہیں لیکن مع الترکیب

نظماً و نثراً قطعاً حرام ہے۔
بزرگ ۔ خدا کی پناہ، کیا خوش بیانی ہے، کیا یادداشت ہے۔ اچھا یہ فرمائیے کہ لوگ پرورشاً بولتے ہیں صحیح ہے یا غلط؟
اُستاد ۔ بالکل غلط۔ اس لیے کہ (پروردن) جس کے معنے پالنا۔ فارسی زبان کا مصدر ہے۔ اس کا حاصل مصدر پرورش ہے۔ اس کے معنے بھی پالنا۔ کیونکہ جو مصدر کے معنے ہوتے ہیں وہی حاصل مصدر کے معنے ہوتے ہیں۔ اب پرورشاً عربی ترکیب سے بولنا یہ قطعاً ناجائز ہے۔ اس لیے کہ فارسی لفظ عربی ترکیب کے ساتھ نہیں بولا جاتا۔ بلکہ یوں کہوں کہ قاعدتاً بولنا صحیح نہیں۔ آپ نے غور فرمایا؟
بزرگ ۔ ہاں جناب خوب غور کیا۔ اب یہ فرمائیے کہ (قریب المرگ) صحیح ہے یا غلط؟
اُستاد ۔ قریب عربی زبان کا لغت اسم فاعل جس کے معنے قربت رکھنے والا۔ مرگ فارسی زبان کا لغت جس کے معنے موت کے ہیں۔ فارسی لفظ پر عربی زبان کا الف لام آ نہیں سکتا لہٰذا یہ ترکیب غلط قطعاً۔
بزرگ ۔ سامنے کی بات اور میری سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ آپ نے ماشاء اللہ مطلب آئینہ کردیا۔ اتنا اور بتا دیجیے کہ (اے مومنو) بولنا صحیح ہے؟
اُستاد ۔ صحیح نہیں۔ کیونکہ (مومنو) میں واوِ ثانی حرف ندا ہے جس کے معنے (اے مومنین) آپ خود انصاف فرمائیں کہ اب (اے) کی کیا ضرورت ہے۔ دو حروف ندا کا لانا مخل فصاحت بلکہ غلط ہے۔ صرف (مومنو) کہنا صحیح ہے۔
بزرگ ۔ بہت زحمت دی۔ ایک آدھ بات اور بتا دیجیے تو مرخص ہوں۔ وہ یہ کہ احوال جمع ہے یا واحد۔
اُستاد ۔ احوال جمع بھی ہے، واحد بھی ہے۔ عربی قاعدے سے حال کی جمع احوال ہے لیکن فارسی والوں نے اسی جمع کو واحد بھی استعمال کیا ہے۔ اُن کے تتبع میں اہلِ ہند نے بلکہ یوں کہوں

کہ مستند شعرا نے واحد میں استعمال کیا۔ چونکہ اہلِ فرس نے استعمال کیا لہٰذا ہمارے لیے
احوال کو واحد استعمال کرنا قطعاً جائز۔ چنانچہ جناب تعشق رح کے مرثیے کا ایک مصرع ہے جو
کسی عورت کی زبانی ہے۔ ع

احوالِ شہِ حق دِ لبشر غیر ہوا ہے

بزرگ - غالباً لفظ' اوقات' کی بھی یہی صورت ہوگی ؟

اُستاد - جی ہاں، وہی شکل ہے مگر قدرے تغیّر ہے۔ وہ یہ کہ احوال کو مذکر بولتے ہیں اور
اوقات کو اہلِ ہند عزت کے معنے میں مؤنث بولتے ہیں۔ جیسے (آپ کی کیا اوقات ہے)
لیکن جب وقت کی جمع اوقات بولیں گے تو مذکر ہی استعمال کریں گے۔ جیسے (اُن کے
اوقات منضبط ہیں) -

بزرگ - میں نے بڑی زحمت دی، اب اجازت چاہتا ہوں۔ اگر زندہ رہا تو کل اور شکوک
رفع کروں گا۔ خدا حافظ -

اُستاد - جناب ضرور تشریف لائیں - خدا حافظ -

بزرگ رخصت ہوئے، آج کے دوسرے روز صبح کو مولانا سلام لے کے اُستاد کے
دولتکدے پہ پہونچ گئے -

اُستاد - آئیے، میں انتظار ہی کر رہا تھا -

مولانا - سلامٌ علیکم کر کے بیٹھ گئے اور سلام نکال کے مطلع پڑھا -

اُستاد - علیکم السلام کہہ کے اصلاح میں مصروف ہو گئے -

اصلاح نمبر ۶

سلام - مطلع

عاشور کو تھا دشتِ بلا میں عجب سماں ماراِم - ملہ اخی کو یہ زینبؑ کی تھی فغاں

اُستاد۔ جائے تعجب۔ مولانا آپ اور (میرے اخی) نظم فرمائیں۔ کیا اخی میں یائے متکلم نہیں؟
مولانا۔ (دانتوں کے نیچے انگلی دبا کے) بیشک غلطی ہوئی اخی کافی ہے۔ میرے زائد ہے۔
اُستاد۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ علم اور چیز ہے، شعر و شاعری اور عمل اور چیز ہے۔ خیر بدل کے لائیے گا۔ اور پڑھیے۔

مولانا۔ **شعر نمبر ۲**

ظلمِ سپاہ شر پہ، رضامند تھے حسینؑ — تھے لاجواب صبر میں شبیرؑ بے گماں

اُستاد۔ رضامند، کہیں نہیں ملتا۔ یہ ترکیب اہلِ ہند ہے۔ احتیاط کیجیے گا۔ یہ بھی بدل کے لائیے گا۔ اور پڑھیے۔

مولانا۔ **شعر نمبر ۳**

آئینہ بندیاں تھیں غضب، راہِ شام میں — تھے سر برہنہ سب حرمِ شاہِ دوجہاں

اُستاد۔ مولانا حرم کے معنے خانۂ کعبہ کے ہیں یا رواق خانۂ کعبہ۔ حرم کے معنے اہلِ بیت کے شاید کسی لغت میں نہ ملیں۔ ان معنے میں حرم اُردو ہے۔ ترکیب کیونکر جائز ہو سکتی ہے۔ حرمِ حسینؑ بول کے اہلِ بیت مراد لینا بالکل غلط ہے۔
مولانا۔ بیشک حضور، حرمِ شاہ۔ حرمِ حسینؑ کہنا اور اہلِ بیت مراد لینا صحیح نہیں۔ لیکن اساتذہ نے تو نظم فرمایا ہے۔
اُستاد۔ ایک یہی نہیں، اساتذہ کیا کچھ نہیں کہہ گئے۔ ان باتوں کو رہنے دیجیے۔ اور شعر پڑھیے اسے بھی بدل کے لائیے گا۔ میرے نزدیک ناجائز ہے۔

مولانا **شعر نمبر ۴**

یا بو تراب کہہ کے ہوئے حملہ ور حسینؑ — بہنے لگیں لہو کی ہر اک سمت ندیاں

اُستاد۔ مولانا، آپ تو عربی دا[ں] ...ہیں پھر 'یا بو تراب' پڑھ رہے ہیں۔ حرف یا منادائے مضاف کو حالتِ نصب میں کر دیتا ہے ... اسداد حالتِ نصب میں الف کے ساتھ مضاف ہوتا ہے۔

حالت رفع میں ابوتراب کہنا چاہیئے۔ حالتِ جر میں ابی تراب۔ حالت نصب میں جیسا کہ شعر میں ہے۔ ابا تراب کہنا چاہیے۔ آپ سے کیا کہوں آپ خود ماشاء اللہ فارغ التحصیل ہیں۔ میر تقی میر کا شعر یاد آ گیا ؎

ہوا ہوں جور فلک سے نپٹ میں زار و نزار پہونچیو یا خلفت الصدق حیدر کرّار

خلفت کی فا کو فتح دے کے پڑھنا چاہیئے اس لیے کہ یا حرف ندا قبل خلفت آ گیا ہے۔ لہذا منادائے مضاف حالت نصب میں ہے۔

مولانا۔ بخدا آپ سے بہتر دوسرا شاعر محقق دنیا میں نہ ہوگا۔ بیشک مجھ سے فاش غلطی ہوئی۔

اُستاد۔ بغیر سیکھے نہیں آتا

مولانا۔

شعر نمبر ۵

آیا سمٹ کے دامنِ تیغِ حسینؑ میں دشتِ بلا میں پھیلا ہوا لشکرِ گراں

اُستاد۔ دامنِ تیغ لغت میں یا کلامِ اہلِ فرس میں کہیں نہیں ملتا۔ احتیاط کیجیئے گا۔ بدل کے لائیے گا۔ اور پڑھیے۔

مولانا۔ بہت خوب

شعر نمبر ۶

نعرے سے چرخِ نیلوفری ہل کے رہ گیا تھا کس غضب کا غیظِ شہنشاہِ دوجہاں

اُستاد۔ 'نیلوفری' کا واؤ ختم ہوگیا۔ درحقیقت نیلوفری۔ بروزن مستفعلن ہے۔ اسکو بدل دیجیے گا۔

فردوسی

بیک گردشِ چرخِ نیلوفری نہ قیصر بجا ماند نے قیصری

مولانا۔

شعر نمبر ۷

اک وار میں تباہ کیا فوجِ شام کو جرّار بے نظیر تھے سلطانِ انس و جاں

اُستاد۔ جرّار کے معنے لغت میں (۱) لشکرِ بسیار (۲) انبوہ کہ از بسیاری مردم آہستہ روند۔ بمعنے بہادر کسی لغت میں نہیں ملتا لہذا اس معنے میں اُردو ہے۔ کیونکہ اہلِ ہند اس معنے میں بولتے ہیں۔

ایسی صورت میں ترکیب صحیح نہیں بلکہ بالکل غلط ۔ جرّار بمعنے بہادر، اُردو ہے ۔
مولانا ۔ حضور نے منع فرمایا تھا مگر دل نہیں مانتا، عرض کرتا ہوں ۔ شعرا مستند لکھنؤ و دہلی نے بہادر کے معنے میں مع الترکیب استعمال کیا ہے ۔
اُستاد ۔ میں پھر کہوں گا بالکل غلط استعمال ہے ۔ کوئی صاحب مجھے سمجھا دیں تو مان لوں ۔ آپ ابھی نظم نہ کیجیے گا ۔ اور پڑھیے ۔
مولانا ۔ صرف سات شعر کہہ سکا تھا ۔ لے آیا ۔
اُستاد ۔ اس سے کام نہ چلے گا ۔ مکمل پندرہ اشعار کی غزل ہونا چاہیئے ۔ ابھی سلام و نوحہ نہ کہئے جب غزل پر قدرت ہوجائے گی کہنے لگئے گا ۔
مولانا ۔ بہت خوب ۔ انشاء اللہ تعالیٰ تعمیلِ ارشاد کروں گا ۔ اجازت لے کے رخصت ہوگئے ۔

دلچسپ معلومات نمبر ۶

(وہی بزرگ جو کل شکوک رفع کر گئے تھے تشریف لے آئے ۔ حسبِ تہذیبِ لکھنؤ مراسم ادا کر کے شکوک دریافت کرنے لگے :-
بزرگ ۔ یہ فرمائیے کہ لفظ نَقَب ہے یا نَقْب :
اُستاد ۔ بہت زیادہ نَقَب بولتے ہیں یعنی بفتحتین ۔ مجھے خوف یہ ہے کہ کہیں اسی کو دُنیا صحیح نہ سمجھنے لگے ۔ درحقیقت صحیح نَقْب بفتح نون و سکون قاف ہے ۔ اس کے معنے دیوار میں سوراخ کرنے کے ہیں ۔ بہارِ عجم و منتخب و صراح میں نقب کے معنے سُرنگ کے ہیں ۔ میرے نزدیک صحیح لفظ استعمال کرنا ضروری ہے ۔
بزرگ ۔ خوب توضیح فرمائی ۔ یہ فرمائیے کہ حَرَکت صحیح ہے یا حُرکت ؟
اُستاد ۔ درحقیقت حَرَکت ہے ۔ بفتح اول و ثانی و ثالث نہ بسکون ثانی جیسا کہ مشہور ہے لیکن بعض اساتذہ بسکون راء مہملہ بھی نظم کر گئے ۔ حضرت ملّا فوقی کہتے ہیں ؎

زبس خوش حرکت و شیریں ادا بود کہ گر میداد تیزی خوشنا بود

لیکن بہتر یہی ہے کہ بفتح اول و ثانی و ثالث استعمال کیا جائے -

بزرگ - میں خوب سمجھ گیا، کیا تعریف کروں - ذرا یہ فرمایئے کہ جَراحت ہے یا جِراحت -

اُستاد - صحیح لفظ جِراحت بکسر جیم ہے جس کے معنے (ریش - زخم) کے ہیں بفتح جیم غلط ہے جو کچھ عرض کیا بہارِ عجم و منتخب و بحرالجواہر و کنز و صراح میں اسی طرح ہے - میرے نزدیک بغیر ترکیب اگر جَراحت بفتح جیم بولا جائے تو صحیح ہے اس لیے کہ کثرت استعمال اُردو ہونے پر دلالت کرتی ہے -

بزرگ - اے ماشاء اللہ، خدا حافظہ کی قوت کو برقرار رکھے - یہ تو فرمایئے کہ مُرتّب کہاں تک صحیح ہے -

اُستاد - کسی حد تک صحیح نہیں - مرتب بروزن مقید باب تفعیل سے نہیں آیا - یہ لفظ تراشیدۂ اہلِ ہند ہے - لہذا اس کا استعمال مع الترکیب قطعاً غلط کیونکہ وزن عربی ہے لیکن دراصل اُردو زبان کا لغت ہے - چونکہ کثرت کے ساتھ استعمال نہیں لہذا میرے نزدیک بدون ترکیب بھی احتیاط لازم - ایسے الفاظ صرف بھی نہ کرنا چاہیے خواہ نظم ہو یا نثر تاکہ آنے والی نسلیں دھوکا نہ کھائیں - بہت ایسے ہیں جو لاعلمی کی وجہ سے لغت نہیں دیکھ سکتے - اگر علم ہے کم فرصتی کا بہانہ - لہذا میری ناقص رائے میں ایسے الفاظ کا ترک بہتر -

بزرگ - ناقص کیا آپ کی رائے بالکل درست ہے - غالباً جناب کے نزدیک المضاف بھی غلط ہوگا

اُستاد - بیشک غلط - کیونکہ حقیقتاً المضاعف تھا جس کو جہلا نے المضاف بولنا شروع کیا المضاف اُردو ہے - بغیر ترکیب بولنے میں قباحت نہیں - کسی کا مصرع ہے - ع

درد و درماں سے المضاف ہوا

بزرگ - یہ سب تو خیر، ایک چیز کے متعلق فرمایئے کہاں تک درست ہے - اور وہ "مکتب خانہ" -

اُستاد - مکتب خانہ بولنا بالکل غلط صرف مکتب کہنے سے مطلب حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ

مکتب اسم ظرف ہے۔ اس کے معنے کتابوں کی جگہ کتابوں کا گھر، خانہ لگانا بالکل عبث ٹھہرا۔ مکتب خانہ جُہلا بولتے ہیں تعلیم یافتہ لوگوں کو احتراز لازم۔

بزرگ ۔ درست ہے۔ (حرم گاہ) کے متعلق جناب کا کیا خیال ہے؟

اُستاد ۔ غلط۔ اس لیے کہ حرم بفتحتین اس کے معنے عربی میں "احاطہ گرداگردِ خانہ کعبہ" اور نزدیک فارسیان بمعنے "اندرون سرا، مردانِ اشراف" کے استعمال ہوتا ہے اور بمعنے منکوحہ و بمعنے کنیز وغیرہ بھی اس لفظ کو استعمال کرتے ہیں۔ بہر حیثیت (گاہ) زائد لہٰذا صرف حرم کہنا کافی۔ لیکن صاحب غیاث اللغات کی بھی تحقیق سُن لیجیے میں اصل عبارت پڑھتا ہوں۔ کہتے ہیں "حرم گاہ محلسرا بمعنے منکوحہ و حلیلہ نیز آرند تسمیۃ الحال باسم محل فارسیان بر بعض الفاظ با وصف معنے ظرفیت لفظ (گاہ) و (خانہ) زیادہ کنند چنانچہ حرم گاہ و مکتب خانہ و منزل گاہ و بزم گاہ و حرم سرا از مصطلحات" میرے نزدیک پھر بھی احتیاط لازم گو تقلید فارسیان شیوۂ اہل ہند ہے۔

بزرگ ۔ ماشاء اللہ خوب تقریر فرمائی۔ یہ فرمائیے کہ (قدوم) کے متعلق جناب کا کیا خیال ہے؟

اُستاد ۔ (قدوم) بضمتین یعنے قاف کو اور دال کو پیش۔ قدم کی جمع سمجھنا قطعاً غلط کیونکہ قدم کی جمع (اقدام) ہے نہ (قدوم) بعض شعرا نے اس لفظ میں دھوکا کھایا ہے اور قدوم بمعنے اقدام نظم کر گئے جیسا کہ اس شعر میں ہے ؎

ہوں جس پہ نقشِ قدومِ رسولِ پاک عیاں ۔۔۔ میں رکھ لوں چوم کے نادر وہ سنگ سینے پر

ظاہر ہے کہ اس شعر میں (قدوم) بمعنے (اقدام) نظم ہوا ہے یہ فاش غلطی ہے لہٰذا اُردو ہونے کے سبب سے ترکیب سے نظم نہیں کیا جا سکتا۔ میرے نزدیک تنہا بھی استعمال صحیح نہیں۔

بزرگ ۔ بجا ہے، درست ہے۔ آپ کا فرمانا قابل اطاعت۔ اتنا اور فرما دیجیے کہ حمل بفتحتین صحیح ہے یا غلط یوں کہوں کہ (برج حمل) بفتحتین یا (برج حمل) بفتح اول و سکون ثانی ہے۔

اُستاد ۔ بفتحتین صحیح۔ بفتح اول و سکون ثانی غلط یعنے برج حمل بفتحتین صحیح اسکے خلاف غلط۔

بزرگ - آپ کو تو غور و فکر کی ضرورت ہی نہیں پڑتی جو پوچھا فوراً جواب شافی ملا۔ یہ فرمایئے کہ لفظ فِضا۔ بکسر (فا) صحیح ہے یا غلط۔

اُستاد - غلط - اصل لفظ فَضا بفتح (فا) ہے جس کے معنے (زمین فراخی) (فراخیٔ زمین) کے ہیں اور کشادگی صحن خانہ و میدان یہ قطعاً صحیح جو کچھ عرض کیا بجنسہٖ منتخب و بحرالجواہر و مزیل و کشف و صراح میں موجود ہے - فِضا بالکسر بولنا خطا ہے -

بزرگ - آج بھی بہت زحمت دی صرف ایک بات اور بتا دیجیے میں رخصت ہو جاؤں - وہ یہ کہ لفظ (قلفی) ہے یا (قفلی) اور فصیح کون سے ہے -

اُستاد - قلفی کا استعمال بالخصوص عوام میں بہت ہے یہ قطعاً غلط ہے۔ کیونکہ فصحاء لکھنؤ ہمیشہ (قفلی) کہتے ہیں۔ میرے نزدیک یہی فصیح و داخل زبان ہے (قلفی) غلط -

بزرگ - بس اب پھر کسی دن حاضر ہوں گا چند شکوک اور ہیں دریافت کر لوں گا -

اُستاد - میرے نزدیک آیندہ ہفتے کو تشریف لایئے ایک نواب صاحب اصلاح لینے آتے ہیں دس بجے تک فرصت ہو جاتی ہے -

بزرگ - انشاءاللہ تعالیٰ ضرور حاضر ہوں گا، آپ کی زحمت کا خیال ہے -

اُستاد - پان نوش فرمایئے ، مجھے کوئی زحمت نہیں ہوتی -

بزرگ پان کھا کے رخصت ہوئے اور امورِ دنیاوی میں مشغول ہو گئے۔ اُستاد کتب بینی میں مصروف رہے - نواب غزل کہنے میں یہانتک کہ ہفتہ کی صبح نمودار ہوئی اور نواب غزل لے کے آگئے اور بعد سلام سامنے بیٹھ گئے -

اُستاد - پڑھیے - آج ایک صاحب شکوک رفع کرنے کے لیے آنے والے ہیں -

نواب نے بہت خوب کہہ کے مطلع پڑھا -

اصلاح نمبر ۷ - غزل

مطلع

رقیب کرتے ہیں اُن سے بُرائیاں میری ہلا رہی ہیں دلوں کو خموشیاں میری

اُستاد - مطلع میں شائگاں ہے - جسے ایطاء کہتے ہیں - ایطاء کے دو معنے ہیں - (۱) پائمال کرنا (۲) قافیہ کا مکرر لانا - ایطاء کی دو قسمیں ہیں (۱) خفی (۲) جلی -

(۱) خفی اُس کو کہتے ہیں کہ قافیہ ظاہر نہ ہو - جیسے دانا - بینا - آب - گلاب وغیرہ چونکہ ان قوافی میں واضح طور پر تکرار ظاہر نہیں ہے اس لیے اس کو خفی ایطاء کہتے ہیں -

(۲) جلی وہ ہے کہ جس میں تکرار قافیہ ظاہر بظاہر ہو - مثلاً خوشتر اور زیباتر اگر دو مصرعوں میں لے آئیں گے تو جلی ایطاء ہو جائے گا - اس لیے کہ لفظ تر ظاہر بظاہر آ گیا - باقی رہے خوش اور زیبا اِن میں قافیہ نہیں ہے - یا ستمگر، افسوں گر - بعینہٖ خوش تر اور زیبا تر کی سی کیفیت ہے - اسی طرح سیمیں اور زریں کہ سیم و زر بچتا ہے اور یا و نون ایک طرح کے ہیں جو تکرار قافیہ پر دلالت کرتے ہیں لہذا ایسے عیوب قوافی میں نہ ہونا چاہیے یہ اصطلاح عروضیین و شعراء میں بدترین عیوب کہلائے جاتے ہیں -

آپ کے مطلع میں الف و نون چونکہ ایک طرح کے ہیں لہذا تکرار قافیہ ہو گئی - اور ایطاء جلی پایا گیا - اِس بحث کو اچھی طرح سمجھ گئے ؟

نواب - میں بالکل سمجھ گیا لیکن حضور اس وقت تو سمجھ گیا خوف یہ ہے کہ بھول نہ جاؤں - کیونکہ دماغ کمبخت کام نہیں دیتا - ابھی بات یاد کی اور تھوڑی دیر میں بھول گیا -

اُستاد - خیر، دو چار بار پڑھنے میں سمجھ جائیے گا - یہ یاد رکھیے گا کہ انسان ماں کے پیٹ سے سیکھ کے نہیں آتا - حاصل کرنے کی ضرورت ہے ورنہ سوائے ٹھوکریں کھانے کے اور کچھ نہیں ہوتا یہ غلط مقولہ ہے کہ "ہم شاعر مادر زاد ہیں" - رہی شاعری، تو لکھنؤ کے کنجڑے اور قصائی بھی کر لیتے ہیں - اور اچھے شعر نکال لیتے ہیں، تو کیا شاعر کہلانے کے مستحق ہیں - نہیں ایسا نہیں ہے - دوسرے آپ کے دونوں مصرعے الگ الگ ہیں کوئی ربط نہیں مصرع اول یوں بدل دیجیے -

ہوئی نہ واقفِ شکوہ کبھی زباں میری ہلا رہی ہیں دلوں کو خموشیاں میری

نواب - واہ واہ - یہ کہہ کے مصرعہ اول کے نیچے لکھ لیا -

اُستاد۔ کیا مطلع ایک ہی کہا ہے ؟

نواب ۔ جی ہاں ۔

اُستاد ۔ دو تین مطلع کم سے کم کہا کیجیے تاکہ مشق بڑھے ۔ خیر، شعر پڑھیے ۔

نواب ۔ ملاحظہ ہو ۔ ؎

الٰہی خیر ہو یہ خواب میں نے دیکھا ہے　　　چبا رہا ہے سگِ یار ہڈیاں میری

اُستاد ۔ اس شعر میں دو عیب ہیں ۔ پہلا عیب الٰہی کی (یا) گر گئی ۔ عربی زبان کا لفظ یا اصلی ہے ۔ گرنا ناجائز ۔

نواب ۔ کیا کسی اُردو شاعر نے (یا) نہیں گرائی ؟

اُستاد ۔ یہ نہ پوچھیے ۔ رونا اسی کا ہے کہ عیب سمجھتے رہے مگر گراتے رہے ۔ چونکہ آپ نے پوچھا اس لیے بتاتا ہوں کہ کن کن حضرات نے (یا) کو گرایا ہے ۔ اس وقت صرف دو چار کا کلام سناتا ہوں ۔ میر تقی میر اور آتش کے کلام سے چند مثالیں پیش کرتا ہوں، باقی آیندہ ۔

یہ بھی یاد رکھیے گا کہ غزل گویوں میں تو کوئی صاحب اس عیب سے محفوظ نہ رہ سکے مرثیہ گویوں میں جن حضرات نے اس عیب کو عیب سمجھا اُن میں سے خدائے سخن حضرت عشق مرحوم بھی ہیں ۔ پورے کلام میں کوئی حرف فارسی یا عربی کا گرنے نہیں دیا ۔

نواب ۔ درست، بجا ہے ۔

اُستاد ۔ سُنیے، میر تقی میر کہتے ہیں ؎

کچھ راہ بھی نکالو سگِ دیاسباں سے تم (۱) کرتے نہیں ہیں دوری سے اب اُسکی باک ہم

دُوری کا لفظ فارسی ہے (یا) کو گرادیا ۔

آہستہ اے نسیم کہ اطراف باغ کے (۲) مُشتاق پرفشانی ہیں اک مُشت خاک ہم

فشانی کا لفظ فارسی (یا) کو گرادیا ۔

عـه صـ۸۲ حاشیہ ۔ مطبع نولکشور

فریادی ہوں تو ٹپکے لُہو مری زباں سے (۳) نالے کو بلبلوں کے خاطر میں بھی نہ لاؤں

فریادی فارسی زبان کا لفظ (یا) گرادی -

قطعہ

عیش و خوشی ہے شیب میں ہو گو یہ وہ کہاں (۴) لذت جو ہے جوانی کے رنج وعتاب میں

دیں عمرِ خضر موسمِ پیری میں تو نہ لے　　مرنا ہی اس سے خوب ہے عہدِ شباب میں

مصرع ۲ میں جوانی کی (یا) گر گئی -

سب خوبیاں ہیں شیخ مشیخت پناہ میں (۵) پر ایک حیلہ سازی ہے اُس دستگاہ میں

سازی کی (یا) گر گئی -

ہوئی ہے زندگی دشوار مشکل آساں کر (۶) پھروں چلوں تو ہوں پر میں وبال اپنا ہوں

زندگی فارسی لغت (یا) گرادی -

اب دو چار شعر آتش کے بھی سُن لیجیے - **آتش**

بے آہ کیے جان نہیں بچتی اب اے دل (۱) بیتابی سے ہے تنگ مرا حوصلہ آیا

بیتابی فارسی لغت ہے (یا) گرادی -

بس اپنی مستی کو گردش ہے چشم ساقی کی (۲) ہمارا پیٹ نہیں ہے شراب کا مٹکا

مستی فارسی لغت ہے (یا) گرادی -

سودائی زلف یار کا جب سے ہوا ہے دل (۳) قالب میں مرغ روح کو اِیذائے دام ہے

سودائی فارسی لغت (یا) گرادی

ایک غزل آتش نے ایسی کہی جس میں پوری غزل کے ہر شعر میں حرف (یا) کو گرادیا بلکہ یوں کہوں کہ ہر قافیے کی (یا) کو گرادیا - سُنئے -

غزل

اسیرِ لطف و کرم کی رہائی مشکل ہے (۱) نگیں کو نام سے تیرے جُدائی مشکل ہے

ہزار دعوئے باطل کیا کریں یا رب (۲) بتوں کی تیری طرح سے خدائی مشکل ہے
پھرایا سر کو ترے زمزموں نے اے بلبل (۳) خفا نہ ہو تو کہوں خوشنوائی مشکل ہے
بہت سی دیکھی ہیں خمدار ہم نے تلواریں (۴) تمھارے ابروؤں کی کج ادائی مشکل ہے
وہ اتحاد نہیں ہے کہ جس میں فرق پڑے (۵) ہمارے اور تمھارے جدائی مشکل ہے
کمر سے بڑھ چلے گیسوئے یار قصد کیا (۶) عدم سے دو قدم آگے رسائی مشکل ہے
ولایتی بھی حسینوں کو ہم نے دیکھ لیا (۷) منش تری سی کہاں میرزائی مشکل ہے
پھریں گے ہم نہ ہزار آپ ہم سے منہ پھیریں (۸) تمھیں سے ہے سہل ہمیں بیوفائی مشکل ہے

اِس شعر میں شُترگربہ نظم کرگئے۔ پہلے مصرع میں 'آپ' سے خطاب کیا۔ دوسرے میں 'تم' کرکے بات کی۔ اصولاً یہ بھی ناجائز۔ آپ اس کا خیال رکھیے گا۔

جلا کیا کریں آئینہ ساز آئینے (۹) صفائے رُخ کی تمھارے صفائی مشکل ہے

بظاہر صفائی کی (یا) بھی گرادی۔ فارسی یا عربی سمجھتے ہوئے اعتراض ممکن ہے مگر فی الحقیقت صفائی کا لفظ نہ فارسی ہے نہ عربی بلکہ اُردو ہے۔ اُردو لفظ میں حرف (یا) کا گرنا جائز ہے لہذا اعتراض نہیں ہوسکتا۔ خلاصہ یہ کہ غزل بھر میں صرف ایک قافیہ ایسا ہے یعنے صفائی جس میں حرف (یا) گرا تو، مگر جائز گرا۔ باقی سب قوافی میں حرف (یا) گرا اور قطعاً بے محل اور ناجائز طریقے سے گرا۔

حیا سے یار نے بدلا جو کیفیتِ مے میں رنگ (۱۰) یقیں ہوا یہ ہمیں پارسائی مشکل ہے
عنایت اس کو ہو بے مانگے بوسہ اے شہِ حسن (۱۱) فقیر مست کو تیرے گدائی مشکل ہے
ہزار پنجۂ مرجاں کا چھپا ہو رنگ (۱۲) وہ دلربائی دستِ حنائی مشکل ہے
کنارہ کش نہ ہو اے بحرِ حسن عاشق سے (۱۳) نہیں تو کہتے ہیں ہم آشنائی مشکل ہے
خلیل کا اسے کعبہ نہ جانیو آتش (۱۴) خدا کا گھر ہے یہ دل تک رسائی مشکل ہے

گو خود آتش کا مقولہ ہے مگر عیب نظم کردیا ہے

عیب شاعر کو لگا دیتا ہے آتش نقص شعر داغ جب پھل میں لگا عیب شعر میں داغ ہے

نواب - (تعجب کے ساتھ) کیا یہ لوگ سمجھتے نہیں تھے ؟

اُستاد - سمجھتے سب کچھ تھے صرف سہولت کے خیال سے ایسا کرتے تھے -

نواب - سہولت کیا ؟

اُستاد - سہولت یہی کہ اگر (یا) کو گرنے سے بچاتے ہیں تو غور و فکر کرنا ہوگی - ہمزۂ وصل لانا پڑے گا جو بچا سے - اپنے کو اُستاد سمجھتے ہوئے جائز قرار دے لیا - یا یوں کہیے کہ جس طرح اودھ کے شاہزادگان و رؤسا کو خون معاف تھے کسی کو دو خون کسی کو چار خون اُسی طرح ان اساتذہ کو یہ خون معاف تھے - غلط سمجھتے تھے اور نظم کرتے تھے غلط کیوں ہے اس کی تقریر یہ ہے کہ ہم اہلِ ایران کے مقلد ہیں مستند اہل ایران نے حرف (یا) کا گرنا بُرا سمجھا ہے - چنانچہ سعدی عرفی، خاقانی، نظیری وغیرہ کے کلام بھر میں کہیں حرف (یا) نہیں گرا لہٰذا ہم کو بھی تقلیداً نہ گرانا چاہئے -

نواب - ہمزۂ وصل سے کیونکر بچاتے ہیں ؟

اُستاد - آئندہ بتاؤں گا - آپ سمجھ نہ سکیں گے اور شعر میں دوسرا عیب جو میں نے کہا تھا وہ خاص عیب نہیں - موجودہ دور کو دیکھتے ہوئے ایسی تخئیل نہ ہونا چاہئے - یہ تخئیلات انقلاب کی آندھی میں کہیں سے کہیں پہونچ گئے - اب کوئی نظم نہیں کرتا متقدمین ایسے خیالات زیادہ نظم کرتے تھے - اور شعر پڑھیئے -

نواب - ؎

نزع میں آئیں وہ بالیں پہ دم میں مر جاؤں مرے کریم یہ قسمت بھلا کہاں میری

اُستاد - آپ کے لحاظ سے شعر غنیمت ہے مگر ایک بہت بڑا عیب موجود ہے - اور وہ یہ ہے کہ لفظ (نزع) عربی زبان کا لغت ہے جس کے معنے نکلنے کے ہیں - نون کو فتح، زا کو سکون عین کو سکون - آپ نے یوں نظم کیا ہے - نون کو فتح، زا کو فتح، عین کو سکون - چونکہ

لغت میں موجود نہیں نہ کسی نے اس طرح نظم کیا لہذا غلط۔ آپ نے کہتے سُنا ہوگا۔ فلاں شخص کو نزع روح میں بڑی دقت پیش آئی۔ لہذا یہ مصرع یوں بدل دیجیے عیب نکل جائے گا ؎

وہ آئیں نزع میں بالیں پہ جب تو موت آئے مرے کریم یہ قسمت بھلا کہاں میری

نواب ۔ کیا کہنا ۔ واقعی آپ اُستاد ہیں ۔

اُستاد ۔ اور پڑھیے ۔

نواب ۔ ؎

پڑی نظر جو مری اُن کے اُٹھتے جوبن پر لبوں پہ آگئی رگ رگ سے کھنچ کے جاں میری

اُستاد ۔ (مُسکرا کے) آپ کو گذشتہ غزل میں منع کر چکا ہوں ۔ یہ رنگ اب باقی نہیں جب سے انگریزی تعلیم زیادہ ہوگئی خیالات میں تغیر ہوگیا ۔ ایسے اشعار پر اسکول اور کالج کے طلبہ تالیاں بجانے لگتے ہیں ۔ اس رنگ کے اشعار متقدمین زیادہ کہتے تھے ۔ اور آخر میں داغ دہلوی نے تو دریا بہا دیے ۔ کوئی بازاری خیال، بازاری صرف ایسا نہیں جو نظم نہ کر گئے ہوں اگر کسی کے یہاں کلام میں پچاس شعر ملیں گے تو داغ کے یہاں ہزار شعر موجود ہیں ۔ آپ کے سامنے مخرب اخلاق شعر پڑھنا خلاف تہذیب سمجھتا ہوں ۔ گو آج سے قبل چار پانچ شعر اس قسم کے مختلف اساتذہ کے سُنا چکا ہوں مجھے بعد کو خیال آیا کہ ایسا چاہیے نہ تھا مگر کیا کروں کہ رواروی میں پڑھ گیا ۔ خیر اور پڑھیے ۔

نواب ۔ ؎

اسی دعا میں مری عمر ہو رہی ہے تمام خدا کرے وہ کبھی سُن لیں داستاں میری

اُستاد ۔ اس شعر میں اصلاح کی حاجت نہیں، غنیمت ہے ۔ اور پڑھیے ۔

نواب ۔ ؎

کہا یہ دل نے کہ اب قصہ چھیڑیے کوئی اور جو خاتمہ پہ کبھی آئی داستاں میری

اُستاد ۔ معلوم ہوتا ہے آپ دیوان سامنے رکھ کے شعر کہتے ہیں ۔

نواب - جی، صرف اس لیے دیکھتا ہوں کہ نظر بڑھے اور راہ ملے -

اُستاد - آپ نے امیر مینائی کی چوری کی ہے - امیر کہتے ہیں ۔

کہا جگر نے کہ اب چھیڑیے مرا قصہ ۔۔۔ جو خاتمہ پہ کبھی دل کی داستاں آئی

خود غور کیجیے کہ کوئی فرق ہے - (چونکہ واقعہ صحیح تھا - اور انتہائی پریشانی میں امیر کے مضمون کو بدلنے کی کوشش کی تھی) -

نواب - درست ہے - بیشک کوئی فرق نہیں -

اُستاد - شعر کاٹ دیجیے - اور پڑھیے -

نواب - ۔

بنا رہے ہیں وہ زلفوں کو گوندھ کے پھانسی ۔۔۔ نکل رہی ہے یہاں جانِ ناتواں میری

اُستاد - اور سُنیے - میر تقی میر پہ ہاتھ صاف کر دیا - یہ آپ کیا کرتے ہیں؟ میر کا شعر ہے ۔

وہ بال گوندھ کے پھانسی عبث بناتے ہیں ۔۔۔ بُلائے جاں ہے یونہی جانِ ناتواں کے لیے

نواب - چونکہ سرقہ کیا تھا - سخت شرمندہ ہوئے اور خیال کیا کہ اُستاد کا حافظہ زبردست ہے یہاں ترکیب نہ چل سکے گی - شعر سُنتے ہی فوراً شعر پڑھ دیتے ہیں -

اُستاد - شعر کاٹ دیجیے - اور پڑھیے - آپ کو سرقہ کا بڑا ذوق ہے ؟

نواب - بڑی شرمندگی کے ساتھ، ڈرتے ڈرتے ۔

نمک چھڑکتے ہیں وہ دیکھ کے مرے دل کو ۔۔۔ دکھاؤں زخم یہ ہمت بھلا کہاں میری

اُستاد - ایک نہ شد دو شد تو تھا ہی - اب دو نہ شد سہ شد کا مضمون ہو گیا - یہ شعر بھی چوری کا ہے - استغفراللہ، آپ یہ کیا کرتے ہیں؟ بالکل میر کا شعر نظم کر دیا ۔

اِدھر کھلی مری چھاتی اُدھر نمک چھڑکا ۔۔۔ جراحت اُس کو دکھانے کا اب مزا نہ رہا

آیندہ خیال رکھیے گا - جس طرح دو ایک لفظ اور بحر بدل کے آپ شعر میں لے آتے ہیں - نہ لائیے گا -

(نواب کے کاٹو تو لہو نہیں، شرم سے آنکھ نہیں اُٹھتی، دل میں سوچ رہے ہیں کہ خداوندا اُستاد کا کس قیامت کا دماغ ہے۔ اِدھر شعر پڑھا، فوراً شعر پڑھ دیا۔ اب کبھی ایسا نہ کروں گا)
نواب نے حضور، بہت خوب کہہ کے چُپ ہو کے سر جُھکا لیا۔

اُستاد۔ اور پڑھیے کہیں پھر سرقہ نہ کیا ہو۔

نواب۔ ؎

عجب طرح کی اُداسی وہاں برستی ہے   گئی ہے خاک بھی اُڑ کے جہاں جہاں میری

اُستاد۔ شعر غنیمت کہا ہے۔ کوئی بات نہیں۔ اور شعر پڑھیے۔

نواب۔ ؎

اخیر وقت ہے آتا ہے گر تو جلد آؤ   کہ بند ہونے لگی کچھ دیر میں زباں میری

اُستاد۔ خیر، یہ شعر بھی رہنے دیجیے غنیمت ہے۔ ہونے کا (نے) نکال ڈالیے زائد ہے۔
نواب مُسکرائے اور مُسکراتے کیوں نہ، اس لیے کہ اتنی خفگی کے بعد دو شعر باقی رہے چہرے پر بحالی آگئی۔

اُستاد۔ اور پڑھیے۔ اگر ایسے ہی شعر کہیے تو بہت بہتر ہے۔

نواب۔ مقطع عرض ہے ؎

امیدِ حسرتِ دیدار میں میں روتا ہوں   زمانے بھر سے جُدا کیوں نہ ہو فغاں میری

اُستاد۔ مقطع قدرے بنانے کے قابل ہے مگر خیر رہنے دیجیے۔ آپ سے پھر کہتا ہوں کہ کسی کے کلام کی چوری نہ کیجیے گا۔
(نواب سلام کر کے تھوڑا پیچھے ہٹ کر بیٹھے اور غزل تہ کر کے جیب میں رکھ کے اُستاد سے اجازت لے کے رخصت ہو گئے)۔

دلچسپ معلومات نمبر ۷

اِدھر نواب روانہ ہوئے اُدھر وہی بزرگ جن کو شبانہ روز سوائے تحقیقِ زبان کے دوسرا کام نہ تھا، تشریف لے آئے۔

بزرگ - آداب بجا لاتا ہوں۔ معاف فرمائیے گا۔ ذرا تاخیر ہو گئی۔

اُستاد - تسلیمات۔ جی، تاخیر تو نہیں ہوئی ابھی ابھی نواب صاحب اصلاح لیکے گئے ہیں۔

بزرگ - پھر مجھے بھی کچھ اصلاح دے دیجیے چند سوالات کا حل فرما دیجیے۔ سخت طبیعت پریشان ہے۔

اُستاد - ارشاد ہوں۔ مگر جناب یہ تو فرمائیں کہ آپ شاعری تو فرماتے نہیں پھر تحقیق الفاظ کیوں فرماتے ہیں؟

بزرگ - صرف اس لیے کہ اگر کسی محفل میں یا کسی پڑھے لکھے سے بات چیت کروں تو اعتراض نہ ہو سکے۔ گو جاہل ہوں مگر لکھنؤ کے وقار کو قائم رکھنے کے لیے تحقیق کی فکر دامنگیر رہتی ہے۔

اُستاد - خدا آپ کو جزائے خیر دے، اس خیال کے لوگ کہاں پیدا ہوں گے۔ اب تو یہ حال ہے کہ بڑے بڑے پڑھے لکھے مُنہ کھول دیتے ہیں اور آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور دعویٰ یہ کہ ہم خاندانی ہیں۔ بات کرتے ہیں تو غلطیاں موجود، کلام سُناتے ہیں تو عیوب کے دریا بہا دیتے ہیں۔ کیا بیان کیا جائے خیر جناب ارشاد فرمائیں۔

بزرگ - یہ فرمائیے کہ جو دو فرشتے قبر میں آتے ہیں ان میں سے ایک کا نام منکَر کاف کو زیر ہے یا منکَر کاف کو زبر ہے؟

اُستاد - مُنکَر بالضم و کاف مفتوح اس کے مختلف معنے ہیں (۱) بد۔ (۲) قبیح و نالائق۔ (۳) ہر وہ امر قبیح جس سے دیکھنے والے متنفر ہوں۔ (۴) فعل نامشروع (۵) نام فرشتہ

ان دو فرشتوں میں سے جو قبر میں سوال و جواب کے لیے آتے ہیں اسے مُنکر کہنا غلط ہے۔ عوام بکثرت مُنکر نکیر بکسر کاف کہتے ہیں اس کا اعتبار نہیں۔ منکر بکسر کاف کے معنے انکار کنندہ کے ہیں۔ غالباً جناب سمجھ گئے ہوں گے۔

بزرگ ۔ بالکل سمجھ گیا۔ اس سے واضح کون بیان کرسکتا ہے۔ اتنا ارشاد ہو کہ انثیٰ کی جمع اِناث، الف کو زیر یا اُناث پیش کے ساتھ ہے۔

اُستاد ۔ آپ کیا کیا سوالات فرماتے ہیں۔ واقعاً پڑھے لکھے بھی جن کی طرف غور نہیں کرتے۔ سُنیے (اِناث) بکسر اول انثیٰ کی جمع ہے جس کے معنے (کئی عورتیں)۔ (اُناث) بالضم جیسا کہ عوام و خواص مع العطف مثلاً (ذکور و اُناث) یہ قطعاً غلط ہے۔ آپ ہمیشہ اِناث الف کو زیر دے کے بولیے گا۔

بزرگ ۔ بہت خوب۔ آج بڑا شک رفع ہوا۔ کاش پہلے سے آپ کی خدمتگذاری کا شرف حاصل کر چکا ہوتا تو خدا معلوم آج تک معلومات میں کس قدر اضافہ ہو چکا ہوتا۔ اچھا جناب یہ فرمائیں کہ لفظ اِلماس زیر کے ساتھ ہے یا زبر کے ساتھ ہے۔

اُستاد ۔ میرے نزدیک الف کو زبر ہے۔ یعنے (اَلماس) ایک جوہر ہے جو بہت سفید و شفاف، گراں قیمت ہوتا ہے جسے ہیرا کہتے ہیں لیکن (اِلماس) زیر کے ساتھ جیسا کہ مشہور ہے غلط ہے۔ ترکیب کے ساتھ پابند اعراب ہونا ضروری ہے۔ جیسے (اَلماسِ گراں قیمت) ایسی حالت میں الف کو زبر دے کے بولنا چاہیے۔ رہا بغیر ترکیب یعنے تنہا تو (الماس) زیر کے ساتھ بولنے میں قباحت نہیں کیونکہ اُردو کا حکم جاری ہے۔

بزرگ ۔ ماشاء اللہ، سبحان اللہ۔ آپ کی جامعیت کا جواب نہیں۔ ایک بات یہ قابلِ دریافت ہے کہ لفظ (عضو) پیش کے ساتھ ہے یا زیر کے ساتھ؟

اُستاد ۔ (عضو) عین کو زبر دے کے بولنا غلط ہے۔ صحیح لفظ درحقیقت (عُضو) پیش کے ساتھ ہے۔

بزرگ ۔ جناب درست فرماتے ہیں۔ بہت زحمت دے رہا ہوں، ارشاد ہو کہ لفظ ...س

الف کو زیر ہے یا زبر ؟

اُستاد - مسئلہ سخت ہے۔ غور سے ملاحظہ ہو۔ اِمین بالکسر و میم مکسور بمعنے بے خوف و بے دہشت یہ امالہ ہے (آمن) کا کہ جو اسم فاعل ہے اَمن کا اور (اَمین) بالکسر و میم مفتوح بمعنے بے خوف تر یہ امالہ ہے آمن میم مفتوح کا کہ جو اسم تفضیل ہے امن کا۔ اور (اَمین) بالفتح میم مفتوح بمعنے مبارک تر اور جانب دست راست کیونکہ بر تقدیر معنے مبارک تر اسم تفضیل ہے یُمن کا اور دوسرے معنے کے لحاظ سے ماخوذ ہے یمن سے کہ جس کے معنے دست راست کے ہیں۔ جناب اچھی طرح سمجھ گئے۔

بزرگ - خوب سمجھا۔ خدا آپ کو زندہ رکھے، واللہ دل سے دعا نکلتی ہے۔ یہ بھی ارشاد ہو کہ مادرِ جناب علی اکبرؑ زوجہ جناب سیّد الشہدا امام حسین علیہ السلام کا نام صرف (لیلیٰ) تھا یا (اُمِّ لیلیٰ) -

اُستاد - (اُمِّ لیلیٰ) بولنا اور مادرِ جناب علی اکبرؑ مراد لینا صحیح نہیں۔ (اُمِّ لیلیٰ) درحقیقت نانی تھیں - مادرِ جناب علی اکبرؑ کو (لیلیٰ) کہنا صحیح ہے - میری تحقیق یہی ہے اگر اسکے خلاف کبھی ثابت ہوگا تو خیال بدل دوں گا -

بزرگ - میرا بھی یہی خیال تھا جیسا جناب نے ارشاد فرمایا اب یہ فرمائیے کہ لفظ نقاب فتح کے ساتھ ہے یا زیر کے ساتھ -

اُستاد - حقیقتًا تو (نِقاب) بالکسر ہے چونکہ بکثرت زیر کے ساتھ بولا جانے لگا اس لیے بغیر ترکیب (نقاب) بالفتح فصیح ہے۔ ترکیب کے ساتھ نقاب بالکسر بولنا چاہیے -

بزرگ - بالکل درست۔ وقت بہت آگیا۔ دو چار سوالات اور حل فرما دیجیے تو رخصت ہوں اقربا کے متعلق کلام ہے کہ صحیح کس طرح ہے -

اُستاد - (اِقربا) بکسر را ارجمع قریب صحیح ہے لیکن (اَقرِبا) بالضم یا (اَقرَبا) بالفتح جیسا کہ (۳) اِحرام مشہور ہے اور کثرت سے بولا جاتا ہے غلط ہے -

بزرگ - جناب صحیح فرماتے ہیں۔ میری تحقیق بھی یہی تھی - یہ فرمائیے کہ (اشرفی) میں سین ساکن ہے یا سین کو زبر ہے -

اُستاد - (اشرفی) بسکون شین و فتح را، صحیح ہے اور یہ منسوب ہے ایک بادشاہ کی طرف جس کا نام (اشرف) تھا جس کے عہد میں سکۂ زر جو وزن میں دس ماشہ تھا رائج ہوا لیکن جو لوگ کہ (شین) کو زبر دے کے اور (رے) کو ساکن کر کے بولتے ہیں قطعاً غلط ہے -

بزرگ - بجا ہے - جناب کی اس تحقیق خاص سے بہت فائدہ پہونچا - یہ بھی ارشاد ہو کہ (اسامی) کسی ایک انسان کو کہنا کہاں تک درست ہے -

اُستاد - غور سے ملاحظہ فرمائیے گا - اسامی بالفتح جمع الجمع اسم ہے - کیونکہ (اسامی) جمع (اسماء) اور (اسما) جمع (اسم) لیکن (آسامی) الف ممدودہ کے ساتھ یا (اسامی) بثا مثلثہ یا الف ن کے ساتھ جمع بنانا - مثلاً (اسامیان) کہنا یہ تینوں صورتیں محض غلط ہیں - چونکہ کاشتکار کو ـسے اسامی کہتے ہیں اس لیے اردو سمجھتے ہوئے کہنا غلط نہیں ہے -

بزرگ - یہ تحقیق بھی جناب کی خاص ہے - یہ فرمائیے کہ (لحیہ) فتح کے ساتھ یا (لحیہ) زیر کے ساتھ ہے -

اُستاد - صحیح حقیقتاً (لحیہ) زیر کے ساتھ ہے اس کے معنے (ریش) یعنے داڑھی جو مردوں کے چہرے پر ہوتی ہے لیکن (لحیہ) زبر کے ساتھ کہ جو عموماً لوگ استعمال کرتے ہیں اور ترکیب کے ساتھ استعمال کرتے ہیں قطعاً غلط ہے - جیسے (حلق لحیہ) ڈاڑھی مُنڈانا - تنہا استعمال غنیمت تھا حرکت بدل جانے کے بعد ترکیب دینا قیامت ہے - عوام کے استعمال پر نظر کر کے تعلیم یافتہ حضرات دھوکا کھاتے ہیں اور بغیر تحقیق لفظ غلط استعمال کر جاتے ہیں جن کی وجہ سے صاحبانِ علم و تحقیق کو دھوکا ہوتا ہے -

بزرگ - آپ کی تعریف میں زبان قاصر ہے - جو پوچھا اُسی وقت جواب شافی ملا - اتنا اور ارشاد ہو کہ لفظ (عمامہ) ہے زبر کے ساتھ یا زیر کے ساتھ میں تحقیق سے عاجز ہوں -

اُستاد - صحیح لفظ (عمامہ) بالکسر ہے منتخب و مدار و سکندری و بحرالجواہر و کشف و قاموس

وہاں عجم وغیرہ میں بھی اسی طرح ہے لیکن بالفتح جیسا کہ دنیا بولتی ہے۔ غلط ہے بس یہ کہہ کے صحیح مان لیجیے کہ حرکت بدلنے پر اُردو ہے۔ پھر سوال ترکیب کا رہے گا کہ ترکیب کے ساتھ بالفتح کہنا غلط ہوگا۔ بالکسر صحیح ہوگا۔

بزرگ - خوب سمجھا مطلب ذہن نشین ہوگیا۔ جناب کا کیا خیال ہے۔ لفظ اُسترہ ہے یعنے الف کو پیش یا اَسترہ ہے الف کو زبر جیسا کہ سب بولتے ہیں۔

اُستاد - صحیح لفظ (اُسترہ) پیش کے ساتھ ہے۔ اس کا مصدر (استردن) ہے جس کے معنے (مُونڈنا) لیکن اَسترہ جیسا کہ آپ نے فرمایا عوام بکثرت بولتے ہیں غلط ہے۔

بزرگ - صحیح ہے۔ بس ایک بات اور سمجھا دیجیے۔ واللہ بڑی زحمت دی اور وہ یہ کہ پڑھے لکھے لوگ کہتے ہیں کہ لفظِ (ارنی) میں کلام ہے۔ بعض کہتے ہیں (اِرنی) ہے یعنے رے کو زیر ہے۔ بعض کہتے ہیں (رے) ساکن ہے۔

اُستاد - آپ نے بڑا سخت سوال فرمایا۔ خیر سُن لیجیے (اَرِنی) بفتح الف وکسر رآ وکسر نون اسکے معنے ہیں (مجکو دکھا) یہ اشارہ ہے قصہ حضرت موسیٰؑ کی جانب کہ بارگاہِ ایزدی میں عرض کیا تھا (رب ارانی انظر الیک) ترجمہ یہ ہے کہ پروردگا میرے سامنے آ، میں تجھ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ آواز غیب پیدا ہوئی تھی کہ اے موسیٰؑ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔ کلمۂ (ارنی) مرکب ہے لفظ (ار) اور نون وقایہ اور یا متکلم سے اور (ار) دراصل (ارئی) تھا بروزن (اَکرِم) کہ جو امر ہے بابِ افعال سے حرکت ہمزہ نقل کرکے ماقبل کو دی اور ہمزہ کو بسبب التقاء ساکنین اور (یا) کو بجہت وقف کہ جو آخر امر میں ہوتی ہے حذف کردیا (اِر) باقی رہا جب نون وقایہ اور یائے متکلم کو اُس سے ملا دیا (ارنی) ہوگیا اس کو اہل فرس نے بسکون را استعمال کیا جیسا کہ (مخزن اسرار) میں مولوی نظامی نے نظم فرمایا ہے ؎

موسے ازیں جام تہی دید دست　　　شیشہ بکہ پایہ ارنی شکست

لیکن چونکہ کلام پاک میں ارنی بکسر را آ حملہ ہے لہذا ہر شخص پر فرض ہے کہ اسی طرح استعمال کرے

اور اہلِ فرس کی اس امر میں تقلید نہ کرے مقتضائے احتیاط یہی ہے۔ باقی اختیار ہے۔ صرف جواز کے لیے تقلید اہل فرس کا جواب کافی ہوگا۔ غالباً آپ اچھی طرح اس مسئلے کو سمجھ گئے ہوں گے۔ میرے پاس وقت ہے اگر آپ کچھ اور پوچھنا چاہیں تو بتا سکتا ہوں۔

بزرگ ۔ خدا زندہ رکھے میں خوب سمجھ گیا۔ آج میرے یہاں ایک تقریب ہے اس لیے زیادہ ٹھہر نہیں سکتا۔ کل یکشنبہ کو اسی وقت ضرور حاضر ہوں گا۔ جتنے سوالات باقی ہیں حل کرلوں گا۔ اجازت چاہتا ہوں۔

اُستاد ۔ بہت خوب۔ خدا حافظ۔

بزرگ رخصت ہوکے گھر پہونچے اور تقریب کے سرانجام میں مصروف ہوگئے۔ اُستاد اپنے کارہائے ضروری کو انجام دینے لگے۔ جاتے ہوئے وقت گزرتے ہوئے زمانے کو قرار نہیں۔ دن گزرا، رات گزری، صبح نمودار ہوئی۔ اپنے وقت پہ مولانا اُستاد کے گھر پہونچ گئے دیکھا کہ اُستاد چمن میں ٹہل رہے ہیں اور ایک سنجیدہ شاگرد جو عرصے سے غزل دکھاتے ہیں اُن کے کلام پر اصلاح دے رہے ہیں۔

مولانا ۔ (سلام کرکے) اگر اجازت ہو تو میں بھی اصلاح دیکھتا رہوں فائدے سے خالی نہ ہوگا۔

اُستاد ۔ ضرور (یہ کہہ کے پُرانے شاگرد سے کہا شعر پڑھیے (گیارہ اشعار کی غزل تھی چار شعر سُنا چکے تھے پانچواں شعر پڑھا۔ مگر اتفاق سے مطلع درمیانِ غزل میں لکھ لیا تھا)۔

قدیم شاگرد ۔ حضور، ایک مطلع اور ہے جو بیچ میں لکھ لیا تھا سُناتا ہوں۔ **مطلع**

غنیمت تھی ہستی مرے دل جگر کی (۱) نہ میں نے نظر کی نہ تم نے نظر کی

اُستاد ۔ (قدرے سکوت کے بعد) مطلع صاف ہے، غنیمت ہے۔ اب کلام پر اصلاح کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ اور پڑھیے۔

قدیم شاگرد ۔ سب حضور کے قدموں کی برکت ہے۔ سلام کرکے ؎

شب ہجر سوکے قیامت کو اُٹھا (۲) مجھے ناز ہے کہ میں نے سحر کی

اُستاد۔ اچھا ہے اور بہت اچھا ہے۔ واہ۔
قدیم شاگرد۔ میں اس قابل نہیں سرکار کا فیض ہے۔ آداب بجالاتا ہوں۔
مرا زخمِ دل حد سے اتنا بڑھا ہے (۳) نظر کام کرتی نہیں چارہ گر کی
اُستاد۔ خیر پُرانا خیال ہے۔ اور پڑھیے۔
قدیم شاگرد۔ ؎
کھنچا روح بن کے مرے دل سے پیکاں (۴) یہ تدبیر اُلٹی ہوئی چارہ گر کی
اُستاد۔ نازک خیال ہے۔ اور پڑھیے۔
قدیم شاگرد۔ (سلام کرکے) جناب کا تصدق ہے۔
خلوصِ محبت یہ کہتا ہے بڑھ کے (۵) کوئی حد معین نہیں ہے اثر کی
اُستاد۔ اب آپ کچھ غنیمت کہنے لگے۔ بہ نسبت گزشتہ زمانے کے اب بہتر کہہ لیتے ہیں۔
قدیم شاگرد۔ تسلیم کرکے۔
اثر دیکھتے ہو وفاؤں کا میری (۶) وہ حالت نہیں اب تمھاری نظر کی
اُستاد۔ اچھا کہا ہے، بہت صاف ہے۔ اور پڑھیے۔
قدیم شاگرد۔ سب حضور کی مرحمت کا اثر ہے۔
ہمیشہ رہیں حق پہ حسرت نگاہیں (۷) مصیبت میں ہم نے خدا پر نظر کی
اُستاد۔ (دونوں شاگردوں سے) اب کمرے میں چلیے۔
قدیم شاگرد۔ (سلام کرکے) مجھے کچھ کارِ ضروری درپیش ہیں اگر اجازت ہو تو مرخص ہولوں۔
اُستاد۔ ہاں، آپ جائیے۔ واقعاً آپ کثیرالاشغال ہیں۔
قدیم شاگرد۔ پھر سلام کرتے ہوئے، خدا حافظ کہہ کے رخصت ہو گئے۔
اُستاد۔ خدا حافظ کہہ کے مولانا کو ساتھ لے کے کمرے میں چلے آئے۔ فروکش ہوتے ہوئے مولانا سے پوچھا۔ "کہیے اور کتنے شعر کہے؟"

مولانا۔ صرف بارہ شعر کہہ سکا۔ معافی چاہتا ہوں (یہ کہہ کے جیب سے خوشخط غزل نکال کے سادگی کے ساتھ سنانے لگے

اصلاح نمبر ۸

غزل مولانا

مطلع

واعظ کا وعظ سنتے ہی مدہوش ہوگئے (۱) فصلِ بہار آتے ہی مے نوش ہوگئے

اُستاد۔ لفظ وعظ مؤنث ہے۔ آپ نے مذکر نظم کیا۔ وعظ کہی گئی، موعظہ کہا گیا یہی اہلِ زبان کا استعمال ہے۔ آج کل کے غیر معتبر حضرات وعظ کو مذکر بولتے ہیں۔ مصرع اول صحیح نہیں ہے۔ مصرع سست ہوا جاتا ہے مگر یوں بدل دیجیے۔

واعظ کے موعظے بھی فراموش ہوگئے　　فصلِ بہار آتے ہی مے نوش ہوگئے

مولانا نے مصرع لکھ لیا مطلع مکمل ہوگیا۔

اے گردشِ زمانہ کروں شکوہ کب تلک (۲) جو یاد تھے سبق سو فراموش ہوگئے

اُستاد۔ تلک کا لفظ آج سے پچاس سال قبل تک فصیح تھا اب متروک ہے بلکہ غیر فصیح ہے۔ ڈیڑھ سو سال قبل کا میر تقی میر کا شعر ہے ـــ

طاقت ہو جس کے دل میں وہ دو چار دن رہے　　ہم ناتوانِ عشق تمہارے کہاں تلک

میر نے پھر کہا ہے اور "تلک" کا لفظ استعمال کیا ہے۔

ہم صحبتی یار کو ہے اعتبار شرط　　اپنی پہونچ تو میر نہیں پاسباں تلک

اور اساتذہ لکھنؤ نے بھی اس لفظ استعمال کیا ہے لیکن حضرت ناسخ پر خدا رحمت نازل فرمائے۔ کیا زبان کو صاف کیا ہے۔ ان کے عہد سے (تلک) بالکل متروک ہے یہی (تلک) متروکات حضرت عشق رح سے ہے جو مایۂ ناز مرثیہ گو تھے اور حضرت انیس و دبیر رحمہا کے ہمعصر و ہمپایہ تھے۔

پھر (سُو) کا لفظ یہ بھی متروک ہے متقدمین نے بہت استعمال کیا ہے۔ چنانچہ میر تقی میر کا شعر ہے ؎

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی چاہتے ہیں سُو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا

حضرت تعشق مرحوم کے مرثیے کا ایک چھوٹا مصرع جو فنا ردنیا کے محل پر کہا ہے یاد آگیا۔ ع

تھیں سرمگیں سُو خاک ان آنکھوں میں بھر گئی

میر تقی میر ؎

دل جو ڈھونڈو سُو گیا کس کے کنے خون ہو کر بہہ گیا مدت ہوئی

یہ لفظ بھی متروکات حضرت عشق رہ سے ہے۔ آپ کہیں گے کہ حضرت عشق کا ذکر متروکات میں ضرور آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہی ایک اُستاد مرثیہ گو لکھنؤ میں ایسے گزرے ہیں جو اپنی احتیاط کی حیثیت سے دنیا ر لکھنؤ میں منفرد تھے۔ کلام بھر میں کہیں بازاری لفظ، بازاری محاورہ نہ ملے گا۔ اُن کی ذات قابلِ تقلید ہے۔ ایسے لوگ کہاں پیدا ہوتے ہیں۔ بعد حضرت ناسخ تحقیق میں حضرت عشق ہی کی ذات تھی جس کا جواب نہ تھا۔ دنیا نے مرحوم کو پہچانا نہیں۔ نہ اُنھوں نے پہچنوانے کی کوشش کی حتیٰ کہ باہر رؤسا کے یہاں مرثیہ پڑھنے نہ گئے۔ نہ پڑھوائی لی بلکہ مرحوم کا قول تھا کہ عشق حسینؑ کے آنسو نہیں بیچتا۔ حضرت عشق مرحوم کی رباعی ہے

گو مرثیہ خوانی نہیں پیشہ میرا لیکن ہے یہی شغل ہمیشہ میرا

ہاں کس نے کہا مرثیہ ان قیدوں سے پایا نہ کسی شیر نے بیشہ میرا

ایک رئیس کے یہاں سالانہ مجلس پڑھتے تھے لوگوں نے مشہور کیا کہ رقم لے کے پڑھتے ہیں تو نہایت غصے میں منبر پر اُنھیں رئیس کے یہاں یہ رباعی پڑھی - رباعی

بتلاؤ تو کچھ لے کے کہاں پڑھتے ہیں منت سے جو کہتا ہے وہاں پڑھتے ہیں

دنیا میں نہیں بیچتے اشکِ غم شاہ ہم پڑھتے ہیں للہ جہاں پڑھتے ہیں

بڑی آن بان سے بسر کر گئے، ہمیشہ گنگا جمنی تامدان پر نکلتے تھے کسی رئیس سے کبھی دب کے نہ ملے۔

چند متروکات حضرت عشق رح آپ کو سناتا ہوں، کُل متروکات اس وقت یاد نہیں۔ جتنی چیزیں آپ سے بیان کرتا ہوں مرحوم کے کلام میں اُن کا وجود ہی نہ پائیے گا۔

۱۔ (مجرا۔ مجرائی) کو نظم کرنا اچھا نہیں سمجھتے تھے صرف اس لیے کہ لکھنؤ میں مجرا ناچنے والی عورتوں کے ناچ کو کہتے ہیں۔ مثلاً فلاں عورت نے اچھا مجرا کیا یعنے خوب ناچی گائی۔

۲۔ (تا بگور۔ تا بفلک۔ تا بحشر وغیرہ وغیرہ) ان ترکیبوں سے اپنے کلام کو ہمیشہ پاک رکھا گو مستند شعراء اہلِ ایران فردوسی وغیرہ نے نظم کیا ہے۔ مگر موصوف یہ فرمایا کرتے تھے کہ جو معنے (تا) کے ہیں وہی معنے (با) کے ہیں۔ صرف تکرار کے خیال سے احتیاط فرماتے تھے۔ گو یہ احتیاط بحدِ افراط تھی مگر قابلِ تعریف یہ بات ہے کہ جہاں تا بگور نظم میں آتا ہوگا نظم نہیں فرماتے ہوں گے۔ دشواریوں کی پابندی کا خود التزام فرمایا تھا۔ یہی قابلِ صد تحسین امر ہے۔

۳۔ (بصد جاہ۔ بصد غم۔ بہ آہ و زاری۔ بہ کرّوفر۔ بچشمِ نم) وغیرہم سے ہمیشہ احتیاط کی۔ غالباً وجہ احتیاط یہی ہے کہ کلام اہلِ فرس میں شاید وجود نہ ہو۔

۴۔ (بھاگڑ۔ بھیڑ۔ ہُلڑ۔ لیے ہونا۔ لیے پڑنا۔ بھیڑ بھاڑ۔ کڑیل جوان۔ دُلارا۔ مدھی۔ بھینا۔ بھیا۔ چھاتی۔ دھڑا دھڑ۔ بے کلی۔ ماں جایا۔ ماں جائے) ان تمام مذکورالصدر الفاظ اور ترکیبوں کو مخل فصاحت سمجھتے تھے پورا کلام، پاک ہے کہیں وجود نہ پائیے گا۔

۵۔ (سُو) جیسا کہ میں ذکر کر چکا۔ (تب۔ بن) بغیر کے معنے میں (نے) نہیں کے معنے میں۔ (اوپر) کی جگہ (پہ)۔ (والے) جیسے آم والے، ترکاری والے۔ (کاہیکو) کیوں کے محل پہ۔ مذکورالصدر چیزوں سے ہمیشہ احتیاط فرمائی فرماتے تھے کہ (اوپر) کی جگہ پر کہنا فصیح ہے۔ (کاہیکو) کی جگہ کیوں بولنا چاہیئے۔

۶۔ (تلے) کا لفظ کہیں استعمال نہیں کیا۔ اس کے بجائے (نیچے۔ زیر) بولے۔ (پہ) کی جگہ ہمیشہ (پر) بولے۔ (پہ) کو غیر فصیح سمجھتے تھے۔ (یاں۔ واں) کی جگہ ہمیشہ

(یہاں - وہاں) استعمال کیا - (مرا - مری) کے موقع پر (میرا - میری) فصیح سمجھتے تھے -
(کیجے - لیجے - دیجے) جیسے کسی کا شعر ہے ؎

نہ کیجے آپ مری حسرتوں کی بربادی — نہ دیجے آپ جو پیغام موت اچھا ہے

ہمیشہ (کیجیے - لیجیے - دیجیے) استعمال کیا جس طرح اس شعر میں ہے ؎

لازم ہے عاشقوں کی محبت کا کچھ خیال — بعدِ فنا نہ خاک کو برباد کیجیے

۷- (ہووے) کی جگہ (ہو) - (ہووے گا) کے محل پر (ہوگا) بولتے تھے اور نظم فرماتے تھے - (اِک) کے بجائے ہمیشہ (ایک) - (آنکے) کی جگہ (آکے) - (آکر) کے موقع پر (آکے) استعمال فرماتے تھے -

۸- اخفاءِ نون بغیر ترکیب مخل فصاحت سمجھتے تھے - جیسے - ع

مرا خوں ہوا اور مری جاں گئی

اس کے بجائے اگر مرحوم موصوف نظم فرماتے تو یوں - ع

ہوا خون میرا گئی جان میری

۹- (اور) کی جگہ کبھی (اُر) نہیں بولے - جیسے شعر ہے ؎

اُن کی شہرت ہوئی زمانے میں — اور میں بدنامِ خلق ہو کے رہا

بلکہ ہمیشہ یوں نظم فرمایا جس طرح کسی کے اس شعر میں نظم ہے ؎

آپ کو کچھ نہیں ہماری فکر — اور ہم اپنی جان دیتے ہیں

۱۰- مرحوم نے ایک مطلع یا بند میں یہ قافیے جو اب بتاتا ہوں کبھی جمع نہیں کیے - (چلا - پھرا - بیٹھا - اٹھا - دیکھا - سُنا - بندھا - کھُلا - دھرا - کہا - گرا - مِلا - گھٹا - بڑھا) - اسی طرح (چلو - پھرو - اُٹھو - بیٹھو - دیکھو - سنو) وغیرہم کے جمع کرنے سے کلام کو محفوظ رکھا -

۱۱- (ہمارا - تمھارا) ایک مطلع میں قافیہ نہیں لاتے تھے - مزید احتیاط یہ تھی کہ جس طرح

اس بیت میں جو پڑھتا ہوں گر پڑے کبھی جائز نہ سمجھیے۔ بیت

باہر سے آہ گھر میں جو تشریف لاتے ہیں کیسی پچھاڑیں حضرت شبیرؑ کھاتے ہیں

مرحوم فرماتے تھے کہ تقطیع کرنے میں (تشریف لات)۔ (شبیرؑ کھات) رہتا ہے۔ میں مکروہ سمجھتا ہوں۔

۱۲۔ یائے نسبت، یائے مصدری، یائے اسم فاعل سب کا گرنا ناجائز سمجھتے تھے اس کی تقریر آپ سے کر چکا ہوں، مزید بتانے کی ضرورت نہیں۔

آمدم برسرِ مطلب تُو کا لفظ آپ کبھی نہ استعمال کیجیے گا۔ اس آخری دور میں مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی نے ایک محل پہ یہ لفظ صرف کیا مگر حاشیہ دیوان پر لکھ دیا کہ گویہ لفظ نہیں بولا جاتا مگر میں نے صرف اس لیے نظم کر دیا کہ میرے شعر میں دوسرا لفظ اس محل پر آ ہی نہ سکتا تھا گویا مجبوری کا اظہار کیا ہے۔ مرحوم بڑے محقق تھے۔

اِس شعر کو یوں بدل دیجیے تو زیادہ مناسب ہے ؎

اے گردشِ زمانہ شکایت کروں میں کیا جو یاد تھے سبق وہ فراموش ہو گئے

مولانا۔ بہت خوب۔ ان باتوں کا خیال رکھوں گا۔

دنیا تو سُن رہی تھی بڑے ذوق و شوق سے (۳) افسانہ کہتے کہتے ہی خاموش ہو گئے

اُستاد۔ مولانا ثاقب کے شعر کا بالکل ترجمہ وہ بھی ناکمل۔ اسی کو سرقہ کہتے ہیں۔ مولانا مدظلہ کا شعر ہے ؎

زمانہ بڑے شوق سے سُن رہا تھا ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

مولانا۔ سرقہ ممدوح بھی تو ہوتا ہے۔

اُستاد۔ میں سرقہ کے متعلق مختصر تقریر کرتا ہوں، غور سے سُنیے گا۔ سرقہ کی شعر میں دو قسمیں ہیں۔ ظاہر و غیر ظاہر۔

قسم اوّل۔ ظاہر سرقہ کی یہ ہے کہ دوسرے کے شعر کو بغیر کسی تغیر کے لفظاً و معناً

اپنا کرلیں اسے عرفِ شعرائے عرب میں نسخ و انتحال کہتے ہیں یہ سرقہ انتہائی مذموم و معیوب کہلاتا ہے۔
قسم دوم ظاہر سرقہ کی یہ ہے کہ معنے کو تمام الفاظ کے ساتھ یا بعض الفاظ کے ساتھ اخذ کریں اور ترتیب نظم کو تغیر دیں اس قسم کو غارہ اور مسخ کہتے ہیں اس صورت میں اگر شعر ماخوذ ماخوذ منہ سے بلیغ ہو تو مقبول و ممدوح کہلائے گا۔
قسم سوم ظاہر سرقہ کی یہ ہے کہ کل معنے شعر اخذ کریں اور دوسرے الفاظ کا جامہ پنا دیں اس صورت میں اگر دوسرا شعر پہلے سے بلیغ ہے تو مقبول ممدوح اور اگر دونوں بلاغت میں برابر ہیں تو ترجیح پہلے کو ہے اور اگر دوسرا شعر پست ہے تو مذموم و معیوب کہلانے کا مستحق ہے۔ اب آپ کا شعر کسی طرح جناب ثاقب کے شعر سے بلیغ نہیں مقصد و مطلب شعر بالکل وہی مگر الفاظ جناب ثاقب کے شعر سے زائد عنوان ادا خراب۔ شعر میں یہ ظاہر نہیں کہ افسانہ کہتے کہتے کون صاحب خاموش ہو گئے۔ کوئی داستان گو صاحب تھے یا جناب شاعر صاحب۔ بہر طور شعر کاٹ دیجیے۔ اور پڑھیے۔

مولانا۔ ؎

نالوں نے شامِ غم کے کیا اس قدر اثر (۴) جتنوں نے سُن لیا وہ گراں گوش ہو گئے

اُستاد۔ اس شعر میں کوئی خاص بات نہیں۔ آپ کے کہنے کا شعر نہیں۔ مرتبہ سے گرا ہوا ہے۔ نکال ڈالیے۔ اور پڑھیے۔

مولانا۔ ؎

دریائے خون بہہ گیا کوچے میں یار کے (۵) ہم ذبح جب ہوئے تو سبکدوش ہو گئے

اُستاد۔ آپ کے شعر میں اعلان نون ہے۔ خون کے نون کا اعلان ہو گیا۔ جو ناجائز کیونکہ اضافت موجود ہے اگر اضافت نہ ہوتی تو اختیار تھا چاہے اخفا ہوتا یا اعلان۔
مولانا۔ کوئی ترکیب ہو عام اس سے کہ توصیفی ہو یا اضافی وغیرہ نون کا اعلان ناجائز ہے؟
اُستاد۔ جو نون (واؤ۔ الف۔ یا) کے بعد آئے۔ جیسے خون کا واؤ۔ زمین کی یا۔ آسمان کا الف۔

ان سب کا اعلان مع الاضافت محققین کے نزدیک صحیح نہیں - ایک بات اور کہہ دوں متقدمین نے بے سبب، بے دلیل ان عیوب کو جائز قرار دے رکھا تھا چنانچہ خدائے سخن میر تقی میر نے سیکڑوں مقام پر اعلان نون کیا ہے - مثال

مارا کسی لباس میں عریانی نے مجھے جس سے تہ زمین بھی میں بے کفن گیا

آج آوارہ ہوائے بال اسیرانِ قفس بے گل و باغ و خیابان نہ ہووین گے کل

آج کل جو حضرات محتاط ہیں اعلان نون صحیح نہیں سمجھتے - مثلاً مرزا محمد ہادی صاحب عزیز وغیرہ - کہیں کلام میں اعلان نون نہ ملے گا مجھ سے خود تبادلہ خیالات ہو چکا ہے - لیکن بعض حضرات شعرا جو اپنے کو محقق سمجھتے ہیں اور باہر سے آکے لکھنؤ کو سرفراز فرمایا ہے یا لکھنؤ کے ہیں زبان دانی اور اردو کے محقق بنتے ہیں اُن کا خیال یہ ہے کہ جائز ہے -

مولانا - عدم صحت کی دلیل کیا ہے ؟

اُستاد - ہاں، یہ سوال آپ نے کیا - جواب سُنیے - ہم اہل ہند قواعد میں اہل ایران کے مُقلد ہیں جو اُن کی طرز عمل وہی ہماری طرز ہے اور آج تک ایسا ہی ہوتا آیا کہ کل قواعد میں پابندی کرتے آئے - چونکہ اہل ایران یعنے مستند شعرا عجم نے اعلان نون کو ناجائز قرار دیا ہے اور کہیں مستند شعرا کے کلام میں نہیں ملتا اس لیے اہل ہند کو اعلان نہ کرنا چاہیئے -

مولانا - شاید بعض ایرانی کلام میں اعلان نون موجود ہے -

اُستاد - بعض شعرا عجم کے یہاں اعلان ہے لیکن وہ مستند نہیں اور اگر مستند مانیے گا تو غلطی کا اعتراف کرنا ہوگا - یہ ماننا پڑے گا کہ عیب نظم کر گئے - جیسا کہ فردوسی کے پورے شاہنامہ میں صرف تین یا چار جگہ اعلان نون ہے جو قواعد ایرانیین کے قطعاً خلاف ہے لہذا قابلِ تقلید نہیں - مصرع اولیٰ کو یوں بدل دیجیے - ؎

دریا لہو کا بہہ گیا کوچے میں یار کے ہم ذبح جب ہوئے تو سبکدوش ہو گئے

مولانا - مصرع بدل سکے -

توچارہ گرِ علالتِ دل کا نہ کر علاج (۶) سارے طریق تجکو فراموش ہوگئے

اُستاد۔ علالت کا لفظ اُردو ہے۔ آپ نے دل کی طرف اضافت دے دی۔ اُردو، فارسی یا اُردو، عربی کی اضافت صحیح نہیں۔

مولانا۔ علالت مصدر ہے۔ علّت اس کا مادّہ۔ بروزن سخاوت و جلالت یہ تو عربی ہے۔

اُستاد۔ بغیر تحقیق دنیا میں کام نہیں چلتا۔ کتاب دیکھنے اور مطالعے میں وقت صرف کرنے کے بعد یہ پتہ چلتا ہے کہ دنیا میں صحیح کیا، اور غلط کیا ہے۔ عرب کے کسی دیوان کسی کتاب کسی لغت میں بھلا یہ لفظ دکھا تو دیجیے۔ میں آپ سے کہتا ہوں کہ کہیں نہ ملے گا۔

مولانا چونکہ عربی داں تھے اس لیے سخت شرمندہ ہوئے کہ منتہی الارب قاموس وغیرہ کیوں نہ دیکھ لیا۔ دل میں کہنے لگے کہ آیندہ ہر لفظ کی تحقیق کرکے آیا کروں گا۔

اُستاد۔ اہلِ ہند نے لفظ علّت سے علالت بنایا۔ گویا وضع کیا اور معنے وہی قرار دیے جو علّت کے ہیں۔ چونکہ واضع اہل ہند ہیں لہٰذا علالت کے لفظ پر اُردو کا حکم جاری ہوگا۔ کیونکہ لفظ جہاں منقول یا وضع ہوتا ہے وہیں کا کہلاتا ہے۔ یوں بدل دیجیے ؎

اے چارہ گر تو دل کے مرض کا نہ کر علاج سارے طریق تجکو فراموش ہوگئے

شعر بدلنے کے بعد بھی کسی قابل نہیں۔ بھرتی کے الفاظ، مطلب صاف نہیں۔ مگر خیر، رہنے دیجیے۔ اور پڑھیے۔

مولانا۔ (دھیمی آواز سے) بہت مناسب۔

جنگل کو چاک کرکے گریباں چلا گیا گم جب جنوں میں آئے ہوئے ہوش ہوگئے

اُستاد۔ آپ کے شعر میں بہت بڑی تعقید ہے۔ مصرع اولیٰ میں زائد۔ مصرع ثانیہ میں تھوڑی سی تعقید ہے اور آپ نے تو علم معانی کا باقاعدہ مطالعہ کیا ہوگا۔ مطول و مختصر معانی خصوصًا نصاب میں پڑھی ہوگی۔

مولانا۔ میں نے سب کچھ پڑھا ہے۔ مگر چونکہ ان چیزوں کی مزاولت نہیں اسلیے دماغ سے

بحث نکل گئی حضور تقریر فرماویں۔
اُستاد۔ سُنیے۔ مختصر تقریر کیے دیتا ہوں۔ آپ مطالعہ کر لیجیے گا۔ تعقید کے معنے پوشیدہ بات کہنا۔ اور اصطلاح علم معانی میں الفاظ کا مقدم و مؤخر کرنا وزن کی رعایت سے تعقید کی دو قسمیں ہیں۔ معنوی و لفظی۔ معنوی یہ ہے کہ کلام ایسا کہ جس کی دلالت اپنے معنے مقصود پر غیر ظاہر ہو۔ بسبب عدم انتقال ذہن معنے لغوی سے معنے مقصود متکلم کی طرف کیونکہ لوازم بعیدہ وسائط کثیرہ کے ساتھ قرینہ کا انتفا رہے۔ لفظی وہ ہے کہ ایسا کلام کہ جو ظاہر معنے مقصود پر دلالت نہ کرے بسبب تقدیم و تاخیر الفاظ یا دیگر۔ محذوفات وغیرہ کی وجہ سے کہ جو موجب دشواری فہم معنے ہو۔
یہ چیز بھی قابلِ ذکر ہے کہ یہ دونوں عیب از قسم معائب فصاحت و بلاغت ہیں۔ بعض فصحا و بلغا کا یہ خیال ہے کہ تعقید لفظی تو عیب میں داخل ہے اور معنوی تعقید ہنر ہے۔
مثال تعقید لفظی۔

چوں برائی میکنم افغان و زاری دیں درم

اب واضح ہو گیا کہ آپ کے مصرع اولیٰ میں تعقید لفظی صریح موجود ہے۔ آپ کا مصرع یہ ہے کہ

جنگل کو چاک کر کے گریباں چلا گیا

مقصود آپ کا یہ ہے کہ گریباں چاک کر کے دیوانہ جنگل کو چلا گیا۔ ظاہر مصرع یہ بتاتا ہے کہ گریبان جنگل کو چاک کر کے چلا گیا اور یہ ناممکن کہ کپڑے کا گریبان جنگل کو چاک کر ڈالے۔
اسی کو تعقید لفظی کہتے ہیں۔ یہ مصرع یوں ہونا چاہیئے تھا

گریباں چاک کر کے جانب جنگل گیا وحشی

بحر بدل گئی۔ تو معلوم ہوا کہ بحر کا لحاظ رکھتے ہوئے آپ نے تقدیم و تاخیر الفاظ کا خیال نہیں کیا جیسا کہ تعریف تعقید میں ہے۔ اور یہ کسی طرح صحیح نہیں۔ ایسا مضمون نظم نہ کیجیے جو پابندی بحر نہ کر سکے۔ رہا دوسرا مصرع

گم جب جنوں میں آسے ہوئے ہوش ہو گئے

اس کو یوں بدل دیجیے

جب گم جنوں میں آئے ہوئے ہوش ہو گئے

جب کے لفظ کو مقدم کر دینے سے مصرع صاف ہو گیا

مولانا - ایک آدھ سال کہنے کے بعد یہ چیزیں سمجھ میں آئیں گی صرف پڑھ لینے سے انسان محفوظ نہیں رہ سکتا - جیسا کہ پڑھے لکھے حضرات کا خیال ہوتا ہے کہ تحصیلِ علم کے بعد شاعری بھی آجاتی ہے - شاعری مشق کا کام ہے -

اُستاد - میرے خیال میں شعر نکال ڈالیے تو بہتر ہے - اور پڑھیے -

مولانا - بہت خوب - یہ کہہ کے شعر کو کاٹ دیا -

صحرائے عشق میں ہے جنوں ریزیوں کا زور (۸) فصلِ بہار آتے ہی مدہوش ہو گئے

اُستاد - جنوں ریزیاں، یہ کون سی ترکیب ہے؟ بالکل غریب ترکیب ہے - آج کل کے شعراء نے یہ اختیار کیا ہے کہ پابندیِ اہلِ عجم تو ترک کر دی - اب جو کچھ سمجھ میں آتا ہے نظم کر جاتے ہیں - جو ترکیب گڑھتے ہیں صرف کر دیتے ہیں - درآں حالیکہ اصول کا مقتضیٰ یہ ہے کہ زبانِ غیر میں تصرف کا کوئی حق حاصل نہ ہو -

فارسی ترکیبوں میں اہلِ ایران کی تقلید ضروری ہوگی - شعر کاٹ دیجیے - اور پڑھیے -

مولانا - ؎

ہم نے تو ایک جام پیا تھا بفرطِ شوق (۹) زاہد سمجھ رہا ہے بلا نوش ہو گئے

اُستاد - شعر غنیمت ہے - اچھا ہے - مگر ایک بات قابلِ دریافت ہے کہ (بلا نوش) سے آپ کی کیا مراد ہے - اور کیا معنے مُراد لیے ہیں؟

مولانا - بلا نوش کے معنے بہت زیادہ پینے والا -

اُستاد - کیا لغت میں بلا نوش کے معنے یہی ہیں جو آپ نے بتائے؟

مولانا - غالباً ہوں گے - کیونکہ اُردو شعرا مستند کے کلام میں بلا نوش کی ترکیب بہت زیادہ

پائی جاتی ہے۔

اُستاد۔ (الماری کی طرف دیکھتے ہوئے) بہارِ عجم کی جلد اول اُٹھا لیجیے۔

مولانا بہت خوب کہہ کے الماری سے بہارِ عجم کی جلد نکال کے خود دیکھنے لگے۔ اُستاد خاموش بیٹھے رہے۔

مولانا۔ (تھوڑی دیر کے بعد) جی نہیں ملا۔

اُستاد۔ اگر لغت میں موجود نہیں تو استعمال صحیح نہیں اس لیے کہ فارسی ترکیب ہے اور فارسی لغات اور کلام میں کہیں پتہ نہیں۔ اگر مل جائے تو صحیح۔ نہ ملے تو غلط۔ اس کی تحقیق آیندہ کر کے آئیے گا اور میں بھی تحقیق کروں گا۔ شعر رہنے دیجیے۔ اور پڑھیے۔

مولانا۔ بہت خوب۔

اے شوقِ دید پیکرِ ہجراں نصیب ہوں (۱۰) جلوے چمک رہے تھے کہ روپوش ہوگئے

اُستاد۔ شعر غنیمت ہے لیکن مطلب واضح نہ ہوسکا۔ یہ نہ ظاہر ہوا کہ کون روپوش ہوگئے۔ دوسرے جلوے چمکنا غریب ترکیب ہے۔ شاید ہی کسی نے استعمال کی ہو۔ اس مصرع کو یوں بدل دیجیے تو شعر بے عیب ہوجائے۔ اور پڑھیے ؎

اے شوقِ دید پیکرِ ہجراں نصیب ہوں جلوہ مجھے دکھا کے وہ روپوش ہوگئے

مولانا۔ بہت مناسب۔ مصرع بدل کے لکھ لیا۔

صیّاد طولِ قیدِ فراواں کی حد نہ پوچھ کیفِ بہار و عیش فراموش ہوگئے

اُستاد۔ اس شعر میں آپ بہت بڑا دھوکا کھا گئے جس کی آپ سے امید نہ تھی۔ طولِ قید کے بعد فراواں کا لفظ لانے سے کیا مطلب۔ جو طولِ قید وہی قیدِ فراواں۔

مولانا۔ (تاویل کرنا چاہتے تھے کہ مطلب سمجھ گئے۔ سر جھکا کے) بندہ پرور درست ہے کس قدر فاش غلطی ہوئی۔

اُستاد۔ بُرا نہ مانیے گا۔ میرا مقولہ، بلکہ میرا کیوں اُستادوں کا مقولہ ہے کہ شاعر کے لیے ہمیشہ ایک سنبھالنے والے کی ضرورت ہے۔ ابھی آپ کی مشق نہیں ہے ورنہ کہتا کہ مصرع بدلیے

خیر آیندہ ایسا ہی ہوگا۔ مصرع بدل دیا ؎

صیاد طولِ قید کی ہے مختصر یہ حد کیفِ بہار و عیش فراموش ہوگئے

مقطع

مولانا۔ مقطع عرض کیا ہے۔

کیوں اے شعارؔ اُس نے جو اُلٹی نقابِ رخ (۱۲) لائے نہ تاب دیکھ کے بے ہوش ہوگئے

اُستاد۔ مقطع بالکل ٹھیک کہا ہے۔ رہنے دیجیے۔

مولانا بہ ادب تسلیم کر کے، غزل جیب میں رکھ کے، اجازت لے کے رخصت ہوئے۔

دلچسپ معلومات نمبر ۸

(وہی بزرگ جو کل تحقیقِ الفاظ کر گئے تھے حسبِ وعدہ تشریف لے آئے اور بعد آدابِ تسلیمات استاد سے سوال کیا)

بزرگ۔ پہلا سوال یہ ہے کہ (خلاصی) کا لفظ صحیح ہے یا غلط؟

اُستاد۔ لفظ غلط ہے۔ اس واسطے کہ بدونِ (یا) خود مصدر ہے۔ جو کچھ عرض کیا یہ (تالیفاتِ نور اللہ اور خان آرزو سے لیکن بعض محققین کا خیال یہ ہے کہ چونکہ تصرف فارسیان موجود ہے اس لیے جوازِ تصرف میں کلام نہیں۔ فیصلہ اہلِ نظر کے سپرد ہے۔

بزرگ۔ یہ بالکل درست ہے۔ جو جس کی تحقیق ہو ویسا عمل کرے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ (بشارت) کی (با) کو صحیح اعراب کیا ہے؟ اپنی تحقیق بھی ارشاد ہو۔

اُستاد۔ (بشارت) کی (با) زیر اور پیش کے ساتھ صحیح ہے یعنے (بُشارت) اور (بِشارت) لیکن (بَشارت) زبر کے ساتھ جیسا کہ عوام بولتے ہیں بلکہ یوں کہوں کہ خواص بھی بولتے ہیں، مع الترکیب قطعاً غلط ہے بغیر ترکیب صحیح ہے۔ چونکہ حرکت بدل جانے سے لفظ اردو ہوگیا۔

بزرگ۔ بہت وضاحت سے جناب نے حل فرمایا۔ تیسرا سوال یہ ہے کہ (اخبارات) کہنا کہاں تک درست ہے؟

اُستاد ۔ اخبار ۔ خبر کی جمع ہے اور عربی زبان کا لغت ہے جس کے معنے بہت سی خبریں اب اخبارات کہنا الف و تا کے ساتھ یعنے جمع کی جمع بنانا خلاف قاعدہ ہے ۔ بلکہ غلط ہے اخبارات کی جگہ پر صرف اخبار کہنا چاہیئے ۔ ہاں اخبار اور اخبارات بمعنی جریدہ اُردو ہے ۔

بزرگ ۔ میں سمجھ گیا ۔ چوتھا سوال بھی اعراب کے متعلق ہے وہ یہ کہ لفظ (بقراط) بے کو پیش ہے یا زبر ؟

اُستاد ۔ لفظ حقیقتاً (بَقراط) زبر کے ساتھ ہے ۔ یونان کے مشہور حکیم کا نام ہے لیکن پیش کے ساتھ جیسا کہ عموماً لوگ بولتے ہیں غلط ہے ۔ اُردو ہونے کی حیثیت سے تنہا یعنے بغیر ترکیب بولا جاسکتا ہے ۔

بزرگ ۔ واقعاً آپ کے محقق ہونے میں کلام نہیں ۔ پانچواں سوال عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ لوگ (بکارت) (با) کو زبر دے کے بولتے ہیں صحیح ہے ؟

اُستاد ۔ زیر کے ساتھ صحیح ہے ۔ اس کے معنے دوشیزگی ۔ مزیل الاغلاط و صراح و کشف و منتخب میں بالفتح ہے ۔ لیکن زیر کے ساتھ جیسا کہ عوام یا بعض خواص بولتے ہیں غلط ہے ۔ مع الترکیب بالکل غلط ۔ بغیر ترکیب خیر ۔

بزرگ ۔ خوب تقریر فرمائی ، خوب حوالے دیے ۔ ماشاء اللہ ۔ چھٹا سوال بھی ملاحظہ ہو وہ یہ کہ لوگ (اَدبار) بولتے ہیں ۔ صحیح ہے ؟

اُستاد ۔ (اِدبار) الف کو زیر کے ساتھ صحیح ہے جس کے معنے منتخب اللغات میں دولت سے پیٹھ دکھانے کے ہیں لیکن (اَدبار) زبر کے ساتھ جیسا کہ عوام و خواص اکثر استعمال کرتے ہیں اور مفلس ہوجانے کے معنے میں بولتے ہیں قطعاً غلط ہے ۔ اُردو فرض کرتے ہوئے بالفتح چنداں قباحت نہیں لیکن مع الترکیب استعمال کرنے میں کلام کیا بلکہ غلط ہے کیونکہ حرکت بدل جانے کے بعد لفظ اپنی زبان کا یعنے جہاں کا ہے نہیں رہتا کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جس زبان والے دوسری زبان کے لفظ کو حرکت بدل کے بولتے ہیں لفظ اُنھیں کی زبان کا

مانا جاتا ہے۔ جیسا کہ ادبار کی لفظ مثال میں خود موجود ہے۔

بزرگ۔ مطلب سمجھ گیا۔ جناب (لفظ) کو مؤنث بولے۔ میں سمجھتا تھا مذکر ہے۔

اُستاد۔ زبان اُردو میں (لفظ) کو مؤنث بھی بولتے ہیں اور مذکر بھی بولتے ہیں۔ میں نے اُردو زبان کی قید لگائی۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ عربی زبان میں بھی دونوں طرح بولا جاتا ہے کبھی اس کی طرف ضمیر مؤنث پھیرتے ہیں کبھی ضمیر مذکر پھیرتے ہیں جیسا کہ (مغنی) عربی زبان کے قواعد کی ایک کتاب ہے اس میں صاحب مغنی نے (لفظ) کی تعریف میں اسی سبب سے (کالخنثا) کہا ہے یعنے لفظ مثل خنثا کے ہے۔ عورت بھی ہے مرد بھی ہے۔ میرے نزدیک اُردو زبان میں دونوں طرح بولنا صحیح۔

بزرگ۔ معاف فرمائیے گا اعتراض مقصود نہیں۔ ساتواں سوال یہ کہ (جُغہ) صحیح ہے یا غلط؟

اُستاد۔ (جُغہ) غلط ہے اس کے بجائے (جیغہ) بولنا چاہیے بالخصوص جب عطف و اضافت کے ساتھ ہو۔ تنہا جُغہ بولا جا سکتا ہے۔ اُس قاعدے سے جو برابر عرض کرتا آتا ہوں یعنے اُردو سمجھتے ہوئے۔

بزرگ۔ آٹھواں سوال میرے نزدیک ذرا پیچیدگی رکھتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ (کلغّی) بتشدید کاف فارسی صحیح ہے؟

اُستاد۔ عوام میں تو (کلغّی) بہ تشدید کاف فارسی ضرور مشہور ہے لیکن غلط ہے جیسا کہ اس شعر میں نظم ہے ؎

ترا تاج پر نور مہتاب ہے ۔۔۔ جیغہ بھی کلغّی بھی نایاب ہے

لیکن بسکون لام نظم کرنے میں قباحت نہیں مقتضاء احتیاط یہ ہے کہ کلغّی کا لفظ بغیر ترکیب فارسی ہو یعنے مضاف و مضاف الیہ وغیرہ نہ ہو اگر (کلغی تحفہ) یا (رونق کلغی) بضرورت فارسی نظم کیا جائے تو کلغی بہ تشدید لام نظم کرنا بہتر معلوم ہوتا ہے جیسا کہ اس شعر میں ہے ؎

سر کاکل حور از بدر گی ۔۔۔ سر سخت خوردنست از کلغّی

غالباً مطلب تو واضح ہو گیا ہوگا ۔
بزرگ ۔ بالکل ۔ اس سے زیادہ یا بہتر کون بیان کر سکتا ہے ۔ نواں سوال یہ ہے کہ (منحصر) (سر) اور (در) کا قافیہ ہو سکتا ہے ؟
اُستاد ۔ نہیں ہو سکتا ۔ صحیح لفظ (منحصِر) ہے یعنے (صاد) کو زیر ہے ۔ اس لیے کہ منحصر عربی لغت ہے اسم فاعل ہے باب افعال سے آیا ہے ۔ اور باب افعال لازم ہے ۔ چونکہ لازم باب سے ہے اس لیے مفعول ہونے کی صورت سے استعمال کرنا صحیح نہیں اگر متعدی باب سے ہوتا تو قافیہ (سر) اور (در) ہو سکتا تھا ۔ لہذا ہمیشہ منحصر بکسر صاد نظم کرنا چاہیے بلکہ نثراً بھی اسی طرح استعمال کرنا چاہیے ۔
بزرگ ۔ واہ واہ ۔ خوب بیان فرمایا ۔ دسواں سوال بھی حل فرما دیجیے ۔ لوگ بکثرت (عزیز دار) بولتے ہیں کیا صحیح ہے ۔
اُستاد ۔ (دار) زائد ہے کیونکہ عزیز خود اسم فاعل ہے جس کے معنے قرابت رکھنے والا اب (دار) جو خود علامت فاعلیت ہے اضافہ کرنے سے کیا حاصل تعلیم یافتہ لوگوں کو احتیاط لازم ۔
بزرگ ۔ اب جناب کی زحمت ختم کرنا چاہتا ہوں گیارھواں سوال عرض کرتا ہوں حل فرما دیجیے وہ یہ کہ جس علم کے حاصل کرنے سے تقطیع کر سکتا ہے ۔ اسے (عروض) عین کو پیش دے کے صحیح ہے یا زبر دے کے صحیح ہے ۔
اُستاد ۔ لفظ (عُرُوض) بضمتین یعنے (عین) اور (رے) کو پیش اس کے معنے ظاہر ہونے اور عارض ہونے کے ہیں اور (عین) کو زبر (رے) کو پیش کی صورت میں نام ایک علم کا ہے جس کے سبب سے بحور وغیرہ پر عبور ہو جاتا ہے ۔
بزرگ ۔ میں ہمیشہ (عین) کو پیش دے کے بولتا تھا اب زبر دے کے بولا کروں گا ۔ کیونکہ آپ کے ایسے محقق نے تصحیح کی ہے ۔

استاد۔ میں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا ہے۔ لغات میں اسی طرح تحریر ہے میں ہمیشہ محقق بات کہتا ہوں۔

بزرگ۔ یہ واقعہ ہے۔

استاد۔ آپ یہ کیا بولے جب محل پر آپ نے واقعہ کا لفظ صرف کیا۔ بالکل نیا صرف ہے۔ جو بے محل ہے۔ آپ کو (واقعتاً ایسا ہے) یا (واقعی ایسا ہے) کہنا چاہیئے تھا۔ اب یہ عجیب طریقہ نکلا ہے کہ بات سننے کے بعد لوگ کہتے ہیں "یہ واقعہ ہے"۔ آپ فرمائیے کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔

بزرگ۔ بیشک میں بے محل بولا۔ جناب نے خوب توجہ دلائی ورنہ ہمیشہ یونہی بولتا۔ سب ایک بارھواں سوال اور حل فرما دیجیے میں مرخص ہوں۔ وہ یہ کہ (بحل) حائے حطی سے لکھنا صحیح ہے؟

استاد۔ اصولاً تو غلط ہونا چاہیے اس لیے کہ (بحل) فارسی زبان کا لفظ ہے اس کا مصدر (ہلیدن) ہے جس کے معنے "چھوڑنا" ہیں اس سے امر بنا (ہل) (با) حسب قاعدہ اضافہ کر کے (بہل) بولنے لگے۔ خدا معلوم ہائے ہوز کو حطی کیوں لکھنے لگے اور کیوں جائز قرار دے لیا۔ آج تک یہ مسئلہ میری سمجھ میں نہ آیا۔ بہرطور اب اگر ہائے حطی سے لکھیے تو قباحت نہیں کیونکہ رسم الخط یہی ہے۔ پابندی ضروری ہے۔

بزرگ۔ بہت خوب۔ میں نے بہت زحمت دی، معافی کا خواستگار ہوں۔ زندہ رہا تو پھر کبھی حاضر ہوں گا۔

استاد۔ کوئی زحمت نہیں ہوئی بلکہ دل خوش ہوا آپ ضرور تشریف لایا کیجیے۔

بزرگ۔ بہت مناسب۔ اب اجازت چاہتا ہوں، بہت جلد پھر حاضر ہوں گا۔

استاد نے خدا حافظ کہتے ہوئے کھڑے ہو کے رخصت کیا اور زنان خانے میں تشریف لے گئے۔ دن اور ایک رات گزارنے کے بعد صبح کو بارہ بجے کسی دوست کے یہاں تشریف لے گئے

جمعہ کو واپسی ہوئی - دن بھر احباب سے ملتے رہے رات کو خستگی کی وجہ سے سویرے سے آرام کیا - صبح کو بیدار ہوئے اور بعد فراغت نماز و تعقیبات کرسے ہیں فروکش ہوئے کہ یکایک نواب صاحب نئی غزل لے کے آپہونچے اور سلام کرکے سامنے بیٹھ گئے -

اُستاد - کہیے غزل کہی - پڑھیے -

نواب - جی عرض کی ہے - (جیب سے غزل نکال کے مطلع پڑھا) -

اصلاح نمبر ۹

غزل نواب — مطلع

بعد اک مدت کے اُس گل کی زیارت ہوگئی　　اور رقیبوں نے وہ باتیں کیں عداوت ہوگئی

اُستاد - میرا ضمیر اس کو گوارا نہیں کرتا کہ آپ کے ہر شعر پر اصلاح دوں - مگر فرض منصبی مجبور کرتا ہے کہ عیوب شعر سے آگاہ کردوں - میں اُن لوگوں میں نہیں جو تلامذہ سے رموز و نکات شاعری چھپاتے ہیں تا کہ شاگرد کبھی دعویٰ ہمسری نہ کرسکے بلکہ میرا دل یہ چاہتا ہے کہ گھول کے پلا دوں

نواب - حضور ضرور اصلاح فرمائیں اور اگر مناسب ہو تو مطلع کاٹ دیں مجھے کوئی ملال نہ ہوگا - میں بھی اُن لوگوں میں نہیں جو اپنے شعر کو الہام ربانی کہتے ہیں - میں صرف اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ کسی قابل ہو جاؤں - حضور فرمائیں -

اُستاد - وہی عیب ہے ایک بار شاید سمجھا بھی چکا ہوں یعنے دو لخت ہونا -

نواب - دو لخت کو ایک بار حضور پھر سمجھا دیں -

اُستاد - چاہیے یہ ہے کہ شعر کے دونوں مصرعوں میں ربط و سلسلہ و تعلق ہو - اور جب یہ اوصاف یعنے ربط و تعلق دونوں مصرعوں میں نہ ہوگا اُسے دو لخت کہیں گے - دو لخت اس لیے کہتے ہیں کہ چونکہ شعر کو ایک خیال کا مجموعہ ہونا چاہیے جو دونوں مصرعوں میں تمام ہو جائے - جب ایک مصرع الگ اور دوسرا مصرع الگ ہوگا تو دو لخت کہلایا جائے گا -

آپ کے مطلع میں پہلے مصرع کا مفہوم یہ ہے کہ بعد عرصہ دراز کے اتفاقیہ معشوق کا دیدار ہوگیا جو حقیقتاً عاشق کے لیے نعمت غیر مترقبہ کہا جاسکتا ہے۔

دوسرے مصرع میں۔ رقیبوں کی دراندازی کی شکایت اور محبوب کی نفرت و عداوت کا شکوہ۔ غور کیجیے کہ باہمی دونوں مصرعوں میں آخر کیا تعلق ہے۔

زیارت ہونے سے اور عداوت ہوجانے سے کیا تعلق؟ ہاں زیارت کی جگہ اگر لفظ محبت ہوتا تو کچھ دست و گریباں ہوجاتا۔ یعنے اگر ایک زمانے کے بعد محبت ہوئی بھی تو دشمنوں کی وجہ سے مبدل بہ عداوت ہوگئی۔ لہٰذا مطلع کو یوں کر دیجیے تو عیب مذکور نکل جائے ؎

جب بُتِ بے پیر سے مجھ سے محبت ہوگئی ان رقیبوں نے وہ باتیں کیں عداوت ہوگئی

نواب ۔ نہایت مناسب۔ بہت خوب۔

اُستاد ۔ خوب یاد آیا۔ ایک عیب قافیے کا مطلع میں موجود ہے جس کا سمجھا دینا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ زیارت اور عداوت یہ دونوں قافیے ہیں ہر دو قوافی میں (تا) ردی ہے۔ ردی اُس کو کہتے ہیں جس پر بنائے قافیہ ہو۔

قاعدہ

الف تاسیس قبل ردی آتا ہے اور ہمیشہ ساکن ہوتا ہے۔ اور الف تاسیس و ردی کے درمیان ایک حرف اور ہوتا ہے جس کو اصطلاح عروضیین میں (دخیل) کہتے ہیں جس کو متحرک ہونا ضروری ہے مثلاً خاور۔ یاور۔ مائل۔ سائل وغیرہ۔ یہ بھی قاعدہ ہے کہ اختلاف دخیل جائز ہے۔ جیسے زیارت۔ عادت میں حقیقتاً دخیل (را) ہے اور عادت میں (دال) اگر حرف تاسیس کی قید کر دی ہے اور مطلع کے دونوں مصرعوں میں موجود ہے تو قاعدتاً غزل کے ہر شعر میں حرف تاسیس کی قید کرنا ضروری ہوگی۔ ورنہ عیب سمجھے جانے کے قابل ہے اور اگر مطلع میں قید نہیں کی ہے جیسے یاور و گوہر وغیرہ تو اختیار ہے کہ غزل میں جتنے شعر ہوں سب میں جو چاہے قافیہ نظم ہو عام اس سے کہ حرف تاسیس والا ہو یا تاسیس والا حرف نہ ہو۔

اب آپ اچھی طرح سمجھ گئے۔ میں نے جو اصلاح دی ہے وہ درست ہے میرے مطلع میں قید تاسیس نہیں ہے۔ پہلے مصرع میں قافیہ محبت دوسرے میں عداوت ہے لہذا صحیح ہے۔

نواب ۔جناب نے بہت صاف مطلب بیان فرمایا جو بالکل ذہن نشین ہوگیا انشاءاللہ تعالیٰ اس کا خیال رکھوں گا۔

قبر پر تم آئے اور میں کروٹیں لینے لگا (۲) رو کش گلزار جنت میری تربت ہوگئی

اُستاد ۔آپ کا شعر نامکمل ہے۔ مصرع نہیں لگا، تعلق باقی نہیں۔ خالی قبر پر آنا اور کروٹیں لینا اور قبر کا گلزارِ جنت ہونا۔ ان میں کوئی ربط نہیں۔ مصرع اول اگر یوں ہو تو شعر مکمل و مستحسن ہو جائے ؎

پھول دو تم نے چڑھائے ہوگیا دل باغ باغ　　رو کش گلزار جنت میری تربت ہوگئی

رعایت لفظی بہت ضروری چیز ہے۔ مثلاً گلزار بنانے کے لیے پھول کا ذکر۔ دل کا باغ باغ ہونا لازمی چیز ہے۔ ان باتوں کا آئندہ لحاظ رکھیے گا۔

نواب ۔ضرور تعمیل ارشاد کروں گا۔

دل اُلجھتا ہے جو خشک ہو جاتے ہیں آنکھوں کے اشک (۳) اس قدر رویا کہ روتے روتے عادت ہوگئی

اُستاد ۔ ارے۔ پھر حرف گرادیا۔

نواب ۔ حضور کس مصرع میں ؟

اُستاد ۔ پہلے مصرع میں یا خشک کا (کاف) گر گیا، یا ہو کی (ہا) بہرطور دو میں سے ایک حرف تقطیع میں ضرور گرے گا۔

نواب ۔ میں نے عروض سیفی خود دیکھنا شروع کی ہے۔ بہت سے مقامات ابھی سمجھ میں بھی نہیں آئے۔ بالخصوص بحروں کا فرق، زحافات سے تغیر بحور وغیرہ یہ دیکھ لیا تھا کہ کس بحر میں میں غزل کہہ رہا ہوں۔

اُستاد۔ اچھا بتائیے کس بحر میں غزل ہے؟

نواب۔ (قدرے سکوت کے بعد) حضور بحر رمل۔

اُستاد۔ مسدس ہے کہ مثمن اور زحاف اس میں کونسا ہے؟

نواب۔ جی، مسدس ہے۔ یہ کہتے ہی، نہیں نہیں مثمن ہے۔

اُستاد۔ مسدس و مثمن کے معنے کیا ہیں؟ زحاف کس کو کہتے ہیں؟

نواب۔ مسدس چھ رُکنی بحر۔ مثمن آٹھ رکنی بحر۔ زحاف کی تعریف و معنی یاد نہیں آتے۔

اُستاد۔ چھ رُکنی، آٹھ رُکنی کی بجائے شش رُکنی و ہشت رُکنی بولا کیجیے۔ سُنیے (زحاف) عروضیین کی اصطلاح میں ارکان بحور میں تغیر واقع ہونے کو کہتے ہیں۔

لغوی معنے زحاف کے یہ ہیں کہ کسی چیز کا اپنی اصل سے دور ہو جانا۔ اور سہم زاحف اُس تیر کو کہتے ہیں جو نشانے سے الگ پڑے۔

زحاف کئی صورتوں سے ہوتا ہے بلکہ تین صورتوں سے ہوتا ہے۔ اول یہ کہ متحرک حرف کو ساکن کردیں۔ دوم یہ کہ بعض حروف رُکنی کم کردیں۔ سوم یہ کہ اصل حروف رُکنی میں کچھ اضافہ کردیں یہ بھی گوش گزار کردوں کہ جتنے تغیرات و زحافات ہیں کہ جو ارکان میں واقع ہوتے ہیں کل پینتیس ۳۵ ہیں اور بعض زحاف بعض بحروں سے مختص ہیں جو دوسری بحروں میں آ ہی نہیں سکتے۔ بعض زحاف صرف چند رکنوں میں آسکتے ہیں۔ اب بتائیے کہ اس میں زحاف کونسا ہے؟

نواب۔ جی، زحاف (قدرے سکوت کے بعد) قصر ہے۔

اُستاد۔ قصر کسے کہتے ہیں؟

نواب۔ یہ یاد نہیں رہا۔

اُستاد۔ قصر، سبب کے ساکن حرف کو آخر رُکن میں گرا دیں اور اُس کے ماقبل کو ساکن کردیں جیسے 'فاعلاتن' سے 'فاعلات'۔ اور یہ کہ جس بحر میں آپ غزل کہہ کے لائے ہیں یہ بحر رمل مثمن محذوف ہے۔ اس میں زحاف حذف ہے۔ حذف کی تعریف یہ ہے کہ سبب خفیف کو آخر رکن سے

گرادیں جیسے 'فاعلاتن' سے 'فاعلا' کریں پھر اس کو 'فاعلن' کردیں۔ اب آپ کو تقطیع کرکے بتاتا ہوں۔

دل اُلجھتا ۔ ہے جو خشکو ۔ جاتے ہیں آں ۔ کھونکے اشک

فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلان

آخری رکن میں فاعلن سے فاعلان اس لیے ہوا کہ زحاف تسبیغ آگیا۔ تسبیغ سبب خفیف کے درمیان ایک الف کی زیادتی کو کہتے ہیں۔

اب آپ سمجھے کہ (ہا) گرگئی۔ (خشک ہو کا (خشکو) رہ گیا۔

نواب ۔ میں سمجھ گیا مگر بغیر کسی سے پڑھے کام نہیں چل سکتا۔ حضور نے فرمایا تھا کہ قاری یعقوب علی خاں صاحب نصرت سے بلوادوں گا ان سے پڑھ لینا۔ اگر مہینہ دو مہینے اُن سے پڑھ لوں تو یہ عیوب نہ آنے پائیں۔

اُستاد ۔ بیشک میں نے کہا تھا۔ میں ابھی ایک رقعہ لکھے دیتا ہوں۔ آپ اُن کو دے دیجیے گا وہ میری تحریر کا بہت خیال فرمائیں گے اور آپ کو پڑھادیں گے۔ یہ کہہ کے سادہ کاغذ اٹھایا اور رقعہ لکھنا شروع کیا:۔

عالی جناب معلی القاب فرزدق دوراں دعبل زماں دام لطفکم

پس از سلام مسنون الاسلام ۔ معروض آنکہ بفضلہ المنان بخیر ہیچمداں۔ باعث تحریر عریضہ ہذا یہ ہے کہ میرے شاگرد رشید نواب سید خورشید حسین صاحب اُمید حامل رقعہ ہذا نہایت خاندانی شخص ہیں۔ شاعری کے شوق نے مجبور کیا کہ مجھ سے سلسلہ تلمذ قائم کریں چنانچہ گو ابتدا ہے مگر برابر غزلیں کہہ کے لاتے ہیں اور اصلاح لیتے ہیں۔ انھیں موزوں، ناموزوں کا امتیاز نہیں۔ لہٰذا جناب کے کرم سے امید ہے کہ عروض سیفی وغیرہ پڑھاکے اس قابل بنادیں گے کہ صحیح تقطیع کرسکیں اور علم عروض وقافیہ سے قدرے واقف ہوجائیں۔ اپنی ناسازی مزاج کی وجہ سے عرصے سے حاضر خدمت نہ ہوسکا۔ اشتیاق دیدار از حد ہے۔ فقط

خیر طلب ہمسفر سراف

صندوقچے سے لفافہ نکالا، خط لفافے میں رکھ کے پتہ لکھ دیا -

بعونہ تعالیٰ

گولہ گنج - متصل مکان جناب میاں عنبر صاحب (شیدی)

بخدمت فیض درجت عرفیٔ دوراں، فردوسیٔ زماں عالیجناب سید قاری یعقوب علیخاں صاحب المتخلص بہ نصرت مدظلہ العالی

مشرف باد

اور نواب صاحب کو یہ کہہ کے دیا کہ آج ہی بل سیجیے گا کل کا دن اچھا ہے پڑھنا شروع کر دیجیے گا -

نواب - (رقعہ جیب میں رکھ کے) بہت خوب -

اُستاد - دوسری چیز یہ کہ آپ نے پھر سرقہ کیا اور سرقہ بھی اتنے بڑے اُستاد کا کہ جسکی خوشگوئی مسلّم

نواب - حضور وہ کون ؟

اُستاد - وہ، خدائے سخن حضرت تعشق رح -

نواب - وہ تو مرثیہ گو گزرے ہیں - میں نے اُن کا ایک مرثیہ بھی دیکھا ہے جس کا مطلع

کھینچ اے قلم مرقعِ صحرائے کربلا

اُستاد - آپ نے مرثیہ کو کیسا پایا - پسند آیا یا نہیں ؟

نواب - حضور، میں کیا اور میری پسند کیا - مرثیہ خوب ہے -

اُستاد - تعشق مرحوم کا جواب نہیں - خدا کی قسم قلم توڑ دیا - اُن کے مراثی جانِ ادب روحِ تخئیل ہیں - مرحوم نے اپنی زندگی زیادہ تر جوارِ سید الشہداء میں گزاری یعنے عراق میں اٹھارہ سال رہے - آج بھی دنیا تسلیم کیے ہوئے ہے کہ خوشگوئی میں یا حضرت انیسؔ گزرے ہیں یا حضرت تعشقؔ رح ان دو کا تو جواب ہو ہی نہ سکا -

نواب - درست ہے - کیا غزل بھی کہتے تھے ؟

اُستاد - غزلیں تو ایسی کہی ہیں کہ دنیا کو ماننا پڑا کہ یا لکھنؤ میں آتشؔ خوشگو گزرے ہیں یا تعشقؔ رح

ان دو کا جواب سرزمین لکھنؤ پیدا نہ کر سکی - ایک مختصر سا دیوان مرحوم کا چھپا ہے آپ نے نہیں دیکھا؟

نواب - جی نہیں، میں نے دیوان نہیں دیکھا - یہ مختصر کیوں چھپا؟

اُستاد - مختصر اس لیے چھپا کہ تعشق مرحوم فرماتے تھے کہ میں دُنیا میں صرف مداحیِ حسینؑ کے لیے آیا ہوں - غزل تفنن طبع کے لیے کہہ لیتا ہوں - مرحوم نے اپنی غزلیں آخر وقت میں خود جلا دیں اور یہ وصیت کی کہ میری غزلیں جن صاحب کے پاس ہوں میرے بعد طبع نہ کرائیں اگر طبع کرائینگے تو حشر میں دامنگیر ہونگا - چنانچہ اُن کی اولاد نے طبع نہیں کرائیں - حضرت عزیزؔ لکھنوی نے غزلیں جمع کر کے چھپوا دیں جو دیوان کی شکل میں ہیں اور چند ہیں جس پر حضرت عزیزؔ دام ظلہ نے ایک تقریظ بھی لکھی ہے جو قابل دید ہے - آپ یہ دیوان ڈھونڈھ کے خرید کیجیے اور از اول تا آخر ضرور دیکھ ڈالیے -

نواب - تعمیل ارشاد کروں گا - حضور وہ شعر کونسا ہے جس سے میرا شعر لڑ گیا؟

اُستاد - ہاں خوب یاد دلایا - وہ شعر جو جناب تعشق کا مایۂ ناز اور زبان زدِ خلائق ہے یہ ہے -

اب اگر تخفیف ہوتی ہے تو گھبراتا ہوں میں — دردِ دل اتنے دنوں سے ہے کہ عادت ہو گئی

نواب - واقعاً حضور نے درست فرمایا، لڑ گیا - کیا خوب شعر ہے - واللہ اس شعر کا جواب نہیں -

اُستاد - اپنا شعر نکال ڈالیے - اور پڑھیے -

نواب - بہت خوب -

سب منازل عشق کی طے ہو گئیں اے قلبِ زار (۴) پھر بھی کوسوں دُور تجھ سے شامِ وصلت ہو گئی

اُستاد - منازل منزل کی جمع ہے اور منزل عربی زبان کا لفظ ہے لہذا (طے ہو گئیں) کے بجائے (طے ہو گئے) ہونا چاہیے -

قاعدہ

جب کسی واحد کی جمع اُردو زبان میں استعمال کریں گے تو ہمیشہ مذکر لیں گے - عام اس سے کہ واحد مذکر ہو یا مؤنث - جیسے منزل، منازل - محفل، محافل - غریب، غرائب -

اگر عربی زبان میں یعنے عربی قاعدے سے کسی جمع کو مؤنث ہی کیوں نہ بولتے ہوں مگر اُردو زبان میں اُسے مذکر ہی بولیں گے ۔

کچھ عربی داں قابل دلائق حضرات نے ۔ جو قریب بہ اجتہاد پہونچے ہوئے ہیں ۔ یہ نیا قاعدہ نکالا ہے کہ جو واحد مؤنث ہوگا اُس کی جمع بھی مؤنث بولیں گے اور لکھیں گے ۔ اور اگر کوئی اعتراض کرے گا تو جواب یہ دیں گے کہ چونکہ عربی زبان میں جمع مؤنث بولی جاتی ہے اس لیے ہم بھی مؤنث بولتے ہیں ۔ یہ خیال غلط ہے اس لیے کہ عربی قواعد یا عربی زبان کا حکم اُردو میں جاری نہیں ہوسکتا ۔ عربی تعلیم یافتہ اکثر وعظ و پند کے محل پر یا مجلس پڑھتے میں بول جاتے ہیں (بہت سی احادیث موجود ہیں) درآنحالیکہ (بہت سے احادیث موجود ہیں) کہنا چاہیے ۔ آج سے ڈیڑھ سو سال قبل اہل زبان عربی جمع کو مؤنث بول جاتے تھے جیسے کہ امثلہ سے پتا چلتا ہے لیکن سو، ڈیڑھ سو سال سے اس وقت تک شعرا اُردو مستند اہل زبان کا معمول یہی رہا کہ مذکر بولیں

نواب ۔ جس کا واحد مؤنث ہو اُس کی جمع کو مؤنث بولنے میں تو کوئی قباحت نہ ہونا چاہیئے اسلیے کہ واحد مؤنث ہے ۔ جیسے مجلس سے مجالس ۔ اور جس کا واحد خود مذکر ہو اُسکی جمع مذکر بولنا چاہیئے کیونکہ واحد مذکر ہے ؟

اُستاد ۔ قیاس کا یہاں دخل نہیں صرف زبان کا صرف دیکھا جائے گا ۔ اگر یہ کہیے گا کہ واحد مؤنث ہے لہذا جمع بھی مؤنث بولی جائے تو فرمایئے کہ مصیبت کی جمع مصائب ۔ کیا بولیے گا؟ مصائب پڑے یا مصائب پڑیں ؟ (نواب نے سر جھکا لیا) یہ بھی بتادوں کہ یہ حکم عربی لفظ کی جمع میں جاری ہوگا ۔ اس شعر میں سوائے عیب مذکر کے کوئی اور عیب نہیں ۔ ہوگئیں کی جگہ ہوگئے لکھ کے اور پڑھیئے ؎

سب منازل عشق کے طے ہوگئے اے قلبِ زار | پھر بھی کوسوں دور تجھ سے شام وصلت ہوگئی

نواب ۔ لکھ کے ؎

کی مری اس حد دل آزاری مرے احباب نے — پھٹ گیا میرا جگر دُنیا سے نفرت ہو گئی

اُستاد - خوب - (اس حد) محاورہ نہیں ہے بلکہ (اس حد کی) - مصرع اول میں یہ بہت بڑا عیب ہے - مصرع ثانی میں (جگر پھٹنا) نفرت ہونے کے معنے میں آپ نے استعمال کیا ہے درآنحالیکہ نہ کسی اُستاد نے آجتک استعمال کیا نہ یوں عوام بولتے ہیں - دل پھٹتا ہے - کلیجہ پھٹتا ہے مگر جگر پھٹنا یہ پہلی مثال ہے - آپ سے قبل کسی نے استعمال نہ کیا ہو گا -

مثال - ذیل کے شعر میں دل پھٹنا استعمال کیا گیا ہے :-

داغ دہلوی

گر دل پھٹا ہے مجھ سے تو اسہل ہے علاج — یا یہ بھی چاک جیب مری جان ہو گیا

مثال - ذیل کے شعر میں کلیجہ پھٹنا استعمال کیا گیا ہے :-

جلال لکھنوی

چمن میں کس پہ گریباں گلوں نے چاک کیا — کلیجہ دیکھ کے پھٹتا ہے عندلیبوں کا

جگر کے استعمال کی چند مثالیں یاد آگئیں سُن لیجیے - (جگر خون ہونا) -

آتش

جگر خوں پان کھا کے کر چکے لعلِ بدخشاں کا — ملو مہندی جو پھیرا چاہتے ہو پنجہ مرجاں کا

نہایت فصیح محاورہ، عام و خاص سب بولتے ہیں - آج سے سو سال قبل سے بولا جاتا ہے - لکھنؤ، دہلی کا مشترک صرف ہے -

جگر پھٹنا یعنے صدمہ ہونا تکلیف ہونا ضرور فصیح ہے - گو دہلی کا خاص صرف ہے شاید ہی کسی اہل لکھنؤ نے استعمال کیا ہو - بہر طور معنے مذکور میں بولا جا سکتا ہے لیکن وہ معنے جو آپ نے مُراد لیے ہیں - نفرت ہو جانا، پھر جانا - یہ استعمال تو میں پہلے ہی کہہ چکا کہ مفقود ہے

مثال - **داغ دہلوی**

پھٹتا ہے جگر دیکھ کے قاصد کی مصیبت — پوچھو تو یہ کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

جگر تھامنا - یہ محاورہ بھی فصیح ہے - رائج الوقت ہے - عام و خاص سب بولتے ہیں -

مثال - داغ دہلوی

اُس بُت کی جو یاد آئی ہمیں خلد بریں میں اُف کر کے جگر تھام لیا اشک بھر آئے

جگر پھنکنا - یہ محاورہ بھی فصیح ہے - رائج الوقت ہے - عام، خاص سب بولتے ہیں -

مثال - امیر مینائی

جلتا ہے اُلفت سے جو دل پھنکتا ہی فرقت سے جگر آفت ہیں دو داغ کہن ایک اِس طرف ایک اُس طرف

جگر کا نپنا - یہ صرف بھی خاص ہے اور دیارِ فصحا لکھنؤ، دہلی بولتے اور استعمال کرتے ہیں -

مثال - امیر مینائی

میرا جگر تو کانپ گیا اُس نگاہ سے اُس سنگدل کا دل نہ ہلا میری آہ سے

جگر خراش ہونا - قدیم محاورہ ہے - عام، خاص سب بولتے ہیں فصیح بھی ہے -

مثال - غالب دہلوی

میں اور صد ہزار نوائے جگر خراش تو اور ایک وہ نشنیدن کہ کیا ہوا

جگر کھودنا - حضرت غالب نے صرف فرمایا ہے، اہل لکھنؤ میں کسی نے استعمال نہیں کیا بہر طور صرف موجود ہے -

مثال - غالب دہلوی

پھر جگر کھودنے لگا ناخن آمدِ فصل لالہ کاری ہے

جگر داری - بہت قدیم صرف ہے حضرت میر تقی میر نے استعمال کیا ہی - موجودہ دور میں بھی فصیح ہی -

مثال - میر دہلوی

بیقراری میں نہ دلبر سے اُٹھا ہر گز ہاتھ عشق کرنے کے تئیں شرط جگر داری ہے

جگر کر جانا - سودا ایسے اُستاد کا صرف کیا ہوا محاورہ لیکن موجودہ دور میں غیر فصیح ہے، متروک ہو چکا - ہاں اُن کے زمانے میں ضرور فصیح تھا - بہر طور صرف موجود ہے -

مثال۔ سودا

جا ہی بھڑا اُس صفِ مژگاں سے یار دل تو بڑا سا ہے جگر کر گیا

جگر پانی ہونا۔ یہ صرف بہت کم ہے، عوام بہت کم بولتے ہیں۔ بجائے اس کے دل پانی ہونا زیادہ بولا جاتا ہے۔

مثال۔ شادؔ لکھنوی (پیرو میر)

رویا کوئی ہمارا پانی جگر ہوا ہے اک چوٹ سی لگی ہے جب دل دُکھا کسی کا

میں نے چند مثالیں جگر کے صرف کی آپ کے سامنے پیش کیں۔ جن سے آپ یہ نتیجہ نکال سکیں گے کہ آپ نے جن معنے میں صرف کیا ہے اُن معنے میں کوئی مثال آپ کے سامنے نہیں آئی لہذا آپ کا صرف یعنے جگر پھٹنا نفرت کے معنے میں کسی نے استعمال نہیں کیا۔

یہ امر طے شدہ ہے کہ محاورہ بنانے کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے۔ عوام جب بول لیتے ہیں اور استعمال میں کثرت ہو جاتی ہے اُس وقت شعرا نظم کرتے ہیں۔ جب مستند مانا جاتا ہے۔ مثلاً چار دن کی چاندنی کے بجائے پانچ دن کی چاندنی اُسی موقع پر کوئی استاد بولے تو فصیح نہیں مانا جا سکتا ہے اسلیے کہ اگر اساتذہ کو محاورہ بنانے کا حق دے دیا جائے تو دنیا کو حق ہو جائے گا کہ دو چند، سہ چند، چہار چند، دہ چند بولتے بولتے پنج چند، شش چند، ہفت چند، ہشت چند، نہ چند، یازدہ چند، دوازدہ چند بولنے لگے۔ درآنحالیکہ اگر ایسا کیا جائے تو اعتراضات کی بھرمار ہو جائے گی۔ لہذا یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ جو صرف ہو وہی بولنا چاہیئے اپنی جدت طبع سے کام نہ لینا چاہیئے۔ آپ اپنے شعر کو یوں بدل دیجیے۔

کی مری اتنی دل آزاری مرے احباب نے پھٹ گیا دل مجکو عالم بھر سے نفرت ہو گئی

نواب۔ بہت مناسب۔

تیری ذہنیت سے عاجز ہوں بس اے ناصح خموش (۶) اب نہ سمجھا مجکو مے پینے کی عادت ہو گئی

اُستاد۔ ذہنیت کا لفظ میں نے آج ہی سُنا کیا معنے ہیں۔ کیا آپ نے وضع کیا ہے؟

نواب - جی نہیں، میں نے وضع نہیں کیا۔ ایک اخبار پڑھا تھا اُس میں (جرمنوں کی ذہنیت) سرخی تھی میں سمجھا کہ لفظ صحیح ہے، صرف کر دیا۔

اُستاد - بالکل غلط ہے۔ آیندہ کبھی استعمال نہ کیجیے گا۔ ذہنیت کا وجود کسی لغت میں نہیں ملے گا۔ بجائے اس کے مصرع یوں کر دیجیے۔

تیری اس خصلت سے عاجز ہوں بس اے ناصح خموش   اب نہ سمجھا مجکو مے پینے کی عادت ہو گئی

نواب - بہت خوب۔

کیوں نہ ہو مجکو دعا پر ناز اے میرے کریم (۷) جب گناہوں پر ہوا نادم اجابت ہو گئی

اُستاد - واہ، کیا اجابت ہو گئی۔ یہ شعر کسی ظریف کا معلوم ہوتا ہے۔ (آج اُستاد کو غیر معمولی ہنسی آگئی) ایک بات بتائیے؟

نواب - حضور دریافت فرمائیں۔

اُستاد - جب کوئی شخص پاخانہ سے واپس آتا ہے اور قبض سے پریشان ہوتا ہے تو آپ کیا پوچھتے ہیں؟

نواب - جی، یہ پوچھتے ہیں کہ کیا اجابت ہوئی؟ (یہ کہہ کے خود نواب ہنسنے لگے اور کہنے لگے) جی ہاں یہ قافیہ نظم کرنے کا نہیں تھا۔ دھوکا کھا گیا اور خود ہنسنے لگے۔

اُستاد - آیندہ ضرور خیال رکھیے گا ورنہ کسی محفل میں ہنسی ہو جائے گی۔ ایک بات اور بتا دوں۔ یہی چیز جس کے سبب سے انسان یعنے شاعر کو آخر وقت تک ضرورت ہے کہ ایک سنبھالنے والا رہے۔ آج کل کے شاعر خود رُو، اصلاح لینا عیب سمجھتے ہیں اُسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ذلت اُٹھاتے ہیں۔ خیر، جو جس کی سمجھ میں آتا ہے ویسا کرتا ہے شعر کاٹ دیجیے۔

نواب - جی، بہت اچھا۔

ہم چلے ہیں آج سوئے بستیٔ مُلکِ عدم (۸) اس قدر دنیا میں اب رہنے سے نفرت ہو گئی

اُستاد - (سوئے بستیٔ مُلکِ عدم) ترکیب غلط ہے اس لیے کہ ہمیشہ فارسی لفظ کی ترکیب

فارسی سے دی جاتی ہے یا عربی کی فارسی سے لیکن طے شدہ مسئلہ یہ ہے کہ کبھی اُردو کے اضافت وعطف فارسی کی طرف یا فارسی کے اضافت وعطف اُردو کی طرف نہیں کرتے۔ آپ کے شعر میں (سوئے) فارسی لغت۔ (بستی) اُردو لغت۔ (مُلک) عربی لغت۔ لہٰذا ترکیب صحیح نہیں۔

قاعدہ

ایک صورت جائز ہے وہ یہ کہ جب کوئی لفظ عَلم ہو یعنے نام تو فارسی یا عربی لفظ کے عطف واضافت درست ہوں گے جیسے شہرِ لکھنؤ، مُلکِ اودھ، زمینِ راہدین وغیرہ اس کے علاوہ کوئی صورت صحیح نہ مانی جائے گی۔ یہ شعر یوں کر دیجیے ؎

آج گھبرا کے چلے ہیں جانبِ مُلکِ عدم اس قدر دنیا میں اب رہنے سے نفرت ہوگئی

میں آپ کی حیثیت وقابلیت کے موافق شعر بناتا ہوں۔ جو حق اصلاح ہے وہ نہیں ہوتا۔ اور پڑھیے۔

نواب۔ جی، درست۔ ایسا ہی ہونا چاہیے۔

کیا کروں فکرِ رہائش چار دن کے واسطے (۹) دل مرا مُردہ ہوا دنیا سے نفرت

اُستاد۔ رہائش کون سی چڑیا ہے؟ کس زبان کا لفظ ہے؟ بعض کم مرچ سے اتفاق سے

نواب۔ (گھبرا کے، تھوڑے سکوت کے بعد) حضور، بعض تلامذہ میں تھے۔ اُنھوں نے کہا بولتے سُنا ہے۔

اُستاد۔ لوگ بولتے ہیں ٹھیک، اچھی طرح سمجھ گئے؟ کے ساتھ فارسی سمجھ کے پڑھ اسریف سے چلیے گو خلافِ تہذیب ہے مگر پوچھتا ہوں کہ جناب کہاں لیے گا۔ رہائش لفظ جانتے ہیں؟ کیا کام ہے؟

آپ نے استعمال کیا ری کا شوق ہے لیکن علمِ عروض سے بدقسمتی سے بالکل نابلد ہوں چاہتا ہوں کیا کروں سا بالہ...

راہگیر۔ ضرور حاصل کیجیے۔ بغیر تحصیل علم عروض شاعری ناممکن۔ واقعاً آپ کا خیال صحیح ہے۔ جناب کو کن بزرگ سے تلمذ حاصل ہے ؟

نواب۔ (استاد کا نام بتاتے ہوئے) اُن کا کرم ہے جو کلام پر اصلاح فرما دیتے ہیں ورنہ مَیں کیا، اور میرا کلام کیا۔

(راستے بھر شعر و شاعری کے متعلق گفتگو رہی، یہاں تک کہ جناب قاری یعقوب علیخاں صاحب کا مکان آگیا۔)

راہگیر۔ (اشارہ کرتے ہوئے) جی، یہی مکان ہے۔

نواب۔ مجھے تو اتنی گلیاں طے کر کے آج دن بھر بھی مکان نہ ملتا۔ جناب خضرِ طریقت بن کے مل گئے۔ ورنہ سخت پریشانی اُٹھانی پڑتی۔

راہگیر۔ جناب 'پریشانی اُٹھانی پڑتی' بول گئے معاف فرمایئے گا، اعتراض نہیں کرتا ہوں، صرف سمجھنا چاہتا ہوں۔ 'پریشانی اُٹھانا' اگر بولتے تو کیا مضائقہ تھا۔ میرے نزدیک دونوں طرح صحیح معلوم ہوتا ہے۔

نواب۔ جواب دیتا ہوں مگر معافی چاہتے ہوئے وہ یہ کہ مؤنث کے ساتھ (نی) لگاتے ہیں مذکر کے ساتھ (نا) لگاتے ہیں۔ فصحائے لکھنؤ کا یہی طریقہ ہے اور یہی فصیح بھی ہے مثلاً (مصیبت اٹھانی پڑی) اور (آزار کھینچنا پڑا) (زحمت برداشت کرنی پڑی) (صدمہ اُٹھانا پڑا) ان کے خلاف غیر فصیح کہلائے گا۔

راہگیر۔ ابھی اس کا فیصلہ اُستادِ معظم قاری صاحب قبلہ سے ہو جائے گا۔ میں پکارتا ہوں۔ یہ کہہ کے کُنڈی کھٹکھٹائی۔

ماما۔ کون صاحب ہیں ؟

راہگیر۔ مَیں ہوں ارشد۔ کیا جناب قاری صاحب تشریف رکھتے ہیں ؟

ماما۔ جی ہاں تشریف رکھتے ہیں۔ آپ ڈیوڑھی میں آ کے کمرہ کھول لیجیے۔

راہگیر۔ (ڈیوڑھی میں جا کے کمرہ کھول کے) تشریف لائیے۔ جناب، میں یہ تو پوچھنا ہی بھول گیا کہ تخلص کیا کرتے ہیں۔

نواب۔ حقیر امید تخلص کرتا ہے۔

راہگیر۔ بہت عمدہ اور اچھوتا تخلص ہے۔

(دونوں کمرے میں فروکش ہوئے۔ اِدھر اُدھر کی گفتگو ہو رہی تھی کہ ڈیوڑھی میں کسی کے آنے کی آہٹ معلوم ہوئی۔ کہ یکایک نواب نے دیکھا کہ ایک پستہ قد، مُعمّر بزرگ، جن کے رُخ پر آثارِ علم وفضل وکمال نمایاں، حُقّہ ہاتھ میں لیے تشریف لا رہے ہیں۔ راستے ہی سے آداب عرض تسلیمات کہتے آتے ہیں)

رہگیر نے جلدی سے کھڑے ہو کے حُقّہ اُستاد کے ہاتھ سے لے لیا۔ نواب بھی کھڑے ہو چکے تھے، قاری صاحب صدر مقام پر ایک گدّا بچھا ہوا تھا جس کے پیچھے ایک پُرانی تکیئی لگی ہوئی تھی فروکش ہوئے۔ رہگیر نے حُقّہ اُستاد کے سامنے لگا دیا۔

قاری صاحب۔ (نواب کی طرف اشارہ کر کے) آپ کی تعریف؟

راہگیر۔ جناب کی خدمت میں تشریف لائے ہیں۔

قاری صاحب۔ (نواب صاحب کی طرف دیکھ کے) جناب کا کہاں تشریف لانا ہوا؟

نواب۔ حضور کی خدمت میں ایک لفافہ لایا ہوں ملاحظہ فرمالیں (یہ کہہ کے لفافہ جیب سے نکال کے ہاتھوں پر رکھ کے پیش کیا)

قاری صاحب۔ اچھا۔ آج یاد فرمایا (یہ کہہ کے لفافہ چاک کیا۔ پورا مضمون پڑھ کے) کیا عرض کروں، ضعیف العمری کا زمانہ ہے، امراض کی کثرت ہے، درس و تدریس کا مشغلہ ایک عرصے سے ملتوی ہے مگر چونکہ آپ سفارش ایسے اُستادِ فن کی لائے ہیں کہ جن کا شہر لکھنؤ میں اب مثل و نظیر نہیں، بدیں وجہ میں آپ کے لیے وقت نکالوں گا۔ آپ کو کس وقت تشریف لانے میں سہولت ہوگی۔

نواب ۔ مجھے سوائے شعروشاعری دنیا کا کوئی کام نہیں جو وقت حضور کا خالی ہو اور مناسب خیال فرمائیں ۔

قاری صاحب ۔ میرے خیال میں یہی وقت صبح کا بہتر ہوگا اس وقت کچھ دماغ حاضر رہتا ہے ۔ اور یہ فرمائیے کہ جناب نے علم عروض کے متعلق کن کن کتابوں کا مطالعہ فرمایا ؟

نواب ۔ عالیجناب میں نے کوئی کتاب علم عروض کی نہیں پڑھی ۔ اب شروع کروں گا ۔

قاری صاحب ۔ عربی و فارسی کی کون کون سی کتابیں پڑھیں ؟

نواب ۔ آمدنامہ ، گلزار دبستان ، انوار سہیلی ، گلستاں ، بوستاں ، رقعات عالمگیری وغیرہ

قاری صاحب ۔ تو فارسی تو جناب نے کافی پڑھ لی ہے ۔ میرے خیال میں عروض سیفی شروع کر دیجیے آپ کا مطلب اسی ایک کتاب سے حل ہو جائے گا ۔

نواب ۔ بہت خوب ۔ کب سے حاضر ہوں ؟

قاری صاحب ۔ کل یکشنبہ ہے ۔ اچھا دن ہے ۔

نواب ۔ انشاءاللہ تعالیٰ ضرور حاضر ہوں گا ۔

قاری صاحب ۔ (اپنے شاگرد ارشد صاحب کی طرف دیکھ کے) آپ اس وقت کہاں چلے گئے ؟

ارشد صاحب ۔ صرف حضور کے استمزاج کو حاضر ہوا ہوں ۔

قاری صاحب ۔ بھائی استمزاج عربی زبان کا لغت نہیں ہے ۔ ہندوستانیوں نے خاص اجتہاد کیا ہے ۔ کہیں عربی کتاب میں یا لغت میں اس کا وجود نہیں ۔ آئندہ استعمال نہ کیجیے گا بڑے بڑے پڑھے لکھے بول جاتے ہیں ۔ یہ لفظ غلط ہے ۔

ارشد صاحب ۔ بہت خوب ۔ ایک بات اور یاد آگئی ۔

قاری صاحب ۔ وہ کیا ؟

ارشد صاحب ۔ حضور ، نواب صاحب راستے میں مل گئے تھے میں ساتھ لے آیا ۔ آپ (پریشانی اُٹھانی پڑی) بولتے ہیں ۔ میں نے عرض کیا کہ (پریشانی اُٹھانا پڑی) صحیح اور فصیح ہے

آپ کا خیال یہ ہے کہ مؤنث کے لیے (نی) لگاتے ہیں، مذکر کے لیے (نا) لگاتے ہیں۔
قاری صاحب ۔ بالکل درست کہا۔ کس کے شاگرد، کس کے آگے زانوئے ادب تہ کیا ہے
واقعاً ان کے اُستاد کا جواب نہیں۔ آپ غلطی پر ہیں نواب صاحب نے بالکل بجا فرمایا۔
(اس تقریر کے بعد کچھ دیر سب پر سکوت طاری رہا کہ نواب نے پوچھا، اجازت چاہتا ہوں)
قاری صاحب ۔ بہت خوب ۔ خدا حافظ ۔
ارشد صاحب ۔ فدوی بھی مرخص ہونا چاہتا ہے ۔ ایک ضروری کام درپیش ہے ۔
قاری صاحب ۔ ضرور، آپ بھی سدھاریئے ۔
(دونوں اُٹھ کھڑے ہوئے اور سلام کرتے ہوئے روانہ ہوئے ۔ قاری صاحب حقہ نوش فرماتے رہے ۔ آغا میر کی ڈیوڑھی پر پہونچ کے ارشد صاحب نے کہا کہ میں رکاب گنج جاؤں گا ۔ خدا حافظ ۔ آپ سے خوب نیاز حاصل ہوا انشاء اللہ اب تو اکثر و بیشتر ملاقات ہوتی رہے گی ہم آپ تو اب پیر بھائی ہو جائیں گے) ۔
نواب ۔ انشاء اللہ تعالیٰ میں کس قابل ہوں، ایک ذلیل انسان کو آپ عزت دیتے ہیں۔ فی امان اللہ
(ارشد صاحب رکاب گنج کی طرف روانہ ہوئے ۔ نواب پاٹے نالے سے ہوتے ہوئے اپنے مکان پہونچ گئے ۔ گھر میں انتظار ہو رہا تھا بیگم صاحب برابر ماما سے کہہ رہی تھیں خدا معلوم نواب ابھی تک کیوں نہ آئے اتنے میں دیکھا کہ نواب صاحب ڈیوڑھی سے چلے آتے ہیں ۔
بیگم صاحبہ ۔ آج اصلاح بہت دیر میں ہوئی ۔
نواب ۔ نہیں، اصلاح میں دیر نہیں ہوئی بلکہ گولہ گنج ایک صاحب کے یہاں اُستاد نے بھیجا تھا اس وجہ سے تاخیر ہو گئی۔ کھانا تیار ہے؟ آج خلاف معمول بھوک لگ آئی ۔
بیگم صاحبہ ۔ نہیں تیار ہے تو ابھی تیار ہوا جاتا ہے ۔ میں خود باورچی خانہ میں جا کے جلدی جلدی تیار کر کے خاصہ حاضر کرتی ہوں ۔
نواب ۔ زحمت کی ضرورت نہیں، کوئی ایسی بھوک نہیں ہے کہ برداشت نہ ہو سکے۔ آپ نے

کبھی کھانا نہیں پکایا لہذا گرمی میں نہ بیٹھیے گا ورنہ مزاج نادرست ہوجائے گا۔
بیگم صاحبہ۔ کیا خوب، شریف زادیوں کا فخر ہے کہ چکی پیسیں، آٹا گوندھیں، روٹی پکائیں۔ کیونکہ ہماری آقازادی ہماری بی بی جناب سیدہ بھی تو اپنے شوہر علیؑ کی خدمت کرتی تھیں اور چکی پیسی تھیں، آپ کی اطاعت تو ثواب ہے۔ یہ کہہ کے باورچی خانہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ راستے ہی سے ماما کو آواز دی (بکریدن) کیا دیر ہے؟

ماما۔ بیگم صاحب، ابھی گوشت پتیلی میں ڈالا ہے، بس پانی خشک ہوجائے تو بھون کے حاضر کرتی ہوں۔

بیگم صاحبہ فوراً باورچی خانہ میں پہونچ گئیں، بہت جلد کھانا تیار کرکے دسترخوان بچھا کے نواب کو کھانا کھلادیا۔

نواب بعد فراغت طعام خاص کمرے میں آئے، مسہری پر بغرض آرام لیٹ رہے، تین بجے دن کو آنکھ کھلی، اُٹھ کے بیٹھے۔ اب دو فکریں دامنگیر ہوچکی تھیں ایک غزل دوسرے تحصیل علم عروض۔ عروض سیفی الماری سے نکال کے دیکھنے لگے، ورق اُلٹ پلٹ کرنا شروع کیے جابجا سے مطالعہ کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد کتاب بند کی اور اس خوشی میں کہ عروض پڑھنے کے بعد مکمل شاعر ہوجاؤں گا، گھڑیاں گزارنے لگے۔

مشہور ہے کہ خوشی کی ساعتیں معلوم نہیں ہوتیں اور جلدی گزر جاتی ہیں۔ وہی ہوا کہ یکشنبہ کی صبح نمودار ہوگئی۔ جلدی جلدی ضروریات سے فراغت کرکے ناشتہ فرماکے کپڑے پہن کے، کتاب میز سے اُٹھائی اور بیگم صاحبہ سے یہ فرماتے ہوئے کہ شاید آج کچھ دیر ہوجائے خیال نہ کیجیے گا میں سبق پڑھنے جارہا ہوں۔

بیگم صاحبہ۔ یہ سن اور سبق پڑھنے جانا۔ کیا آپ بچے ہوگئے؟

نواب۔ علم وہ چیز ہے کہ اگر انسان عمر بھر بھی تحصیل کرے تو کم ہے۔ جناب رسول خدا صلعم کا فرمان ہے۔ بلکہ حکم ہے کہ "اطلبُ العلم من المھد الی اللحد" جس کا مقصد یہ ہے کہ علم

آغوشِ مادر سے لے کے اُس وقت تک حاصل کیے جاؤ جب تک قبر کا مُنہ دیکھو۔
بیگم صاحبہ ۔ پھر کیا زندگی بھر یوں ہی کتاب بغل میں دَبا کے جائیے گا ؟
نواب ۔ یہ میرے لیے باعثِ فخر ہے۔ بدنصیب ہیں وہ دولتمند طالب علم جو ملازم پر اپنا بوجھ لاد کے طالب علمی کرنے جاتے ہیں۔ اُن کو کبھی علم نہیں آتا۔ سُنا ہے کہ عراق میں بڑے بڑے جید طالب علم بلکہ مجتہد برابر بغلوں میں کتابیں دَبا کے پھرا کرتے ہیں۔ پھر آج جو اُن کی قدر و منزلت ہے کون بیان کر سکتا ہے۔ سعدی نے چالیس سال کے سن میں، پڑھنا شروع کیا اور اس قدر علم حاصل کیا کہ ایران کا مایۂ ناز عالم کہلاتا ہے جس کا جواب ابھی تک دنیائے ایران پیدا نہ کر سکی۔ میں بھی اگر اُسی سن میں کسی علم کی تحصیل کروں تو کوئی قباحت نہیں۔
بیگم صاحبہ ۔ اچھا سدھاریئے اپنا وقت خراب نہ کیجیے، دیر ہو رہی ہے کہیں مولوی صاحب خفا نہوں۔ سب ہنسنے لگے، نواب مسکراتے ہوئے خدا حافظ کہہ کے باہر روانہ ہو گئے۔ راستہ معلوم تھا، سیدھے گولہ گنج پہونچ گئے، کُنڈی کھٹکھٹائی۔
ماما ۔ کون صاحب ہیں ؟
نواب ۔ مَیں ہوں۔ (قاری صاحب نے ماما سے فرمایا کہ نئے طالب علم ہوں گے دروازہ کھول دو) (ماما نے کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے نواب سے کہا) تشریف لائیے، کمرے میں بیٹھیے، قاری صاحب تشریف لاتے ہیں۔
نواب کمرے میں دروازہ کھول کے بیٹھ گئے۔ چند منٹ نہ گزرے ہوں گے کہ جناب قاری صاحب اپنا حقّہ لیے ہوئے تشریف لے آئے۔
نواب ۔ تسلیمات عرض کرتا ہوں۔
قاری صاحب ۔ بندگی عرض ہے (یہ کہہ کے گدّے پر فروکش ہو گئے)۔
نواب نے کتاب کھولی۔ چونکہ فارسی داں تھے ’’بسم اللہ الرحمٰن الرحیم‘‘ کہہ کے صحیح صحیح عبارت پڑھی اور جہاں مطلب ختم ہوتا تھا رُک گئے۔

قاری صاحب - مطلب سُنیے مصنف و مؤلف کتاب نے اس کتاب کی ابتدا تعریف شعر و بیان شاعر سے کی ہے - طالب علم سے کہتا ہے کہ تو سمجھ لے کہ شعر کے معنے لغوی حیثیت سے جاننے اور پالینے کے ہیں - اور اصطلاحی حیثیت سے شعر کی تعریف یہ ہے کہ شعر ایک موزوں بات کا نام ہے جس میں معنے بھی ہوں یعنے معنے دار ہو اور قافیہ کا وجود بھی ہو - سب سے بڑی قید تعریف شعر میں قصد موزونیت شاعر کی کر دی ہے یعنے قصداً شعر کہا ہو، نہ کہ اتفاقیہ بغیر قصد موزوں ہوا ہو - آپ مطلب سمجھ رہے ہیں ؟

نواب - میں خوب سمجھ رہا ہوں، جناب تقریر فرمائیں -

قاری صاحب - صاحب کتاب کہتا ہے کہ تعریف شعر میں موزوں کی قید اسلیے لگائی کہ ناموزوں شعر کو شعر نہیں کہتے - پھر با معنے ہونے کی قید اس لیے کی کہ بے معنے کو شعر نہیں کہتے پھر قافیے کی قید اس لیے بڑھائی کہ جس کلام میں قافیہ نہ ہو اُسے شعر نہیں کہیں گے یعنے موزوں ہے با معنے ہے لیکن مقفیٰ نہیں یعنے قافیہ نہیں شعر نہیں کہا جا سکتا - اب یہ قید کہ قصد موزونیت بھی ہو صرف اسلیے لگائی کہ شعر موزوں ہو، با معنے ہو، قافیہ رکھتا ہو لیکن شاعر نے قصداً نہ کہا ہو، اتفاقیہ موزوں ہوا ہو جب بھی تعریف شعر اُس پر صادق نہیں آئے گی - یہ جو کچھ تقریر میں نے کی اصطلاحی اعتبار سے کی - اُس کی مثال آیات و احادیث ہیں چونکہ قصدِ شعر نہ تھا اسلیے شعر کہے جانے کے مستحق نہیں - مثلاً

خداوند عالم فرماتا ہے -

آیت ۱ - ثم اقررتم و انتم تشهدون -

آیت ۲ - ثم انتم هؤلاء تقتلون -

حدیث

جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں -

الکریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم -

اگرچہ آیت کا وزن " فاعلاتن فاعلاتن فاعلات " ہے۔ مگر چونکہ قصد موزونیت شامل نہیں۔ اسلیے شعر کی تعریف صادق نہیں آتی ۔

اسی طرح حدیث کا وزن " فاعلاتن فاعلاتن فاعلات " ہے مگر قصدِ موزونیت یہاں بھی مفقود ہے لہذا شعر نہیں کہیں گے ۔

آپ مطلب اچھی طرح سمجھ گئے۔ کوئی شک تو باقی نہیں رہا ؟

نواب ۔ خوب سمجھ گیا ۔ آپ جب دریافت فرمائیں گے یہی مطلب عرض کروں گا ۔

قاری صاحب ۔ بہت خوب ۔ بس یہیں تک سبق رہنے دیجیے آج پہلا دن ہے ۔

نواب ۔ بہت خوب کہہ کے کتاب بند کی، تھوڑی دیر بیٹھے اُسکے بعد اجازت طلب کی ۔

قاری صاحب ۔ بہت خوب، خدا حافظ ۔

نواب کھڑے ہوکے سلام کرکے رخصت ہوکے روانہ ہوئے، راستے بھر اُستاد کے بتائے ہوئے مطلب کو دل میں دُہراتے رہے ۔ یہاں تک کہ مکان پر پہونچ گئے ۔ جیسے ہی بغل میں کتاب دبائے ہوئے گھر میں پہونچے ۔ بیوی نے جو سامنے دالان میں چوکے پر بیٹھی تھیں ۔ مُسکرا کے پوچھا۔ آپ سبق پڑھ آئے ؟

نواب ۔ (ہنس کے) جی ہاں ۔ کیوں ؟

بیگم صاحبہ ۔ جی، کچھ نہیں۔ آپ پڑھنے گئے ہوئے تھے ۔ میں دعائیں مانگ رہی تھی کہ اے خدا، حافظِ حقیقی، مولوی صاحب غصہ ور نہ ہوں ۔

نواب ۔ تو کیا بچوں کی طرح میں بھی بھولوں گا جو مولوی صاحب ماریں گے ۔

بیگم صاحبہ ۔ (کھلکھلا کے) ڈر تو یہی ہے کہ کہیں سبق بھول نہ جائیے اسلیے کہ انسان ہی سے سہو ہوتا ہے ۔

نواب ۔ خوب کہی ۔ یہ کہہ کے کمرے میں چلے گئے ۔ اور سہری پر لیٹ کے پنسل، کاغذ اُٹھا کے غزل کی فکر شروع کی تھی کہ مولانا، اُستاد کے گھر پر پندرہ اشعار کسوف الیہ اور

پہونچ گئے۔ اُستاد اپنے کمرے میں منتظر بیٹھے ہوئے تھے۔

مولانا۔ سلامٌ علیکم۔

اُستاد۔ علیکم السلام۔ آئیے، میں تو انتظار ہی کر رہا تھا۔ آج بہت تاخیر ہو گئی۔

مولانا۔ سنڈیلہ کے ایک دوست مہمان آ گئے تھے اس وجہ سے تاخیر ہو گئی۔ (یہ کہہ کے خوشخط لکھی ہوئی غزل اُستاد کے سامنے جیب سے نکال کے پیش کی۔ اُستاد نے قالین پر غزل رکھ کے مطلع پڑھا)۔

اصلاح نمبر ۱۰

غزل مولانا

زلفِ شبگوں کو اگر چھوڑ دیں سُلجھانے میں (۱) عالمِ حسن نظر آتا ہے بَل کھانے میں

اُستاد۔ اس مطلع میں زمانے کا فرق ہے، یہ چیز تو آپ کے دیکھنے کی تھی مگر دھوکا کھا گئے۔

مولانا۔ قبلہ میں نہیں سمجھا۔ (یہ کہہ کے مطلع کو غور سے دیکھنے لگے)۔

اُستاد۔ دیکھیے پہلے مصرع کا ٹکڑا "اگر چھوڑ دیں" موجودہ زمانے کے متعلق کہا گیا ہے اور یہی خبر بھی دے رہا ہے۔ اور دوسرے مصرع کا ٹکڑا "نظر آتا ہے" آنے والے زمانے کی خبر دے رہا ہے۔ پہلے مصرع کے اعتبار سے دوسرا مصرع یوں ہونا چاہیے تھا۔

عالمِ حسن نظر آئے بَل کھانے میں

کیونکہ چھوڑ دیں کا جواب "نظر آئے" ہونا چاہیے۔ اب آپ کی سمجھ میں آیا؟

مولانا۔ واقعاً حضور کا اعتراض درست ہے جو باوجود نظرِ عمیق۔ میرے ذہنِ ناقص میں نہیں آیا تھا۔

اُستاد۔ مصرعِ اول کو یوں کہہ دیجیے ؎

چھوڑ دیتے ہیں جو وہ زلف کو سُلجھانے میں　　عالمِ حسن نظر آتا ہے بَل کھانے میں

(ہوا مصرع لکھ کے) سبحان اللہ۔ کیا خوب اصلاح فرمائی ہے۔ کس قدر

صاف مطلع ہوگیا -

اُستاد - دوسرے مطلع کی طرف دیکھ کے -

کیا کروں آکے میں ساقی ترے میخانے میں (۲) کیف کی روح نہیں شیشہ و پیمانے میں

خیر مطلع با معنے تو ضرور ہے لیکن ایک بہت بڑا عیب موجود ہے جو اکثر و بیشتر اساتذۂ لکھنؤ اور دہلی کے یہاں بھی موجود ہے -

مولانا - (پھر غور سے مطلع کی طرف دیکھ کے) میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا -

بڑے بڑے اساتذہ تو سمجھ نہ سکے آپ ابھی کیا سمجھیں گے - سُنیے اور بہت

مولانا - (پھر

قاعدہ

ہر فارسی لفظ میں بشرطیکہ تنہا ہو یعنے ترکیب اضافی و عطفی وغیرہ نہ ہو تو اُردو قاعدے سے حرف یا کا اضافہ کیا جا سکتا ہے - مثلاً افسانہ فارسی لغت ہے اور تنہا بھی ہے - اسے افسانے (یا) زیادہ کر کے بول سکتے ہیں - جیسے کہیں کہ آپ کے افسانے میں کوئی رنگ نہیں - یہ جائز ہے لیکن اگر فارسی لفظ یا عربی لفظ کی طرف جس کے آخر میں ہائے ہوز ہو اضافت دیدیں - مثلاً یوں کہیں - صورت کاشانے میں - تو قطعاً جائز نہیں اس لیے کہ اضافت ترکیب کا نام ہے - اضافت ہونے کے بعد جملہ فارسی ہو گیا - جب فارسی ہو گیا تو باوجود فارسی ہونے کے اب اُردو کرنا درست نہیں اسلیے کہ تنہا ایک لفظ کے لیے تو قاعدتاً صحیح ہے - لیکن پوری عبارت یا پوری زبان یا پورے جملے کے لیے اہل ہند کو حق نہیں ہے کہ اُردو بنا لیں - اور کاشانے میں یہ مُسلّم ہے کہ (یا) اُردو کی ہے - جب یا اُردو کی ہے اور کاشانہ ترکیب کے بعد اُردو ہو نہیں سکتا تو (یا) بڑھائی نہیں جا سکتی - (صورتِ کاشانہ) کہنا چاہیے تھا وہ قافیہ کے خیال سے ہو نہیں سکتا لہذا (صورت کاشانے) غلط -

اسی طرح شیشہ و پیمانہ چونکہ (واؤ) عاطفہ ہے - شیشہ معطوف - پیمانہ معطوف الیہ اور

واؤ عطف فارسی زبان کا واؤ عطف ہے۔ وہی قاعدہ جو اضافت کی حالت میں جاری ہوا تھا عطف کی صورت میں بھی جاری ہوگا یعنے بعد عطف اُردو کی (یا) نہیں لگائی جاسکتی چونکہ زبان غیر پر حق تصرف حاصل نہیں ہے۔ لہذا آپ کا شیشہ و پیمانے نظم کرنا صحیح نہیں۔ آپ مطلب سمجھ گئے ؟

مولانا۔ جناب نے آئینہ فرمادیا۔ کیا خوب مسئلہ حل فرمایا ہے۔ واقعاً یہ وہ رموز و نکات ہیں کہ ہر کس و ناکس کو جن کی ہوا بھی نہیں لگی۔ حضور مطلع کو درست فرمادیں۔

اُستاد۔ ہاں، لکھیے۔

دلِ میکش نہیں لگتا کبھی میخانہ میں　　کیف کی روح جو باقی نہ ہو پیمانہ میں

مولانا۔ واہ واہ، واہ واہ۔ واللہ لاجواب مطلع ہوگیا۔

اُستاد۔ اسے لیجیے ایک خاص بات سمجھانے کی اور ہے جو رہی جاتی تھی میں بھی دھوکا کھا رہا تھا۔

مولانا۔ حضور وہ کیا ؟

اُستاد۔ پہلے مطلع میں آپ نے اُردو کے قافیے نظم کیے ہیں یعنے سُلجھانے، بل کھانے۔ دوسرے مطلع میں دونوں فارسی کے قافیے نظم کیے ہیں۔

قاعدہ

اگر مطلع میں دونوں اُردو کے قافیے ہوں تو غزل بھر میں اختیار ہے کہ جس قدر چاہے اُردو کے قوافی نظم کرے جس قدر جی چاہے فارسی کے۔ مثلاً مطلع میں کھانا، پانا، ہے تو اختیار ہے کہ جانا، لانا، ڈھانا وغیرہ۔ میخانہ، پیمانہ، دیوانہ وغیرہ سب دیگر اشعار میں نظم کرسکتا ہے۔ بشرطیکہ ترکیب نہو یعنے کھانا، پانا اسکے ساتھ محفلِ رندانہ، شمع و پروانہ نہیں لاسکتے کیونکہ رندانہ کی (ہ) یا پروانہ کی (ہ) الف نہیں ہوسکتی چونکہ ترکیب ہے۔ تنہا الف ہو جائے گی۔ لیکن اگر مطلع میں فارسی قوافی کی قید کردی ہے یعنے مثلاً میخانہ، دیوانہ نظم کردیا ہے تو غزل بھر میں

اردو کا قافیہ نہیں لایا جاسکتا ۔ یعنے میخانہ، ویرانے کے ساتھ جانا، پانا، وغیرہ نظم نہیں کیے جاسکتے جس قدر فارسی کے قوافی ہیں نظم ہوسکتے ہیں ۔

چونکہ آپ نے پہلے مطلع میں اُردو کے قافیے نظم کیے ہیں اور آپ کی غزل کے شعروں میں بھی اُردو کے قوافی موجود ہیں۔ اس لیے مطلع ثانی کو نکال ڈالیے تاکہ اُردو کے قافیے اشعار میں باقی رہ سکیں ۔ اور اگر مطلع اول کو نکالیے گا تو سب قافیے فارسی کے لانا فرض ہوگا۔ میرے نزدیک مطلع ثانی نکال ڈالیے ۔ اور پڑھیے ۔

مولانا ۔ بہت مناسب ۔ یہ کہہ کے پنسل مطلع ثانی پر پھیر دی ۔

عجب انداز سے مارا دلِ زخمی پہ خدنگ (۳) لگ گئی ٹھیس چھلکتے ہوئے پیمانے میں

اُستاد ۔ پہلے مصرع کو دوسرے مصرع سے کوئی ربط و تعلق نہیں ۔

وہاں دل پر تیر پڑنا، یہاں پیمانے کا چھلکنا، ٹھیس لگنا ۔ اسی کو مصرع کا نہ لگنا کہتے ہیں ۔

دوسرا مصرع صاف اور اچھا ہے ۔ پہلے مصرع کو یوں بدل دیجیے ؎

تم نے چھیڑا دلِ زخمی کو اُبلنے لگا خوں لگ گئی ٹھیس چھلکتے ہوئے پیمانے میں

مولانا ۔ بہت خوب کہہ کے، اپنا مصرع کاٹ کے اُستاد کی اصلاح لکھ لی ۔

ناصحا تیری نصیحت پہ دھروں کیونکر گوش (۴) دلِ بیتاب لیے جاتا ہے میخانے میں

اُستاد ۔ (گوش دھرنا) محاورہ نہیں ۔ ایسے محل پر کان دھرنا بولتے ہیں جیسا کہ داغ دہلوی کہتے ہیں

سورۂ یوسفؑ سنوں کیا کان دھر کے واعظو کان اُس نے بھر دیے ہیں لذتِ تقریر سے

لہذا گوش دھرنا غلط ۔ غیر فصیح ۔

مصرع ثانی میں بیتاب کا لفظ مفہوم ادا نہیں کرتا ۔ آپ کا مقصد یہ ہے کہ میں اے ناصح تیری نصیحت ضرور سنتا اور عمل کرتا ۔ شراب نوشی کو تو منع کرتا ہے اور میں پکا شرابی ہوں لیکن مجبور ہوں کہ میرا دل سننے نہیں دیتا اتنا بھی وقت نہیں کہ تھوڑی دیر ٹھہر کے تیری نصیحت سُن سکوں ۔ یہ مفہوم پورے شعر میں کما حقہ کہاں ادا ہوا لہذا اس شعر کو یوں بدل دیجیے ۔ اور پڑھیے ؎

کیا سُنوں تھم کے نصیحت کو تری اے واعظ دل مجھے کھینچے لیے جاتا ہے میخانے میں

مولانا۔ (مناسب کہہ کے) شعر کے نیچے اُستاد کی اصلاح لکھ لی۔

آمدِ شب نے کیا خوف سے بند آنکھوں کو (۴) کٹ گیا روز اُدھر آنے میں اِدھر جانے میں

اُستاد۔ آپ اسے ابھی مصرع نہیں لگتا۔ پہلے مصرع سے دوسرے مصرع کو بہ اعتبارِ مفہوم کوئی لگاؤ نہیں۔ آپ کا مقصد یہ ہے کہ دن تو اِدھر اُدھر کی باتوں میں بہرطور گزر گیا لیکن ہجر کی شب ایسی مہیب آئی جس نے میری آنکھوں کو بند کر دیا کیونکہ قاعدہ ہے کہ خوفزدہ آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ کیوں صاحب آپ کا مطلب یہی ہے نا؟

مولانا۔ جناب درست فرماتے ہیں۔ یہی مقصد ہے۔

اُستاد۔ دوسرے مصرع میں 'روز' کی جگہ 'دن' لکھیے۔ (روز کٹنا) غیر فصیح ہے۔ ایسے محل پہ (دن کٹنا) بولتے ہیں۔ داغ کہتے ہیں ؎

فزوں روزِ محشر سے ہے ہر گھڑی کٹیں کس طرح تیری فرقت کے دن

آتش کہتے ہیں ؎

برنگِ غنچۂ پژمُردہ دل گرفتہ چلے شگفتہ ہو کے نہ دو دن بھی ہم نے یاں کاٹے

پہلے مصرع کو یوں بدل دیجیے ؎

آتے ہی ہجر کی شب خوف سے کیں آنکھیں بند کٹ گیا دن اِدھر آنے میں اُدھر جانے میں

ہاں، ایک بات اور ہے وہ یہ کہ آپ نے دوسرے مصرع کو یوں پڑھا تھا:۔ ع

کٹ گیا روز اُدھر آنے میں اِدھر جانے میں

یہ ترتیب بحیثیت محاورہ و تصرّف غلط ہے۔ آپ کے یہاں پہلے (اُدھر) ہے یعنے الف کو پیش، اُس کے بعد (اِدھر) ہے یعنے الف کو زیر۔ یہ ترتیب فصحا اہلِ زبان نے نہیں لکھی ہے بلکہ پہلے (اِدھر) الف کو زیر ہونا چاہیئے اُسکے بعد (اُدھر) الف کو پیش ہونا چاہیئے۔ حقیقتاً یوں ہونا چاہیئے ۔ ع

کٹ گیا دن ادھر آنے میں اُدھر جانے میں

آپ خوب سمجھ گئے؟ اس سے واضح کیا بیان کروں۔ اور پڑھیے۔

مولانا۔ خوب اچھی طرح سمجھ میں آگیا۔

دشت میں بستی مرے دل کی ہوئی ہے برباد (۵) کہو ویرانہ دکھا دوں تمھیں ویرانے میں

اُستاد۔ پہلے مصرع کی ترکیب اس قدر بھونڈی ہے کہ قابلِ بیان نہیں۔ بستی کی (ی) گرنا کس قدر بُرا معلوم ہو رہا ہے۔ مصرع کی صفائی پہ اسی (ی) کے گرنے سے خاص اثر پڑا۔

مولانا۔ آپ فرما چکے ہیں۔ اُردو کی (ی) کا گرنا جائز ہے۔ بستی کا لفظ اُردو ہے۔

اُستاد۔ میں جائز، ناجائز کے متعلق نہیں کہہ رہا ہوں۔ بستی کی (ی) کا گرنا بالکل درست ہے۔ پھر مصرع پڑھ کے دیکھیے کس قدر زبان کو تکلیف اور سماعت کو بُرا معلوم ہوتا ہے۔ مصرع اتنا صاف ہونا چاہیے کہ سننے والے کو بھلا معلوم ہو۔ دوسرے مصرع میں (کہو) کا لفظ نامناسب اس کی جگہ پہ (آؤ) زیادہ بہتر ہوگا۔ لہذا دونوں مصرعوں میں یوں ترمیم کر دیجیے۔ اور پڑھیے ؎

ہوگئی دشت میں بستی مرے دل کی برباد آؤ ویرانہ دکھا دوں تمھیں ویرانے میں

مولانا۔ بہت خوب۔

آتشِ حسن سے دل جل گیا مابعد جگر (۶) دفعتاً دوڑ گئی دوسرے کاشانے میں

اُستاد۔ مطلب بیان کیجیے؟

مولانا۔ جی، مقصد یہ ہے کہ حسن کی آگ نے پہلے تو دل کو جلایا اُسکے بعد جگر کو خاک کیا۔ اور کمال کی بات یہ ہے کہ دل کو جلاتے ہی فوراً جگر کی طرف دوڑ گئی اور جلا ڈالا۔ دل کو ایک گھر جگر کو دوسرا گھر فرض کیا ہے۔

اُستاد۔ آپ کا مطلب واضح نہ ہوسکا۔ پھر لفظ (مابعد) بہت ثقیل اور بھدا لفظ ہے جس کی غزل متحمل نہیں ہوتی۔ اس کو یوں بدلیے۔ اور پڑھیے ؎

آتشِ حسن سے دل پہلے جلا بعد جگر ایک سے دوڑ گئی دوسرے کاشانے میں

مولانا۔ بہت خوب۔

دن تو یادِ رخِ محبوب میں ہوتا ہے تمام (۷) شب گزرتی ہے وہاں زلف کے سلجھانے میں

اُستاد۔ ذرا اس شعر کا بھی مطلب بیان کیجیے۔

مولانا۔ میں نے اس خیال کو نظم کیا ہے کہ میرا دن اُن کے یعنے محبوب کے چہرے کی یاد میں ختم ہو جاتا ہے۔ یعنے میں دن بھر اُن کے رُخ زیبا کو یاد کیا کرتا ہوں۔ (چونکہ رُخ کو آفتاب اور دن سے تشبیہ دیتے ہیں اس لیے میں نے بھی رعایت کی ہے)۔ اور محبوب کی رات زلف کے سلجھانے میں یعنے زیب و زینت میں ختم ہوتی ہے۔ رات بھر بال بناتے گزرتی ہے۔ چونکہ زلف کو شب سے تشبیہ دیتے ہیں اس لیے رعایتاً میں نے نظم کیا۔ اور تو کوئی خاص بات نظم نہیں ہے۔

اُستاد۔ خیال آپ کا بالکل درست، تشبیہات قطعاً صحیح، صرف عنوانِ ادا درست نہیں۔ ابھی آپ کو الفاظ نہیں ملتے۔ ربط لگاؤ ایک دوسرے میں نہیں ہوتا۔ خیر، اگر آپ کہتے رہے اور اصلاح لیتے رہے تو کچھ ہو جائیے گا۔ میں خود تو کسی قابل نہیں ہوں۔

مولانا۔ اے معاذ اللہ، آپ یہ کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ آپ اگر کسی قابل نہیں تو پھر شہر میں کون کسی قابل ہے۔ اگر زندہ رہا تو عمر بھر بغیر حضور کی اصلاح کے ایک شعر بھی نہ پڑھوں گا۔ میں اُن لوگوں میں نہیں کہ یہ طے کر لوں کہ اب تو ممتاز الافاضل، فاضل، صدر الافاضل، سند الافاضل، دبیر کامل، منشی کامل، فاضل فقیہ، فاضل تفسیر، فاضلِ ادب ہو چکا ہوں۔ مجھے اُردو ادب یا شاعری میں اصلاح کی حاجت نہیں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ عمر بھر اصلاح کی ضرورت ہے۔ چونکہ یہاں کا باشندہ نہیں ہوں اسلیے سمجھتا ہوں کہ کبھی محاورات و زبان پر قادر نہیں ہو سکتا اور نہ زبان کی موچ نکل سکتی ہے۔

اُستاد۔ خدا آپ کو زندہ رکھے کہ آپ میں اتنا امتیاز تو ہے۔ انھیں کہیے جنھوں نے بغیر نجات سے آکے دنیاوی ترقی کر کے زبان اُردو پر قبضہ مخالفانہ کیا ہے۔ اور دعویٰ یہ ہے کہ ہم اہلِ زباں ہیں،

ہم سے بہتر زبان وادب کا جاننے والا سارے لکھنؤ میں کوئی نہیں - مولانا یقین مانیے کہ بقول آپ کے ابھی زبان کی مونچھ بھی نہیں نکلی ہے کہ (طاق پر کتاب رکھی ہے) کو (طاق پہ کتاب رکھی ہے) بول جاتے ہیں اور کوس لمن الملک بجاتے ہیں - اور دنیا کی اندھی تقلید والے - اُن کو زبان اُردو کا ذمہ دار مانتے ہیں -

خیر، کہاں سے کہاں سلسلۂ گفتگو پہونچ گیا - آپ نے شعر کے دو حصے کیے ہیں پہلے مصرع میں اپنے متعلق، دوسرے میں محبوب کے متعلق نظم کیا ہے - چونکہ دوسرے مصرع میں وہاں کا لفظ ہے اسلیے آپ کو اپنی طرف اشارہ کرنے کے لیے یہاں کا لفظ لانا چاہیئے تھا - دوسرے مصرع میں شب گزرنے سے زیادہ اچھا 'رات کٹتی ہے' بنا دیجیے - کیونکہ پہلے مصرع میں دن کا لفظ ہے - دن کا جواب رات ہے - روز کا جواب شب ہے لہذا یوں بدل دیجیے ؎

یاد میں رُخ کی یہاں دن ہوا کرتا ہے تمام رات کٹتی ہے وہاں زلف کے سُلجھانے میں

اب آپ کا شعر مکمل ہوگیا - اور پڑھیے -

مولانا - درست، بجا ارشاد ہے - سبحان اللہ -

دیکھ کے خونِ جگر دشت میں فرماتے ہیں (۸) ہوگیا قتل مسافر کوئی ویرانے میں

اُستاد - غنیمت ہے لیکن قدرے تغیر کا محتاج - یوں بدل دیجیے تو شعر غنیمت ہوجائے ؎

کہتے ہیں دیکھ کے جنگل میں مرا خونِ جگر ہوگیا قتل مسافر کوئی ویرانے میں

اور پڑھیے -

مولانا - بہت خوب -

یاد رہتی ہے مجھے یوں تو نصیحت ناصح (۹) سہو ہوجاتا ہے پر جاتے ہی میخانے میں

اُستاد - یہاں پر 'سہو ہوجانا' ثقیل ہے - شعر اور سب طرح درست ہے - مصرع ثانی میں کچھ تغیر کیجیے تاکہ نرمی پیدا ہو - میری ہدایت ہمیشہ یاد رکھیے گا جہاں تک ہوسکے زبان نرم رہے - ادبیت اسی کا نام ہے سُننے والے یہ نہ کہہ سکیں کہ شعر کہا ہے یا لٹھ گھمایا ہے - لہذا یوں

بدل دیجیے۔ اور پڑھیے ؎

یاد رہتی ہے مجھے یوں تو نصیحت ناصح بھول جاتا ہوں مگر جاتے ہی میخانے میں

مولانا۔

دل میں رہنے پہ بھی کیا کیا نہ جلایا تم نے (۱۰) جان کے آگ لگاتے نہیں کاشانے میں

اُستاد۔ یہ شعر کاٹ دیجیے۔ ٹھیک نہیں ہے۔

مولانا۔ میں سمجھنا چاہتا ہوں، تاکہ آیندہ ایسی غلطی نہ کروں جو اس شعر میں موجود ہے؟

اُستاد۔ آپ کو کیا سمجھاؤں کہ اس شعر میں کیا بات ہے۔ یاد رکھیے شعر ہی ایسی چیز ہے جو اُستاد اپنی رائے سے نظری کر دیتا ہے اور سمجھانا مشکل ہوتا ہے۔ آپ جب کہنے لگیں گے تو خود معلوم ہو جائے گا کہ اس شعر میں کیا عیب ہے۔ بہت سی ایسی باتیں ہوتی ہیں جو سمجھائی نہیں جا سکتیں۔

مولانا۔ بظاہر تو کوئی عیب معلوم نہیں ہوتا۔ یوں حضور جیسا فرمائیں۔

اُستاد۔ (قدرے غیظ کی نظر سے مولانا کو دیکھتے ہوئے) تو پھر اپنی مرضی پہ شعر رہنے دیجیے۔ جب کسی سمجھدار کو سنائیے گا تو وہ ہنس دے گا۔

مولانا۔ (سر جھکا کے) عرض کرنا بے ادبی ہے لیکن خاطر جمعی نہیں ہوئی۔

اُستاد۔ (اچھے خاصے غصے کے لہجے میں) تو پھر سمجھ ہی لیجیے۔ سُنیے۔

مصرع اول میں یہ نہ پتا چلا کہ حقیقتاً محبوب کس کے دل میں رہا۔ آپ کے دل میں یا احمد، محمود کے دل میں رہا یا میرے دل میں رہا بہر طور ایک تو یہ نہ طے پا سکا کہ کس کے دل میں رہا دوسرے جلانے کے معنے تکلیف دینا، کوفت دینا کے ہیں آگ لگانے کے معنے نہیں۔ پھر مصرع ثانی میں الگ سے کہہ دیا کہ دیکھو کسی گھر میں جان کے آگ نہیں لگاتے۔ آپ نے جلانے کے لفظ سے فائدہ اُٹھایا یہ فائدہ یہاں نہیں اُٹھایا جا سکتا ایک مصرع سے کچھ مفہوم نکل رہا ہے دوسرے مصرع سے کچھ مطلب پیدا ہو رہا ہے۔ مزید یہ کہ کوئی خاص بات

پورے مطلب سے نہیں نکل رہی ہے۔ شعر کی تعریف یہ ہے کہ کوئی معنے تو قرینہ سے نکل رہے ہوں۔ یہاں یہ سب مفقود۔ اب آپ کی سمجھ میں آیا۔ اور پڑھیے۔

مولانا۔ جی ہاں، اب سمجھ میں آگیا۔ واقعاً بالکل مُہمل و بے معنے شعر ہے۔ یہ کہہ کے شعر مولانا نے کاٹ دیا۔

داخلِ عہد ہے پابندیِ اُلفت ورنہ (۱۱) بیڑیاں توڑنے کا زور ہے دیوانے میں

اُستاد۔ یہ شعر آپ نے اچھا کہا (سنتے ہوئے) ایسے شعر کہا کیجیے۔

مولانا۔ (تسلیم کرتے ہوئے) سب حضور کا تصدق ہے، میں کس قابل ہوں۔

اُستاد۔ شعر تو واقعاً بہتر ہے، خیال نازک ہے۔ مگر ایک لفظ کی کسر ہے۔ اگر وہ لفظ رکھ دیا جائے تو بہت بہتر ہے۔

مولانا۔ ضرور ارشاد ہو۔

اُستاد۔ لفظ عہد کاٹ کے لفظ وضع لکھ دیجیے تو شعر بہت بلند ہو جائے۔ اور پڑھیے۔

مولانا۔ (پھڑک اُٹھے) سُبحان اللہ کیا نکتہ رکھا ہے۔ اب شعر کی ترقی کی واقعاً انتہا نہیں یہ کہہ کے لفظ بدلا ہوا شعر پڑھا ؎

داخلِ وضع ہے پابندیِ الفت ورنہ بیڑیاں توڑنے کا زور ہے دیوانے میں

مقطع

اُن کے کوچے سے نکلنے کا وہی غم ہے شوآر (۱۲) تھا جو فردوس سے آدمؑ کو چلے آنے میں

اُستاد۔ ہائیں، غزل ختم ہوگئی۔ بس ؟

مولانا۔ جی، صرف بارہ شعر کہہ سکا۔

اُستاد۔ (اچھا کہہ کے) مقطع صحیح ہے رہنے دیجیے۔

دلچسپ معلومات نمبر ۱

مولانا۔ (سلام کرکے غزل تہہ کرکے جیب میں رکھ کے اور تھوڑا سا پیچھے ہٹ کے بیٹھ گئے)

اب حضور کا مزاج سامی کیسا رہتا ہے؟

اُستاد۔ کیا پوچھتے ہیں۔ یک پیری و صد عیب۔ ہم لوگ چراغ سحری ہیں۔ خدا معلوم کب سفر کر جائیں۔ ع آئے نہ آئے دم کا بھلا اعتبار کیا

مولانا۔ خدا نہ کرے کہ آپ ایسے باکمالوں سے دُنیا خالی ہو جائے۔ خدا صد وسی سال سلامت رکھے۔ آپ ایسے حضرات کے بعد دنیائے شاعری کا چراغ گل ہو جائے گا۔

اُستاد۔ دنیائے شاعری کے انقلاب نے کمر توڑ دی۔ اُردو زبان مٹ رہی ہے۔ محاورات نئے نئے بن رہے ہیں۔ تہذیب کا خاتمہ ہوا جاتا ہے۔ ہر شخص اُستادی کا دعویٰ کر رہا ہے مشاعروں میں اب غزلیں پڑھی نہیں جاتیں بلکہ گائی جاتی ہیں۔ میں نے تو مشاعروں میں جانا ترک کر دیا۔ شعر ایسے پڑھے جاتے ہیں جن کا سر و پا نہیں۔ قواعد کی پابندیاں نہیں۔ بڑے مشاعروں میں عموماً صدارت کا جھگڑا نکالا گیا ہے۔ جنھیں موزوں پڑھنے کا سلیقہ نہیں۔ دولتمند ہونے کی وجہ سے صدر بنائے جاتے ہیں۔ بخدا صحیح کہتا ہوں اگر پچیس ۲۵ برس قبل کسی مشاعرے میں کوئی صاحب غزل دُھن میں پڑھ دیتے تو پورا مشاعرہ اُٹھ جاتا۔ یا صدارت کی خبر ہوتی تو کوئی شریک نہ ہوتا۔ صاحب، غضب کی بات ہے کہ شعرا پر بلا وجہ پابندی عائد کی گئی ہے کہ جان دے کے شعر کہیں اور دست بستہ صدر سے اجازت ضرور لیں۔ اسکے معنے یہ ہوئے کہ اگر صدر اتفاق سے اجازت نہ دے تو غزل پڑھ نہیں سکتے۔ ایسی غیر مہذب بزم میں کون شرکت کرے مگر اب سب عادی ہو گئے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

خدا ایسے وقت میں جلد اُٹھا لے تو بہتر ہے۔

مولانا۔ یہ سب باتیں حضور درست فرما رہے ہیں۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اُستاد کے ایک دوست جو لکھنؤ کے نواب، ممتاز حیثیت رکھتے تھے تشریف لائے۔ اُستاد جلدی سے کھڑے ہو گئے، مولانا بھی کھڑے ہو گئے۔

رئیس۔ تسلیمات عرض کرتا ہوں۔

اُستاد۔ کورنش بجالاتا ہوں۔ تشریف لائیے۔
رئیس۔ قریب بیٹھتے ہوئے۔ بھئی آج دیکھنے کو دل چاہا، بہت دن سے ملاقات نہیں ہوئی تھی چلا آیا۔ آپ کیسے ہیں؟
اُستاد۔ اب تو خدا کا فضل ہے۔
رئیس۔ الحمد للہ۔ اور محل میں سب خیریت ہے؟
اُستاد۔ سب آپ کی دعا ہے۔
رئیس۔ (مولانا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) آپ کی تعریف؟
اُستاد۔ آپ بہت قابل و فارغ التحصیل ہیں۔ آپ کا وطن صوبۂ بہار میں ہے۔ مجھ سے غزل میں مشورہ فرماتے ہیں۔
رئیس۔ بجا ہے۔ کیا آج بھی غزل بنوانے کے لیے تشریف لائے ہیں۔
مولانا۔ جی، غزل بنوالی (یہ کہہ کے تعارفی سلام کیا)۔
رئیس۔ تسلیمات۔ جناب کی غزل میں بھی سُن سکتا ہوں؟
مولانا۔ اُستاد کی طرف دیکھنے لگے۔
اُستاد۔ سُنا دیجیے۔ اب تو آپ کی غزل بن گئی۔
رئیس۔ اپنا شعر پڑھ کے اصلاح پڑھیے گا تو لطف آئے گا۔ یہ بھی اندازہ ہو سکے گا کہ جناب نے کیا فرمایا اور ہمارے قبلہ نے کیا اصلاح فرمائی۔
اُستاد۔ میرے خیال میں اصلاحی غزل سماعت فرمایئے۔ آپ کا وقت عزیز ضائع ہوگا۔
رئیس۔ میرے پاس وقت کی کمی نہیں صرف آپ کی زحمت کا خیال ہے۔
اُستاد۔ اے سبحان اللہ، آپ تشریف رکھیں اور مجھ کو زحمت ہو۔ مجھے بھی دنیا کا کوئی کام نہیں نہ کہیں آؤں نہ جاؤں۔ مہینوں نخاس کی طرف جانا نہیں ہوتا۔ برسوں سے امین آباد نہیں گیا۔ ایک دن ڈھائی سال ہوئے گیا تھا وہاں دنیا دوسری نظر آئی۔ عجب طرح کی عمارتیں دیکھیں۔

دریافت سے معلوم ہوا کہ ممالک امریکہ کے مکانات کا نمونہ ہیں۔ کیا عرض کروں کہ دیکھ کے کس قدر نفرت ہوئی۔ خیال ہوا کہ اللہ، یہ وہی لکھنؤ ہے یا کسی دوسرے شہر میں آیا ہوں۔ صرف جناب کے یہاں یا اشرف الدولہ بہادر کے یہاں کبھی کبھی چلا جاتا ہوں۔ ورنہ سوائے گھر کے اور اللہ کے کوئی کام نہیں۔ تلامذہ سے بار بار کہا کہ اب دماغ کام نہیں دیتا مجھے چھوڑ دیئے۔ وہ نہیں مانتے بخدا جناب یقین مانیں اب دماغ کی یہ نوبت پہونچ گئی ہے کہ املا یاد نہیں رہا۔ بعض و قسم مسائل بھول جاتا ہوں۔ اگر مشق کافی نہ ہوتی تو شاید اصلاح بھی نہ دے سکتا۔ ایک تو کچھ آتا نہ تھا دوسرے بقول شاعر ع وہ بھی بھول گئے مہرباں جو کچھ کہ ہم کو یاد تھا

رئیس۔ واللہ جناب بالکل صحیح و درست فرماتے ہیں۔ زمانہ بدل گیا۔ ہمارے آپ کے خیال کے لوگ تالکٹورہ کی کربلا، امین الدولہ بہادر کی کربلا، اور دیگر مقامات پر جا کے موت کی گہری نیند سو رہے ہیں۔ یہ برا وقت دیکھنے کو ہم آپ رہ گئے۔ میں بھی کہیں نہیں جاتا۔ حتی الامکان نہ تو کسی شادی میں جاتا ہوں، نہ دعوت میں۔ تہذیب کے بدلنے نے لکھنؤ کا خاتمہ کر دیا۔

ابھی مہینہ بھر کا عرصہ ہوا ایک دوست کے صاحبزادے کے یہاں دعوت میں گیا تھا۔ وہ کسی بڑے عہدے پہ ملازم ہوئے ہیں کیا بیان کروں جو کچھ تکلیف دل کو پہونچی ہے۔ فرش تو زمین ہی کا تھا، میز کرسی نہ تھی۔ خدا معلوم کس مجبوری سے یہ صورت اختیار کی گئی تھی۔ سب سے پہلی بات تو یہ تھی کہ میرے ہمخیال مشکل سے تین چار صاحب تھے باقی سب کوٹ، پتلون والے آڑے بیٹھے ہوئے تھے۔ کیونکہ پتلون پرانی تہذیب کے ساتھ بیٹھنے ہی نہیں دیتا۔ دوسرے یہ کہ ابھی دسترخوان چنا بھی نہیں گیا تھا نہ کسی نے بسم اللہ کہی تھی کہ سب نے کھانا کھانا شروع کر دیا۔ میرے آئے حواس جاتے رہے، پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ تیسرے یہ کہ ایک پہ ایک ہڈیاں کھینچ کے مار رہا تھا۔ کوئی کسی پہ چپاتی پھینکتا تھا۔ کوئی کسی کے آگے سے بوٹی اٹھا لیتا تھا۔ کیا بیان کروں میرے حلق سے نوالہ نہ اترتا تھا۔ مجبوری دکھانے کے لیے تھوڑی غذا بکراہت کر لی اور رنگ دسترخوان دیکھتا رہا کہ بغیر ایک نے دوسرے کا انتظار کیے اٹھنا شروع کر دیا۔

ہیں اور میرے بھیاں پرانی تہذیب والے ایک دوسرے کو دیکھا کیے آخر میں نے مجبوری اُٹھ کے ہاتھ، منہ دھویا اور بغیر پان کھائے واپس چلا آیا۔ اب طے کر لیا ہے کہ کہیں دعوت میں نہیں جاؤنگا۔

اُستاد۔ جناب بالکل بجا فرماتے ہیں۔ اب لکھنؤ رہنے کے قابل نہیں رہا انگریزی پڑھ کے دماغ کا توازن صحیح نہیں رہا۔ جناب میں تو دعا کرتا ہوں کہ خدا جلد عزت کے ساتھ اُٹھالے (یہ کہہ کے ٹھنڈی سانس بھری)۔

رئیس۔ (مولانا کی طرف دیکھ کے) ہاں جناب پھر ارشاد ہو؟

مولانا۔ بہت خوب (یہ کہہ کے غزل شروع کی۔ پہلے اپنا شعر پڑھتے تھے پھر اُستاد کی اصلاح پڑھتے تھے۔ رئیس واہ واہ کرکے جھومتے جاتے تھے اور اصلاح کی تعریف کرتے جاتے تھے۔ اُستاد جھک جھک کے سلام کرتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ کس قابل ہوں، مجھے خود مصرع بھی لگانا نہیں آتا۔ رئیس جواب میں کہہ رہے تھے کہ "کیا فرماتے ہیں جناب۔ اب ہے کون۔ آپ اُستاد گر ہیں"۔ اُستاد کہہ رہے تھے "سب جناب کا حُسنِ ظن ہے"۔ یہاں تک کہ غزل ختم ہوئی۔ رئیس نے مولانا کی بہت تعریف کی اور کہا کہ آپ کچھ ہو کے رہیں گے۔ بہت طبیعت دار ہیں۔ کیوں نہ ہو، آپ شاگرد کس کے ہیں۔

مولانا۔ (جھک کے سلام کرکے) سب اُستاد معظم کا صدقہ ہے۔

ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ملازم نے نہایت نفیس بسا ہوا حُقہ رئیس کے سامنے لاکے لگا دیا۔ رئیس نے اُستاد کو سلام کیا۔ (یہ لکھنؤ کی پرانی تہذیب ہے) خاصدان پیش کرکے ملازم پچھلے قدم کمرے سے باہر چلا گیا۔

اُستاد۔ جناب پان نوش فرمائیں۔

رئیس۔ حقہ خوشبو دے رہا ہے، دَم کھا چکا ہے، چار کش پی لوں تو پان کھاؤں کیونکہ مجھے ایک وقت میں دونوں چیزیں اچھی نہیں لگتیں۔ یا پان کھاتا ہوں یا حُقہ پیتا ہوں۔ ایک بات قابل دریافت تھی خوب یاد آ گئی۔ یہ فرمائیے کہ سطح کا لفظ مذکر بولا جاتا ہے یا مؤنث۔

اُستاد - قبلہ، ہمیشہ سے تو یہی سنتا آیا کہ (وہاں کا سطح بلند ہے) اب بیرونجات کے طلبہ نے مدرسوں میں تعلیم پانے کے بعد مجالس کی خوانندگی شروع کی - برابر یہی بولتے ہیں کہ (وہاں کی سطح اچھی ہے، وہاں کی بری ہے) کسی اُستاد نے مؤنث استعمال نہیں کیا میرے نزدیک مذکر ہے۔

رئیس - کوئی مثال جناب کو یاد ہے؟

اُستاد - (قدرے سکوت کے بعد) جی، خواجہ وزیر کے مطلع کا ایک مصرع یاد آگیا وہ یہ ہے ع

یوں روؤں آسماں سے ملے سطح آب کا

رئیس - ایک تو آپ کے فرمانے پر ہی طے کر چکا تھا کہ لفظ سطح مذکر ہے کیونکہ جناب کا فرمانا قطعاً مستند ہے۔ دوسرے مثال نے بالکل اطمینان دلا دیا۔

اُستاد - اور اساتذہ کے شواہد بھی پیش کر سکتا ہوں۔ مثلاً حضرت مؤدب مدظلہ کے مرثیے کا مصرع ہے۔ ع ہے سطح آب نہر کا لوحِ جبینِ نور

رئیس - جی، اب کسی مثال کی ضرورت نہیں۔

مولانا - (دست بستہ) حضور کا قطع کلام ہوا۔ میں ابتک مؤنث سمجھتا تھا۔ اس وقت مطلب صاف ہو گیا۔ (یہ کہہ کے اُستاد کی طرف جوڑے ہوئے ہاتھوں کو موڑ کے) اجازت چاہتا ہوں؟

اُستاد - اچھا، سدھاریے۔

مولانا کھڑے ہو کے دونوں کو باادب سلام کرتے ہوئے کمرے کے باہر چلے گئے اور بوٹ پہن کے پھاٹک سے نکل کے مدرسے کی راہ لی۔ نہایت خوشی خوشی روانہ ہوئے۔ تھوڑی دیر کے بعد مدرسے پہونچے۔ کمرے میں داخل ہو کے کپڑے اُتارے۔ پلنگ پر لیٹ کے مصرع طرح نکالنے لگے۔

یہاں تھوڑی دیر کے بعد رئیس اُستاد سے رخصت ہوئے۔ زمانے کو قیام نہیں دن گزرنے لگے۔ وہاں نواب برابر قاری یعقوب علیخاں صاحب کے یہاں علم عروض پڑھنے جاتے ہیں غزل تیار ہو چکی ہے کہ ہفتے کے روز صبح کو نواب اپنی نئی غزل لیے ہوئے نہایت خوش و خرم

لکھنؤ کا پُرانی وضع کا حسین لباس پہنے ہوئے اُستاد کے یہاں پہونچ گئے۔ اُستاد کمرے میں بیٹھے ہوئے معیار الاشعار کا مطالعہ فرما رہے تھے۔

نواب۔ آداب تسلیمات بجالاتا ہوں۔

اُستاد۔ تسلیم۔ آیئے، میں تو انتظار ہی کر رہا تھا۔

نواب۔ حاضر، کہتے ہوئے سامنے با ادب بیٹھ گئے اور جیب سے غزل نکال کے پیش کی۔

اُستاد۔ آپ ہی پڑھتے جایئے، میں بناتا جاؤں۔

نواب۔ بہت خوب۔

اصلاح نمبر ۱

غزل نواب

مطلع

دَم نکلتے وقت مِل لو طالبِ دیدار سے (۱) ہے ہے دُنیا چھُٹ رہی ہے ہجر کے بیمار سے

اُستاد۔ یہ پتہ نہ چلا کہ کس کا دَم نکل رہا ہے۔ عاشق مر رہا ہے یا معشوق؟

نواب۔ جی، عاشق مر رہا ہے معشوق کیوں مرنے لگا۔ حضور سمجھا بھی چکے ہیں۔

اُستاد۔ (مُسکراتے ہوئے) خیر، ایک دن مرنا تو سب کے لیے لابدی ہے لیکن آپ کا مطلع نہیں بتاتا۔ دَم نکلتے وقت مِل لو یعنے مرتے وقت مل لو۔ یہ نکلتا ہے واضح ہونا چاہیئے کہ کس کا دَم نکل رہا ہے، کون مر رہا ہے۔ یہ سخت عیب ہے کہ واضح نہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ (ہے ہے) کا صَرف بالکل زائد۔ یہاں کوئی تُک ہی نہیں۔ (ہے ہے) کے صَرف کے مقامات خاص ہوتے ہیں جیسا کہ جناب تعشق کے مرثیے کی ایک بیت ہے جناب سید الشہدا زبردست جنگ فرما رہے ہیں، فوج شام ہر چہار طرف سے حملہ کر رہی ہے۔ تیر، تلوار، نیزہ، برچھی کے زخم کھا رہے ہیں۔ فِضّہ، جناب سیدہؑ کی لونڈی جس نے گودی میں کھلایا اور محنت سے پالا ہے۔ وہ خیمہ سے نکل آئی ہے اور حسینؑ کی مجبوری و بیکسی کو دیکھ کے گھبرا کے کہتی ہے تعشق

فردوس کے میوے جیسے آتے ہوئے دیکھوں ہے ہے میں اُسے برچھیاں کھلتے ہوئے دیکھوں

زیادہ تر عورت کی زبان سے (ہے ہے) کا صرف اچھا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اساتذہ مستند لکھنؤ نے (ہے ہے) کا صرف مرد کے لیے جائز قرار دے کے بھی نظم کیا ہے۔ آپ یوں بدل دیجیے ؎

ختم ہے جل جاؤ آ کے طالبِ دیدار سے آج دنیا چھوٹتی ہے ہجر کے بیمار سے

نواب۔ مطلع

دل نے ضد کی ہجر میں اُس غیرتِ گلزار سے (۲) رات بھر چمٹا رہا اُن کے گلے کے ہار سے

اُستاد۔ عجب ترکیبِ بندش کا شعر آپ کہتے ہیں۔ مطلب ادا ہی نہیں ہوتا۔ دل کا ضد کرنا۔ پھر چمٹنا۔ یاد رکھیے۔ جو جہاں لفظ صرف کرنے کا ہوتا ہے وہیں اچھا بھی معلوم ہوتا ہے یہاں چمٹنا بالکل غیر فصیح۔ لپٹنا فصیح ہے۔ شعر مجموعی حیثیت سے ناکمل۔ یوں مصرع لگائیے ؎

دل بلا پر دے بین جا کے غیرتِ گلزار سے رات بھر لپٹا رہا اُن کے گلے کے ہار سے

نواب۔ مطلع

گیسو کی بدلی گھری ٹپکا عرق رخسار سے (۳) خوب بھیگا پھول سا رُخ حسن کی بوچھار سے

اُستاد۔ میں غالباً آپ کو سمجھا چکا ہوں پھر بھی یاد نہ رہا۔ آپ نے گیسو کا واؤ گرا دیا۔ مصرع ناموزوں ہو گیا۔ حروفِ اصلی کا گرنا صحیح نہیں۔ آپ عروض پڑھنے جاتے ہیں؟

نواب۔ جی، روزانہ جاتا ہوں برابر سبق ہو رہا ہے۔

اُستاد۔ پھر واؤ کیوں گرا؟ تقطیع کیجیے۔

نواب۔ ابھی بحر تک نہیں پہونچا۔

اُستاد۔ خیر۔ آئندہ آپ کو سمجھا دوں گا۔ یہ شعر تو کاٹ دیجیے۔

نواب یہ سمجھ کے لائے تھے کہ شعر بہت عمدہ ہے۔ مجبوراً بہت خوب کہہ کے شعر کاٹ دیا۔

نواب - مطلع

کروٹیں لے کے زمیں کہتی ہے کوئے یار سے (۴) حشر آجانے کا ڈر ہے شوخیِ رفتار سے

اُستاد - یہ مطلع غنیمت ہے رہنے دیجیے - اور پڑھیے -

نواب - مطلع

میرے دل کو چھین کے وہ گویا ہیں اغیار سے (۵) دیکھیے کیسا لائے ہم پھول عشق کے بازار سے

اُستاد - آپ نے اس غزل میں مطلعوں کے انبار لگا دیے - یہ چوتھا مطلع ہے ؟

نواب - جی، پانچواں مطلع ہے - ایک مطلع نظری ہو گیا -

اُستاد - خوب - واقعاً دریا بہا دیے - آپ کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے میرا بتانا ضروری ہے - پہلے مصرع میں (گویا) کا الف گر گیا - حرف اصلی کا گرنا ناجائز - یوں بدل دیجیے - (گویا) پہلے لائیے اور (وہ) بعد کو - لکھیے - مصرع یوں کیجیے - ع

میرے دل کو چھین کے گویا وہ ہیں اغیار سے

دوسرے مصرع میں بھی عیب بیّن موجود ہے وہ یہ کہ عشق گر گیا لہٰذا ناموزوں ہوا - یوں بدل دیجیے ؎

میرے دل کو چھین کے کہتے ہیں یہ اغیار سے توڑ کے ہم لائے ہیں گل عشق کے بازار سے

نواب - شعر

ایک یوسفؑ شکل کی الفت نے دیوانہ کیا (۶) عشق کا سامان لائے حُسن کی بازار سے

اُستاد - پہلے مصرع میں یوسفؑ شکل نامناسب ہے - بہتر ہے کہ مصرع کو یوں کیجیے - ع

چاہ نے اک غیرتِ یوسفؑ کی دیوانہ کیا

چونکہ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے دشمنی سے جو گیارہ تھے - حضرت یوسفؑ کو کنوئیں میں گرا دیا تھا اور باپ سے یعنے حضرت یعقوبؑ سے آ کے کہدیا تھا کہ یوسفؑ کو بھیڑیا اُٹھالے گیا - جناب یعقوبؑ اپنے فرزند یوسفؑ کو بہت زیادہ عزیز رکھتے تھے - حضرت یوسفؑ سب بھائیوں میں

بلکہ اُس وقت تمام جہان کے حسینوں میں ایک حسین تھے۔ اُسکے بعد تاجر لوگ کنویں پر آئے پانی بھرنا چاہا۔ ڈول ڈالا۔ حضرت یوسفؑ نے ڈول پکڑ لیا جب تاجروں کو معلوم ہوا کہ اس کنویں میں انسان ہے تو انھوں نے نکالا اور بازار مصر میں غلاموں کی صف میں لے جا کے بٹھایا۔ یوسفؑ بکے۔ بادشاہ مصر کے غلام ہوئے۔ زلیخا عاشق ہوئی جو زوجہ بادشاہ مصر تھی۔ مختصر یہ کہ حضرت یوسفؑ کے لیے چاہ کا لفظ بہت مناسب ہے۔ کیونکہ فارسی زبان میں چاہ کنویں کو کہتے ہیں اور چاہ کے معنے اردو میں محبت کے ہیں۔ لہذا مصرع بہ نسبت پہلے کے زیادہ بہتر بھی ہو گیا۔

دوسرے مصرع میں (سامان لائے) کی جگہ سودا لائے بہتر ہوتا۔ سودا کا لفظ اسلیے بہتر ہے کہ پہلے مصرع میں دیوانہ کا لفظ ہے۔ دیوانہ سودائی ہوتا ہے۔ سودا بازار میں ملتا ہے۔ یوسفؑ کے لحاظ سے بازار بھی مناسب ہے کیونکہ حضرت یوسفؑ بازار مصر میں فروخت ہوئے تھے۔ لہذا سودا کا لفظ آنا بجائے سامان کے زیادہ اچھا بلکہ ضروری ہے۔

نواب ۔ سرکار، سامان اور سودے میں تو کوئی فرق نہیں؟

اُستاد ۔ سامان عام ہے۔ ہر شے کو سامان کہا جاتا ہے۔ سودا صرف کھانے پینے کی شے وہ بھی جنس کہی جاتی ہے۔ درحقیقت رعایت لفظی یہاں مقصود ہے۔ سودا ایک خلط کا نام ہے۔ اخلاط چار ہیں۔ سودا، صفرا، بلغم، خون جن کی کمی و بیشی سے انسان بیمار ہو جاتا ہے منجملہ اُن کے سودے کی زیادتی دیوانہ بنا دیتی ہے۔ یہ سب مناسبات ضروری ہیں۔ یہ ترکیبیں پرانی ہیں۔ شعر مکمل نہیں ہوتا جب تک رعایات و مناسبات کا لحاظ نہو۔ آجکل کی شاعری نہیں کہ بزم ہے تو شمع نہیں۔ دیوانہ ہے تو بہار و سودا وغیرہ کا تذکرہ نہیں۔ دن کا ذکر کرتے ہیں رات معلوم ہوتا ہے۔ رات کا تذکرہ کرتے ہیں دن معلوم ہوتی ہے۔ شمع کا ذکر کرتے ہیں پروانہ نہیں لاتے۔ بہر طور مصرع ثانی یوں بدلیے۔ ع

عشق کا لائے ہیں سودا حُسن کے بازار سے

نواب۔ حسن کی بازار سے ؟
اُستاد۔ حسن کی نہیں۔ حسن کے بازار سے۔
نواب۔ لوگ تو بازار کی بولتے ہیں۔ جیسے راجہ کی بازار۔
اُستاد۔ بازاری لوگ بولتے ہیں۔ عوام کا اعتبار نہیں بازار قطعاً مذکر ہے۔ خدائے سخن حضرت تعشق مرحوم کے مرثیے کی ایک بیت کا دوسرا مصرع یاد آگیا جو گھوڑے کی تعریف میں ہے۔

ع گرم بازارِ اجل تھا تو اُڑا جاتا تھا

لہذا شعر یوں بدل دیجیے ؎

چاہ نے اک غیرتِ یوسفؑ کی دیوانہ کیا عشق کا لائے ہیں سودا حسن کے بازار سے

نواب۔
شعر
گل کا دامن جب ذرا سرکا ہوا سے باغ میں (۷) آسکے بلبل نے برابر کر دیا منقار سے
اُستاد۔ یہ شعر کاٹ دیجیے (برابر کردیا منقار سے) کا ٹکڑا قدرے مذموم ہے۔ اور پڑھیے۔
نواب۔ بہت خوب۔
شعر
مجھ سے اہلِ دل نے جب پوچھا کہ کیوں بیمار ہو (۸) بے تحاشا دل پکار اٹھا کہ ہجرِ یار سے
اُستاد۔ دونوں مصرعوں میں لفظ دل اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ یہ سستی نظم کی علامت ہے جہاں تک ممکن ہو تکرار لفظ نہ ہونا چاہیئے۔ وہ اور مقامات ہیں جہاں تکرار بہتر معلوم ہوتی ہے مثلاً جناب صفی ظلہ کا مطلع۔ اس میں (یہی) کی تکرار ہے لیکن کس قدر بھلی معلوم ہوتی ہے ؎

یہی خیال رہا ہم جو زہر کھا نہ سکے یہی کہے گا زمانہ کہ ناز اُٹھا نہ سکے

لہذا مصرع یوں بدل دیجیے ؎

جب یہ اہلِ درد نے پوچھا ہے چہرہ زرد کیوں بے تحاشا دل پکار اُٹھا کہ ہجرِ یار سے

دوسرا شعر پڑھیے۔ چاہتا ہوں غزل جلدی بتادوں۔ مجھے جناب عزیزؔ لکھنوی کے یہاں جانا ہے۔ کچھ شاعر جمع ہوں گے۔

نواب
شعر
دے کے گردش مار ڈالا اُس ستم ایجاد نے (۹) مفت لے لی جان تیغِ ابروئے خمدار سے
اُستاد۔ غنیمت ہے۔ رہنے دیجیے۔ اور پڑھیے۔
نواب۔
شعر
جو ادا تم نے دکھائی اُس نے فوراً جان لی (۱۰) ایک دل زخمی ہوا ہے تیر سے تلوار سے
اُستاد۔ دوسرا مصرع اچھا ہے۔ مگر مصرع لگا نہیں۔ تیر تلوار ثابت نہیں ہوئے۔ یوں بدل دیجیے۔ دیکھیے اب مصرع لگا ؎
قہر تھی تیغِ ادا آفت خدنگِ ناز تھا ایک دل زخمی ہوا ہے تیر سے تلوار سے
نواب۔
شعر
دین حق ہے، کفر باطل، صاف ہر دانہ کہے (۱۱) ہے خطا نسبت جو دے تسبیح کو زُنار سے
اُستاد۔ غزل کا مذہبیات سے تعلق نہ رکھنا چاہیے آیندہ خیال رکھیے گا۔ یہ شعر بھی کاٹ دیجیے۔ اور پڑھیے۔
نواب۔
مقطع
ہو مبارک سلطنت شاہانِ دُنیا کو اُمید (۱۲) کام کیا ادنا فقیروں کو بھلا دربار سے
اُستاد۔ غنیمت ہے۔ (ادنا) کی جگہ (ہم سے) لکھ دیجیے باقی درست ہے۔ مجھے اجازت دیجیے کہ ضروریات سے فارغ ہو کے وقت پر پہونچ جاؤں۔
نواب اجازت لے کے سلام کرتے ہوئے رخصت ہوئے۔

دلچسپ معلومات نمبر ۱۱

اُستاد نے حمام کیا، کپڑے بدلے، وہی پُرانا لباس، ململ کا کُرتہ، جامدانی کا انگرکھا، چالیس ہزار والی چھالٹین کا پائجامہ، پٹوں میں تیل لگا ہوا، دو پلی ٹوپی، پاؤں میں گھیتلا جوتا، گلے میں رومال بندھا ہوا روانہ ہوئے۔ پیچھے ملازم ساتھ ساتھ، وکٹوریہ گنج جناب عزیز لکھنوی کے

دولتکدے پر پہونچ گئے - وہاں پہلے سے بلیغ لکھنوی، حکیم فدا احمد صاحب دانش لکھنوی، نواب پٹن صاحب ثروت لکھنوی، نواب محسن صاحب جویا لکھنوی، محمد صاحب بہار سکریٹری انجمن معین الادب لکھنوی وغیرہ وغیرہ تشریف فرما تھے اور انتظار ہو رہا تھا - جب کوئی جناب عزیز سے پوچھتا تھا کہ آپ نے کے بجے کا وعدہ لیا تھا تو فرماتے تھے کہ میں نے گیارہ بجے کا وعدہ لیا تھا - ابھی گیارہ نہیں بجے وہ وضعدار ہستی وقت پر پہونچ جائے گی - یکایک دیکھا سامنے سے تشریف لا رہے ہیں - جناب عزیز نے کہا - دیکھیے وہ تشریف لا رہے ہیں - سب نے کہا بیشک ٹھیک وقت پر تشریف لائے -

جیسے قریب کمرے کے پہونچے سب اُٹھ کھڑے ہوئے - تسلیمات بجا لاتا ہوں، کورنش عرض کرتا ہوں، آداب بجا لاتا ہوں کی صدا سے کمرہ گونج گیا - ادھر تشریف لائیے، یہاں جلوہ فرمائیے کی آوازیں، صدر میں سب کے کہنے سے معافی مانگتے ہوئے فروکش ہوئے - اسکے بعد مزاج پُرسی کا سلسلہ شروع ہوا - سب نے اُستاد کا مزاج پوچھا - اُستاد نے سب کا مزاج دریافت کیا - پھر ایک نے دوسرے کو سلام کیا - جناب بلیغ نے حقہ بڑھایا، اُستاد نے کھڑے ہو کے سلام کر کے حقہ لیا اور پینے لگے - جناب عزیز نے دست بستہ مزاج دریافت کیا -

اُستاد - الحمد للہ، بخیریت ہوں - پیرانہ سالی کا مرض ہے اور کیا عرض کروں -

نواب بلیغ صاحب اور حکیم فدا احمد صاحب دانش نے فوراً کہا کہ یہی مرض حضور ہم کو بھی ہے کسی دوا سے فائدہ نہیں ہوتا -

پورا مجمع اس لطیف مزاح سے ہنسنے لگا -

اُستاد - اس کا علاج یہاں نہیں ہوگا - جنت میں ہوگا جب شباب پھر ملے گا -

پھر سب اس جواب پر ٹھٹھا مار کر ہنسے -

جناب عزیز - (اُستاد کی طرف دیکھ کے) آپ کے تشریف لانے سے قبل ایک زبردست بحث چھڑی ہوئی تھی - تمام شہر میں چرچے ہیں -

اُستاد - جناب وہ کیا؟

حضرت عزیز - سُنا ہے کہ کسی دن نواب ننّن صاحب رازؔ شاگرد جناب جاویدؔ نے اپنی ایک غزل اپنے گھر پر مجّن صاحب تمنّاؔ کو سُنائی اور نواب سید حضور عالم صاحب نوابؔ بھی وہاں تشریف رکھتے تھے - اتفاق سے کسی شعر میں نواب ننّن صاحب رازؔ نے (دار و مدار) صرف کر دیا تھا - پوری غزل سننے کے بعد تمنّاؔ صاحب نے خاص لہجے میں یہ مشورہ دیا کہ (دار و مدار) غلط ہے نکال ڈالیے - چونکہ دونوں ایک ہی اُستاد کے شاگرد ہیں - ننّن صاحب رازؔ کو سخت ناگوار ہوا اور تمنّاؔ صاحب سے کہا کہ ابھی بچّے ہو، کچھ دن اور اصلاح لو تو شاعری کے نکات سمجھ میں آئیں گے - تمنّاؔ صاحب کبیدہ خاطر وہاں سے اُٹھ آئے - سُنا ہے کہ نواب حضور عالم صاحب بیٹھے رہے - تمنّاؔ صاحب کے چلے جانے کے بعد رازؔ صاحب نے اس بات کی سخت کوشش کی کہ نواب صاحب کو سمجھا دوں کہ (دار و مدار) صحیح ہے -

غیاث اللغات کھولی اور (دار) نکال کے پوری عبارت بجنسہٖ سنائی وہ یہ ہے:-

(دارؔ بمعنے مطلق چوب و درخت است و نیز چوبے دراز سرکج کہ در زمین فرو بردہ وزدان و گنہ گاران را در گلو رسن بستہ بداں کشند و بعربی بمعنے خانہ و محلہ و سرائے از سراج و برہان و ہفت قلزم)

پھر حرف میم میں جلدی جلدی ڈھونڈھ کے لفظ (مدار) نکالا اور بجنسہٖ عبارت پڑھی:-

(مدارؔ جائے دور و جائے گردش از منتخب و بمعنے دائرہ و دورہ و حلقہ نیز آید)

دونوں عبارتیں سُنانے کے بعد کچھ فائدہ (دار) کی عبارت سے نکالا اور کچھ فائدہ (مدار) کی عبارت سے نکالا - انتہائی کوشش کی کہ (انحصار) کے معنے نکال لیں - پھر نواب صاحب رخصت ہو کے چلے آئے - اب جناب، لکھنؤ کے اساتذہ سے استفتے لیے جا رہے ہیں - کچھ تمنّاؔ صاحب کی تائید کر رہے ہیں - کچھ نواب رازؔ صاحب کے ہم خیال ہیں -

اُستاد - یہ فرمائیے کہ جناب کا کیا خیال ہے؟

جناب عزیز - میں اور جناب بلیغؔ صاحب اور جناب بہارؔ صاحب اور جناب آتشؔ صاحب

سب ہمخیال ہیں اور تمنا صاحب کا اعتراض بالکل درست۔

اُستاد۔ جناب حق کے ساتھ ہیں۔ واقعاً (دار و مدار) بمعنے انحصار کسی صورت سے صحیح ہو ہی نہیں سکتا گو دار بھی فارسی مدار بھی فارسی، واؤ عاطفہ بھی صحیح۔ لیکن چونکہ اہلِ ہند نے (دار و مدار) بمعنے انحصار بولنا شروع کیا اسلیے درست نہیں کیونکہ اہلِ ہند کو فارسی زبان میں تصرف کا حق نہیں ہے چونکہ واؤ عاطفہ فارسی زبان کا ہے۔ ہاں (دار اور مدار) کہنا صحیح ہوگا۔ کیونکہ اُردو کا عطف (اور) ہے۔ اگر (دار و مدار) صحیح مان لیا جائے تو (شور و غل، بین، جگر خراش) سب کو صحیح ماننا ہوگا۔

تمام اہلِ صحبت۔ جناب بجا فرماتے ہیں۔ واقعاً صحیح ہے۔ صاحب (دار و مدار) قطعاً غلط ہے۔

اُستاد۔ جی، اور کیا۔

جناب عزیز۔ میں بھی جناب ہی کا ہمخیال ہوں۔ مجھ سے دریافت کیا گیا تھا۔ میں نے کہدیا کہ (دار و مدار) غلط ہے۔

جتنی دیر یہ گفتگو ہوتی رہی جناب بہار سا اور کی چائے تیار فرماتے رہے۔ یہانتک کہ چاء تیار ہوئی، نہایت خلوص سے سب نے چاء پی، حقہ کا دور چلتا رہا، برابر خاصدان میں پان آتے رہے۔ دو بجے دن تک غزلیں پڑھی گئیں۔ مختلف مسائل شعر و سخن پر گفتگو ہوتی رہی۔ اُسکے بعد اُستاد نے اور سب نے جناب عزیز سے اجازت چاہی۔ جناب عزیز نے دست بستہ سب سے زحمت کی معافی چاہی۔ سب نے کہا "کیا فرماتے ہیں جناب اس قدر پُرلطف باتیں اور نایاب صحبت رہی ہے کہ شاید و باید"۔ سب کھڑے ہوگئے۔ جناب عزیز نے سب کو گلی تک آکے رخصت کیا۔ آداب عرض، خدا حافظ، فی امان اللہ کہہ کہہ کے سب رخصت ہوئے اور ایک دوسرے سے رخصت ہوکے اپنے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہوئے۔

اُستاد نے اپنے گھر پر آکے کپڑے اُتارے اور خاص کمرے میں آرام کیا۔ لیکن خدا معلوم کیا بات ہوئی کہ کچھ حرارت سی ہوگئی، مزاج نادرست ہوگیا۔

دوسرے دن صبح کو استخارہ دیکھا جناب حکیم سید محمد قاسم صاحب مسیح الملک عرف جناب صاحب عالم صاحب مالک دواخانہ معدن الادویہ پرواجب آیا ۔ ملازم کو حکم فرمایا کہ دس بجے تک حکیم صاحب عالم صاحب کے یہاں چلوں گا، کہیں جانا نہیں ۔ یہ فرما ہی رہے تھے کہ مولانا نئی غزل تیار کرکے تشریف لے آئے ۔

مولانا ۔ سلامٌ علیکم کہہ کے کمرے میں بیٹھ گئے ۔

اُستاد ۔ (علیکم السلام کہہ کے) میرا مزاج ایک ہفتہ سے ناساز ہے ۔ میں آج غزل دیکھ نہیں سکتا غزل دے دیجیے جب میرا مزاج درست ہوگا تو دیکھ رکھوں گا ۔ آٹھ دن کے بعد جب دوسری غزل لائیے گا تو یہ غزل لے لیجیے گا ۔

مولانا ۔ بہت مناسب ۔ غزل جیب سے نکال کے پیش کی ۔

اُستاد نے غزل لے کے گاؤ کے نیچے رکھ لی ۔

مولانا ۔ خدا حضور کو شفائے کامل و صحتِ عاجل عنایت فرمائے (اجازت لے کے سلام کرکے رخصت ہوگئے) ۔

اُستاد نے کپڑے پہنے تانگہ بلوایا ، ملازم کو ساتھ لیا ، معدن الادویہ پہونچ گئے ۔ حکیم سید محمد قاسم صاحب عرف صاحب عالم صاحب ، اور جناب مولانا مولوی سید احمد صاحب قبلہ اور دیگر عمائد مطب میں تشریف رکھتے تھے کھڑے ہوگئے ، بہت عزت و احترام سے اپنے برابر بٹھایا ، اہلِ مطب نے مزاج پرسی کی ۔ تھوڑی دیر کے بعد حکیم صاحب نے اُستاد کا مزاج سامی دریافت فرمایا ۔ اُستاد نے کل کیفیت مزاج بیان فرمائی ۔ اُسکے بعد متعدد استخاروں کے بعد نسخہ تیار ہوا ۔ اُستاد کی خدمت میں پیش کیا ۔ اُستاد نے سلام کرکے نسخہ لیا ، پرہیز دریافت فرمایا ۔ حکیم صاحب موصوف نے مونگ کی دال ، شلغم ، لوکی ، توری ، پرول کھانے کو بتائے ۔ چاول سے پرہیز تجویز کیا ۔ اُستاد رخصت ہو کے اپنے ادب کدہ پر تشریف لے آئے ۔ خاصہ تقلیل سے نوش فرمایا ۔ تھوڑی دیر آرام فرماکے جو بیدار ہوئے تو قدرے مزاج درست پایا ۔ گلی کی پان نوش فرمایا اور مولانا کی غزل نکال کے سامنے رکھی ۔

اور اصلاح دینی شروع کی۔

اصلاح نمبر ۱۲

غزل مولانا

مطلع نمبر ۱

~~روح نکلی نہیں~~ مرنا ہوا مشکل مجکو　　~~قتل کرنے پہ~~ جو دیکھا کیا قاتل مجکو
روح ٹھہری رہی　　ذبح کے بعد

مطلع نمبر ۲

~~منہ کو کیوں پھیرتا ہے جان کے سائل مجکو~~　　ذبح کر ڈال ارے خنجرِ قاتل مجکو
ہوگا احسان نہ جا چھوڑ کے بسمل مجکو

شعر نمبر ۳

~~ضعف نے بڑھ کے خیالات کی بینائی لی~~　　ذرہ ذرہ نظر آنے لگا منزل مجکو
ضعف سے دشت نوردی میں ہوا یہ عالم

شعر نمبر ۴

دشتِ وحشت میں جو تھک جاتا ہوں چلتے چلتے　　ہو کے بیتاب بٹھاتا ہے مرا دل مجکو

شعر نمبر ۵

~~قوت جذبۂ دل باعث صد فخر ہے تو~~　　~~اب~~ مشکل نظر آتی نہیں مشکل مجکو
سختیاں ہجر میں اسد جو اٹھائیں اے دل　　کوئی

شعر نمبر ۶

~~ہے بہ منزل سے تنہا دل کا وہ ڈالا پردہ~~　　دل کو میں ڈھونڈھ رہا ہوں تو مرا دل مجکو
ہے شب ہجر میں دزدیدہ نظر کا جو خیال　　ڈھونڈتا　اور

شعر نمبر ۷

~~میرے گریہ نے کیا حشر بپا سب کو خواب~~　　~~دل چکا ٹوٹا ہوا حشر میں جب دل مجکو~~
آہ کی دیر تک، آنکھوں سے لگا کے رویا　　دل گیا حشر میں جب ٹوٹا ہوا

شعر نمبر ۸

~~جان~~ رخصت ہوئی یہ کہہ کے نہ دیکھا تم نے　　جو نکلنے میں ہوئی جسم سے مشکل مجکو
روح

شعر نمبر ۹

~~زندگی عشق کے دریا میں ہوئی میری فنا~~ جب نظر آنے لگا سامنے ساحل مجکو
بحر الفت میں نہ کی زیست نے کچھ مجھ سے وفا

شعر نمبر ۱۰

~~خوب~~ اندھیر کیا ڈال لی ظالم نے نقاب رُخِ روشن کی طرف دیکھ کے مائل مجکو
ارے

شعر نمبر ۱۱

جن سے ملنے کی سدا اٹھتیں تائیں ~~وا اشعر~~ اب پنھاتے ہیں وہی طوق وسلاسل مجکو
اے دل

شعر نمبر ۱۲

دلِ بیتاب ~~پروانہ تھا سوئے نقطۂ عشق~~ درد نے اُٹھ کے بٹھایا سرِ منزل مجکو
خدا جانے کہاں لے جاتا

شعر نمبر ۱۳

شاید اُلفت پہ بھروسا ہی نہیں اُسکو شعار آزماتا ہے جو ہر بات پہ قاتل مجکو

غزل پر اصلاح فرمانے کے بعد قلمدان میں غزل رکھی تھی کہ الہ آباد سے چلا ہوا خط نامہ بر نے لاکے دیا۔ لفافے کے سرنامہ پڑھا تو اُستاد ہی کے نام تھا۔ لفافہ چاک کیا تو ایک طولانی مضمون کا پرچہ نکلا جس کو اُستاد نے من اولہ الی آخرہ پڑھا مضمون حسب ذیل ہے :۔

دلچسپ معلومات نمبر ۱۲

عالیجناب معلی القاب دعبل زمان حسان دوراں رشک عرفی و فخر نظیری دامت برکاتکم

پس از تسلیمات فدویانہ

فدوی کو حضور سے غائبانہ خلوص حاصل ہے۔ ایک مرتبہ مراد آباد کے اسٹیشن پر جناب کی زیارت سے مشرف ہوا تھا جس کو دو سال کا عرصہ ہوا۔ نیاز بھی حاصل ہوا تھا۔ اشتیاق زیارت تا حدِ کمال ہے۔ حضور چونکہ لکھنؤ کے مستند اُستاد و محقق و خاندانی ہیں اسلیے چند ایسے محاورات جن میں الہ آباد میں سخت اختلاف پیدا ہے۔ حضور سے دریافت کرنا چاہتا ہوں تاکہ خاطر جمعی

ہو جائے۔ وہ یہ ہیں:-

(۱) جاتی دنیا۔ یہاں زمانہ گزرنے کے محل پر بولتے ہیں۔ (۲) جان ہے تو دنیا ہے (۳) گلابی جاڑہ کسے کہتے ہیں؟ (۴) جان ٹوٹنا۔ بولتے ہیں یا نہیں؟ (۵) جگر پانی ہوا۔ محاورہ ہے یا نہیں؟ (۶) جلاپا کس کی زبان ہے اور کیا معنے ہیں۔ مذکر ہے یا مؤنث۔ (۷) جم جم کس کی زبان ہے اور کیا معنی ہیں؟ (۸) جنور۔ جانور کی جگہ بولنا فصیح ہے یا نہیں۔ (۹) جھنڈے چڑھانا کے کیا معنے ہیں اور فصیح ہے یا نہیں؟

جواب سے سرفراز فرما کے جناب شکرگزار فرمائیں۔ مزید اگر مثالیں تحریر فرمادیں گے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ باہمی نزاع دور ہو جائے گی ٹکٹ لفافہ میں موجود ہے حضور جواب مرحمت فرمادیں۔ فقط

سعیدالدین خاں اظہر

پتہ:- الہ آباد سٹی۔ محلہ چاندنی چوک ۱۴۴

خط پڑھ کے رکھ لیا۔ اسلیے کہ مزاج ناساز تھا۔ خیال کیا کہ کسی دوسرے وقت جب مزاج بالکل صحیح ہو گا تو جواب لکھوں گا۔

ہفتہ کے روز صبح کو مزاج بحال پایا۔ بعد نماز و وظائف اپنے کمرے میں تشریف فرما ہوتے ہی خیال آیا کہ خط کا جواب دے دوں۔ خط نکالا اور پھر پڑھ کے جواب حسب ذیل لکھنا شروع کیا:-

مخلص بندہ

تسلیمات۔ گو مزاج ناساز ہے مگر موافق حکم تعمیل کرتا ہوں۔ میں اس قابل نہیں جو جناب نے میرے متعلق تحریر فرمایا ہے۔ مجھے صحیح غلط کا امتیاز نہیں۔ موزوں، ناموزوں سمجھنے کا سلیقہ نہیں۔ میں خود اس قابل ہوں کہ میرے کلام پر اصلاح دی جائے۔ جس ترتیب سے جناب نے سوالات لکھے ہیں اُسی ترتیب سے جوابات تحریر کرتا ہوں:-

(۱) جاتی دنیا کے جو معنے جناب نے لکھے ہیں یعنے زمانہ گزرنا۔ میں نے آجتک کسی کو بولتے نہیں سُنا نہ لکھنؤ میں کوئی بولتا ہے۔ یہ معنے بالکل غلط ہیں۔ بلکہ جاتی دنیا تعجب و استعجاب کے

محل پر بولتے ہیں جس کی امید نہ ہو وہ بات کسی سے ظہور میں آئے۔ مثال سے مطلب واضح ہو جائیگا لکھنؤ کے سلم الثبوت اُستاد حضرت اسیرؒ کا مشہور شعر میرے معنے پر دال ہے۔ شعر

نبض بیمار جو اے رشک مسیحا دیکھی آج کیا آپ نے جاتی ہوئی دنیا دیکھی

یہ شعر بتاتا ہے کہ پوچھنے والا نہایت تعجب سے پوچھ رہا ہے کہ آپ نے بیمار کی نبض پر ہاتھ ڈالا۔ بڑے تعجب کی بات ہے کیونکہ آپ ایسا خود دار اور نبضِ مریض دیکھے۔ ایسے ہی مواقع پر 'جاتی دنیا'، یا 'جاتی ہوئی دنیا' بولتے ہیں۔

(۲) 'جان ہے تو دنیا ہے' یہ لکھنؤ کا محاورہ نہیں۔ بلکہ اس محل پر 'جان ہے تو جہان ہے' بولتے ہیں۔ یعنے اگر اپنی جان رہی تو سب کچھ ورنہ دُنیا پر خاک ہے۔ مثال میں حضرت شوقؔ لکھنوی کا شعر تحریر کرتا ہوں جن کا کلام بحیثیت محاورات بالکل مستند۔ شعر

یوں بھی دیتا ہے کوئی اپنی جان سب سمجھتے ہیں جان ہے تو جہان

(۳) 'گلابی جاڑا' ابتدائے سرما کو کہتے ہیں یعنے نہ گرمی ہو نہ تیز سردی بلکہ کچھ خُنکی پڑنے لگی ہو۔ مثال میں مثنوی عروجِ الفت کا شعر یاد آگیا لکھے دیتا ہوں۔ شعر

ہو گیا تھا جو دن تداخل کا پڑتا تھا کچھ گلابی جاڑا سا

(۴) 'جان ٹوٹنا'۔ اہل لکھنؤ کی زبان نہیں، یہ دہلی کا صرف ہے۔ لکھنؤ میں موجودہ دَور میں اس محل پر 'دم ٹوٹنا' بولتے ہیں۔ اہلِ لکھنؤ نے کبھی جان ٹوٹنا استعمال نہیں کیا۔ چنانچہ مجھ نا اہل کا شعر ہے ؎

ہچکیوں سے مری تکلیف بڑھانے والے دم مرا ٹوٹ چکا تھا کہ مجھے یاد کیا

اس محاورے کی عمر تقریباً دو سو برس کی ہے جواب مفقود ہے۔ میر تقی میرؔ کا شعر بطور مثال پیش کرتا ہوں۔ شعر

دو چار روز آگے چھپائی گئی تھی کوٹی ہجراں کا غم تھا ایسا سختی سے جان ٹوٹی

(۵) 'جگر پانی ہونا'۔ صحیح ہے، خاص زبان ہے، قدیم محاورہ ہے۔ یعنے انتہائی متاثر

ہو کے دل پہ اثر لینا - چنانچہ شاؔد لکھنوی کا شعر بطور مثال پیش ہے - شعر

رو دیا کوئی، ہمارا پانی جگہ ہوا ہے — اک چوٹ سی لگی ہے جب دل دُکھا کسی کا

(۶) 'جلاپا' - عورتوں کی زبان ہے، یہ لغت مردوں کے بولنے کا نہیں - اسکے معنے دشمنی، عداوت، بغض - جلاپا کا لفظ بصورت مذکر بولا جاتا ہے - چنانچہ نسیم نے گلزارِ نسیم میں یہ لغت مذکر استعمال کیا ہے - ؎

کافور سے جل اُٹھے سراپا — ٹھنڈی ہوئیں تھا جنھیں جلاپا

(۷) 'جم جم' - خاص عورتوں کے بولنے کا لغت ہے مرد قطعاً نہیں بولتے۔ 'جم جم' کے معنے اللہ مبارک کرے، ماشاءاللہ - چنانچہ شوؔق لکھنوی کا شعر ہے شعر

میری جانب سے یہ گماں، کیا خوب؟ — جھوٹ جم جم سے ہے بہت مرغوب

(۸) 'جنور' - جانور کی جگہ بولنا بالکل غیر فصیح - لکھنؤ کے عوام دیہاتی جنور، جناور بولتے ہیں - فصحا صرف جانور استعمال کرتے ہیں - چونکہ کسی مستند اہل زبان نے یہ لغت صرف نہیں کیا اس لیے مثال پیش کرنے سے مجبور ہوں -

(۹) 'جھنڈے پر چڑھانا' کے معنے شہرت دینا، مشہور کرنا، بلکہ بہت زیادہ مشہور کرنے کو - اعلان کرنے کو جھنڈے پہ چڑھانا بولتے ہیں اس کا استعمال لکھنؤ میں دو طریقوں سے ہے -

جھنڈے چڑھانا - شوؔق لکھنوی ؎

ارے بات کو یوں بڑھاتے نہیں — کہ مالک کو جھنڈے چڑھاتے نہیں

جھنڈے پر چڑھانا - جاؔن لکھنوی ؎

بانس منڈی سے تو پوشیدہ منگایا تعویذ — خوب جھنڈے پہ صنوبر نے چڑھایا تعویذ

چونکہ عورتوں کی زبان ہے اس لیے اُن کے اعتبار سے فصیح ہے - غزل وغیرہ میں استعمال کرنے کا یہ محاورہ نہیں، احتیاط لازم ہے - فقط

غیر معروف بقلمہ

خط لفافہ میں رکھا، پورا پتہ لکھ کے ملازم کو دیا ڈاکخانہ میں ڈال آؤ۔ ملازم خط لے کے چلا تھا کہ نواب صاحب اپنی غزل لے کے تشریف لائے، آداب و تسلیمات بجالا کے بیٹھ گئے۔

نواب ۔ حضور کا مزاج مبارک ؟

اُستاد ۔ بفضلہ اب تو ذرا اچھا ہوں، مزاج زیادہ ناساز ہو گیا تھا۔ لیکن ابھی تک سوءِ مزاج کی شکایت ہے۔ حکیم صاحب نے کتب بینی کو منع فرمایا ہے۔ غزل دے دیجیے ابکی جو غزل نئی کہہ کے لائیے گا میں اصلاح دے رکھوں گا لے لیجیے گا۔

نواب ۔ بہت خوب کہہ کے غزل نکال کے پیش کر دی۔

اُستاد ۔ (غزل لیتے ہوئے) صاف لکھی ہوئی ہے ؟

نواب ۔ جی، خوشخط لکھوا کے لایا ہوں۔

اُستاد ۔ بہتر ۔ آپ کے یہاں سب خیریت ہے ؟

نواب ۔ حضور کی دعا کی برکت سے خیریت ہے۔

اُستاد ۔ کہیے، قاری صاحب کے یہاں عروض سیفی پڑھنے برابر جاتے ہیں ؟

نواب ۔ سوائے اُس دن کے جس دن اصلاح لینے یہاں آتا ہوں جیسے آج کا دن، روزانہ پڑھنے جاتا ہوں۔

اُستاد ۔ اب آپ کہاں تک پہونچے ۔

نواب ۔ چونکہ سبق تھوڑا ہوتا ہے اسلیے ابھی کچھ زیادہ کتاب ہوئی نہیں ۔

اُستاد ۔ پڑھے جائیے، کبھی نہ کبھی آ ہی جائے گا۔ انسان تھوڑا پڑھے اور یاد ہو جائے تو زیادہ پڑھنے اور بھول جانے سے بہتر ہے ۔

نواب ۔ بجا ہے ۔ (تھوڑی دیر خاموش بیٹھنے کے بعد اجازت لے کے رخصت ہوئے)۔

یہاں اُستاد نے خاصہ نوش فرمایا اُسکے بعد اپنے خاص کمرے میں بغرض آرام تشریف لے گئے بارہ بجے سے چار بجے تک آرام فرماتے رہے۔ بیدار ہونے کے بعد وضو کیا نماز پڑھی اُسکے بعد

بیٹھکے میں فروکش ہوئے۔ طبیعت بہلانے کے لیے نواب کی غزل نکالی اور اصلاح دینی شروع کی۔ چونکہ نواب مبتدی شاگرد تھے اسلیے اصلاح دینے کے بعد ہر شعر کے نیچے جو غلطی تھی اُسکی صراحت بھی فرمادی۔ متقدمین کا یہی طریقہ تھا۔

اصلاح نمبر ۱۲

غزل نواب

مطلع نمبر ۱

انھیں لاکھ سمجھائیں سمجھانے والے ~~وہ ہیں اپنے عاشق کو تڑپانے والے~~
نہیں اپنی ضد سے وہ باز آنے والے

چونکہ مطلع میں ایطا ہے اسلیے دوسرا مصرع کاٹ دیا۔ سمجھانا اور تڑپانا ایک مطلع میں نہیں لاسکتے اسلیے کہ جس طرح فارسی میں (زرّیں۔ سیمیں) لانے سے ایطا ہو جاتا ہے۔ زرّیں کا (زر) رہتا ہے اور سیمیں کا (سیم) اور زر اور سیم دونوں قافیے نہیں قرار پاتے۔ اُسی طرح یہاں مطلع میں سمجھانے کا (سمجھ) اور تڑپانے کا (تڑپ) رہا جاتا ہے لہذا قافیہ درست نہیں رہتا۔ گو اساتذہ متقدمین نے اُردو کے قوافی میں ایطا کو جائز رکھا ہے مگر میرے نزدیک اُردو کے قوافی میں ایطا کا پایا جانا حرام ہے۔ کوئی وجہ جواز کی سمجھ میں نہیں آتی۔ میں عیب میں کسی کی تقلید نہیں کرتا۔ مصرع ثانی بدل دیا۔

مطلع نمبر ۲

دلِ مضطرب تیرِ غم کھانے والے ~~اگر جان دے دے~~ نہیں آنے والے
مر بھی جا وہ

مطلع نمبر ۳

ترے غم ~~میں اوٗ~~ دل کے تڑپانے والے گئے جان سے سیکڑوں جانے والے
عشق میں

چونکہ ایطا نہیں تھا اس لیے صرف اصلاح دیدی اور مطلع رہنے دیا۔ چند قوافی ایسے ہیں جن میں ایطا نہیں ہوتا مثلاً (آ۔ جا۔ کھا۔ پا۔ فرما۔ لگا) ان قوافی کے ساتھ کوئی

قافیہ بھی آئے گا صحیح مانا جائے گا۔ مثلاً (آ۔ اور تڑپا) صحیح۔ (ہوا)۔ (فرما) صحیح۔ (سمجھا) (پا) صحیح۔ (لگا) کا چونکہ (لگ) باقی رہتا ہے اور وہ مہمل و بے معنی رہتا ہے۔ اسلیے لگا کو مہمل سمجھتے ہوئے اساتذہ نے جائز قرار دے لیا ہے۔ جب الف کے قافیے کے ساتھ لائیں گے صحیح رہے گا۔

شعر نمبر ۴

~~لگاتے ہیں دونوں طرف آگ دشمن　　یہاں آنے والے وہاں جانے والے~~

(دونوں طرف آگ لگانا) قدرے مذموم ہے اسلیے شعر نظری کر دیا۔ اور شعر میں کوئی خاص بات بھی نہیں ہے۔

شعر نمبر ۵

ملا کے نظر تیر مارا جگر پر　　~~ارے دشمنِ جاں~~ ستم ڈھانے والے
محبت دکھا کے

چونکہ نظر ملا کے تیر مارا تھا۔ اسلیے (محبت دکھا کے) کا ٹکڑا ضروری تھا ورنہ مصرع نہ لگتا۔ (ارے دشمنِ جاں) سے کوئی خاص فائدہ نہیں۔

شعر نمبر ۶

ابھی میں پسِ مرگ ہوتا ہوں زندہ　　جو کہہ دے کوئی آ گئے آنے والے

شعر غنیمت ہے۔ رہنے دیا۔

شعر نمبر ۷

~~بہائے گا اک روز عاشق پہ اشک~~　　غریبوں کو ہنس ہنس کے رلوانے والے
تجھے ان کے مرنے پہ آئے گا رونا

چونکہ غزل بحر متقارب مثمن سالم میں ہے اور اس شعر کے پہلے مصرع میں زحاف قصر واقع ہو گیا۔ قصر کی تعریف یہ ہے کہ سبب کے ساکن حرف کو آخر رکن سے گرا دیں اور ماقبل کو ساکن کر دیں۔ جیسے مفاعیلن سے مفاعیل۔ اور فاعلاتن سے فاعلات اور فعولن سے فعول۔ بحر متقارب مثمن سالم کا وزن صحیح (فعولن فعولن فعولن فعولن) ہے اور مقصور کا وزن (فعولن فعولن فعولن فعول) ہے۔ لہذا مصرع بدل دیا اسلیے کہ یہ ناجائز ہے کہ ایک مصرع سالم ہو ایک میں زحاف ہو۔ ہاں اگر غزل بحر متقارب مثمن مقصور میں ہوتی تو پہلا مصرع رہنے دیا جاتا۔

قاعدہ یہ ہے کہ سالم ہو تو کُل مصرعے سالم ہونا چاہیئے۔ مزاحف ہو تو کُل مصرعوں میں وہی زحاف لانا چاہیئے دوسرا زحاف بھی نہیں لا سکتے۔

شعر نمبر ۸

یہ بتلا دے کس ~~پہروں میں بھروسے~~ (کے سہارے جیوں میں) مرے دل کو پہلو سے لے جانے والے

بھروسہ کرنے کے ٹکڑے سے کوئی فائدہ نہیں تھا بلکہ زائد تھا اسلیے بدل دیا۔

شعر نمبر ۹

~~وہ وعدے پہ آئیں یہ ممکن نہیں~~ (وہ کیا آج وعدے پہ آئیں گے بے دل) ~~سدا جھوٹ بولے~~ (کبھی سچ نہ) بولے قسم کھانے والے

پہلے مصرع میں وہی عیب ہے جو ساتویں شعر میں ہے۔ فرق یہ ہے کہ وہاں پہلا مصرع مقصور تھا یہاں پہلا مصرع محذوف ہے یعنے زحاف حذف آگیا۔ چونکہ بحر سالم ہے اس لیے غزل بحر میں محذوف مصرع آ ہی نہیں سکتا لہذا بدل دیا۔

پہلے مصرع کا وزن ہے (فعولن فعولن فعولن فعل) زحاف حذف کی تعریف یہ ہے کہ سبب خفیف کو آخر رکن سے گرا دیں جیسے (فعولن) سے لن گرا دیں تو (فعو) رہ جائیگا اور (فعو) سکون لام کے ساتھ (فعل) کی طرف منقول ہو جائیگا۔ آئندہ خیال رہنا چاہیئے۔

دوسرے مصرع میں (سدا جھوٹ بولے) سے (کبھی سچ نہ بولے) زیادہ نرم ہے اسلیے بدل دیا۔

شعر نمبر ۱۰

مرا دل ~~چلا لے گیا ہے~~ (لیے جاتا ہے اُس گلی میں) ~~جہاں سے واپس آتے نہیں آنے~~ (نہیں پھر کے آتے جہاں جا) والے

(لے جا رہا) کا ٹکڑا غیر فصیح، یہ زبان نہیں۔ بجائے اس کے (لیے جاتا ہے) بولتے ہیں۔

دوسرے مصرع میں تعقید ہے۔ (جہاں واپس آتے نہیں آنے والے) اس میں لفظیں مقدم مؤخر ہو گئی ہیں۔ (واپس آتے نہیں جہاں جانے والے) ہونا چاہیئے تھا۔ چونکہ یہ ترتیب ناموزوں تھی اسلیے موزوں مصرع بدل دیا۔ واپس کا لفظ اسلیے بدلا کہ یہ اب زبان میں داخل ہوا ہے۔ فصاحت کے مرتبے تک نہیں پہونچا، کچھ عرصہ جب استعمال کو گزر جائیگا اُس وقت واپس کا لفظ فصیح ہوگا۔

بجائے اُس کے (پھر کے آنا) بدلا۔

واقعہ

میاں جودت مرحوم شاگرد رشید حضرت عشق مرحوم کی ایک اصلاح شدہ غزل نظر سے گزری جس میں جناب عشق نے اصلاح فرمائی تھی۔ ایک شعر میں میاں جودت مرحوم نے واپس کا لفظ صرف کیا تھا۔ غالباً یہ مصرع تھا ع

واپس آتا ہے نہ قاصد نہ جواب آتا ہے

تو حضرت عشق مرحوم نے واپس کے لفظ کو سُرخ لکیر سے گھیر کے نیچے سرخی سے لکھا تھا کہ (پھر کے) واپس کا لفظ گو فارسی ہے مگر بالکل جدید اس لحاظ سے ہے کہ اُردو زبان میں ابھی داخل نہیں ہوا ہے۔ لہذا غیر فصیح۔

میں نے جب یہ غزل دیکھی تھی تو خیال ہوا تھا کہ اللہ ایسے محقق و محتاط ادیب بھی سرزمین لکھنؤ میں گزرے ہیں۔ جناب عشق مرحوم نے واپس کے لفظ کے نیچے (پھر کے) لکھ بھی دیا تھا۔ لہذا میں نے آپ کے یہاں سے بھی واپس کا لفظ نکال دیا۔ گو، اُس وقت کے اعتبار سے اِس وقت واپس کا لفظ بہت زیادہ بولا جاتا ہے مگر احتیاط بہت بہتر چیز ہے۔

شعر نمبر ۱۱

میں دَم توڑتا ہوں وہ دیکھیں گے کیونکر ~~خداوندا ابھی آئیں نہ اب~~ آنے والے
آتی شر آئیں ابھی

(خداوندا) کا الف ندائیہ گر گیا۔ مصرع ناموزوں ہو گیا اس لیے بدل دیا۔

قاعدہ

جب کوئی حرف تقطیع میں گرنے لگتا ہے تو ہمزہ جو ہمیشہ متحرک ہوتا ہے مابعد لا کے گرتے ہوئے حرف کو بچا لیتے ہیں۔ ہمزہ خود گر جاتا ہے اور اپنی حرکت ماقبل والے حرف کو دیدیتا ہے ماقبل والا حرف جو گرتا ہوتا ہے حرکت پا جانے سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ جیسے مصرع ہے۔ ع

لے لیا نام جب اُس نے نکل آئے آنسو

اگر (جب) کے بعد ہمزہ نہ ہوتا یعنے کوئی دوسرا حرف ہوتا تو (جب) کی (با) ضرور گر جاتی جیسے مصرع ہے ع

لے لیا نام جب عالم نے تو آنسو نکلے

چونکہ ہمزہ کی جگہ عین تھا تقطیع میں گر گیا۔ بہر طور دو حرفوں سے ایک حرف گر گیا۔ اس لیے اصولاً گرتے ہوئے حرف کے بعد ہمزہ لاتے ہیں تاکہ حرف محفوظ ہو جائے۔ اب سوال یہ ہے کہ (خداوندا) کا الف ندائیہ جو ساکن بھی ہے اس کو (آئیں) کے ہمزہ نے کیوں نہ بچایا۔ ہمزہ کی حرکت الف ندائیہ کو کیوں نہ دی گئی اور اگر الف ندائیہ کو گرا دیں تو کیا قباحت ہے؟ جواب یہ ہے کہ الف جو ہمیشہ ساکن ہوتا ہے کبھی حرکت قبول نہیں کرتا۔ ہمزہ خود گر کے حرکت ماقبل کو دیتا ہے الف میں صلاحیت نہیں کہ حرکت قبول کر سکے اسی سبب سے خداوندا کا الف ندائیہ اگر ہمزہ سے بچایا جائے گا تو الف خود گر جائے گا اور ہمزہ بچ جائے گا لہذا کسی طرح الف ہمزہ سے نہیں بچایا جا سکتا جیسے (میرزا) کا الف (خداوندا) کا الف ندائیہ (موسیٰ عیسیٰ) کا الف وغیرہ وغیرہ۔

شعر نمبر ۱۲

شبِ ہجر ہے کر لے دو تین (چار) باتیں مرے دل مصیبت میں کام آنے والے

دو تین باتیں محاورہ نہیں۔ دو چار باتیں محاورہ صحیح ہے لہذا بدل دیا۔ ہمیشہ اختصار کے محل پر دو چار یا صرف دو یا صرف چار بولتے ہیں۔ جیسے دو دن کی زندگی۔ چار دن کی زندگی۔ دو چار باتیں۔ دو چار روز وغیرہ وغیرہ۔

شعر نمبر ۱۳

~~پہ فصل خزاں کی خبر دے رہے ہیں~~
خبر فصل گل کی مجھے دے رہے ہیں مری بیڑیوں کے بدلوانے والے

ایک چیز سمجھا دینا بہت ضروری ہے وہ یہ کہ عاشق انتہائے عشق میں دیوانہ ہو جاتا ہے اور تکلیف اٹھاتے اٹھاتے، جلتے جلتے سوداویت کا غلبہ ہو جاتا ہے تو انسان مجنون کی سی باتیں کرنے لگتا ہے۔ اسی سے اکثر عاشق سڑی ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی قاعدہ ہے کہ

پاگل انسان دوسروں کو ایذا پہونچاتا ہے اور خود محسوس نہیں کرتا - عزیز دوست جب جنون انتہا کو پہونچتا ہے تو پاؤں میں بیڑیاں، زنجیریں پہنا دیتے ہیں تاکہ تکلیف نہ دے سکے - شعرا نے غزل میں یہ خیال قائم کیا ہے کہ معشوق اپنی بدنامی کے خوف سے عاشق مجنون کو قید کر دیتا ہے پا بہ زنجیر کر دیتا ہے - اور جب زنجیریں یا بیڑیاں پرانی ہو جاتی ہیں تو بدل ڈالی جاتی ہیں تاکہ سودائی یعنی مجنون بیڑیاں توڑ کے بھاگ نہ جائے - بالخصوص فصل بہار میں بڑی روک تھام کرنی پڑتی ہے کیونکہ مجنون کا جنون فصلِ بہار میں زیادہ ہو جاتا ہے اور فصلِ خزاں میں کم ہو جاتا ہے آپ نے اسی خیال کو نظم کیا مگر بجائے فصلِ گل یا فصل بہار کے فصلِ خزاں نظم کیا جو بالکل بے تعلق - بیڑیاں فصل گل میں بدلی جاتی ہیں نہ فصل خزاں میں - لہذا مصرع بدل دیا کسی کا شعر ہے ؎

کیجیے سالگرہ فصلِ بہار آپہونچی ‏ ‏ ‏ بیڑیاں پھر سے بدلوائیے دیوانوں کی

شعر نمبر ۱۴

~~مری جان چلی اور مری روح نکلی~~ ‏ ‏ ‏ نہ آئے مگر دل کے ٹھہرانے والے
مری نبض ڈوبی

ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کی ہے کہ شاعر جہاں تک ممکن ہو بغیر ترکیب نون غنہ کا ضرور اعلان کرے گو اعلان نہ کرنے میں کوئی قباحت بھی نہیں ہے مگر فصاحت اعلان میں ہے آپ نے جان کے نون کا اخفا کیا جو انتہائی برا معلوم ہوتا تھا - دوسری بات یہ کہ جان جانا روح نکلنا دونوں کے معنے ایک اسلئے ایک ٹکڑا بیکار - صرف اسلئے (مری نبض ڈوبی) بدلا کہ فصاحت پیدا ہو جائے اور مصرع صاف ہو جائے -

شعر نمبر ۱۵

~~مری جان غم سے نکل جائے گی ہم ‏ ‏ ‏ [illegible] والے~~

اس شعر میں شعر ۹ والا عیب ہے اور کوئی خاص بات بھی نہیں لہذا نظری کر دیا -

شعر نمبر ۱۶

~~مجھے تو صیاد اکیلا~~ [illegible] ‏ ‏ ‏ [illegible] میں مر جانے والے
نہ صیاد تنہا مجھے

(اکیلا) کا لفظ فصیح نہیں لہٰذا مصرع کے تین جز بدل دیے۔

شعر نمبر ۱۷

نہ اُمید بھولے سے آئے لحد پر جو احباب تھے روز کے آنے والے

مقطع میں کوئی عیب نہیں۔ لہٰذا رہنے دیا۔

دلچسپ معلومات نمبر ۱۳

اصلاح دینے کے بعد غزل تہ کر کے قالین کے نیچے رکھ دی۔ حقہ نوش فرمانے لگے کہ ایک پرانے شاگرد ایک نئی غزل لیے ہوئے آ گئے۔ آداب تسلیمات بجا لا کے سامنے بیٹھ گئے۔

اُستاد۔ (تسلیم کہہ کے) کہاں آنا ہوا؟

شاگرد۔ میں نے سُنا تھا کہ حضور کا مزاج کچھ ناساز ہو گیا تھا خیال ہوا کہ چل کے استمزاج کر لوں۔ اور چند شعر بھی عرض کیے تھے بغرض اصلاح لایا ہوں۔

اُستاد۔ یہ (استمزاج) آپ کیوں بولے۔ کیا آپ کو میں نے سمجھایا نہیں؟

شاگرد۔ حضور نے مجھ سے تو اس کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا۔

اُستاد۔ خیر، سمجھیے۔ استمزاج وزن پہ ہے استفعال کے جو مصدر ہے۔ اہل عرب نے مزج و مزاج جو خود مصدر ہے باب استفعال سے کبھی استعمال نہیں کیا۔ کہیں عربی لغت یا عربی کلام میں اس لفظ کا وجود نہیں۔ یہ اہل ہند کا ساختہ و پرداختہ لغت ہے۔ استمزاج بول کے طلب حالت مزاج مراد لیتے ہیں کیونکہ باب استفعال کی خاصیت طلب ہے چونکہ اہل ہند کو کوئی حق نہیں حاصل ہے۔ لہٰذا غلط ہے۔ آئندہ یاد رکھیے گا۔

شاگرد۔ واقعاً تنقید حضور ہی کا کام ہے۔

اُستاد۔ پھر آپ غلط بولے زبان عربی میں صرف نقد بولا جاتا ہے جس کے معنی پرکھنے کے ہیں۔ باب تفعیل سے تنقید بنانا یہ اہل ہند کی ترکیب ہے جو لغت عربی میں کہیں نہ ملے گا۔

لہذا (تنقید) بھی غلط ہے لحاظ رکھیے گا۔

شاگرد۔ بہت خوب۔ خدا حضور کو زندہ رکھے ہر مسئلہ کو کس قدر صاف کر کے مع وجوہات اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ مطلب آئینہ ہو جاتا ہے۔

اُستاد۔ کیا خوب، آج آپ تو قسم کھا کے آئے ہیں کہ حتی الامکان غلط الفاظ ضرور بولو گا جناب وجوہات کیا چیز ہے؟

شاگرد۔ (سر جھکا کے) سرکار، بڑے بڑے بولتے ہیں۔

اُستاد۔ جھک مارتے ہیں۔ یہ کمبخت بازاری لوگ 'وجوہات وجوہات' بولا کرتے ہیں بلکہ بعض جاہلوں کو وجوہاتوں بولتے سُنا ہے۔ جناب وجہ کے معنے ایک سبب، وجوہ جمع ہے اسکے معنے بہت سے سبب۔ اب عربی قاعدے سے (ات) بڑھا کے بولنا 'چہ معنے دارد'۔ یہ بالکل غلط ہے۔ میں اسلیے ٹوک دیتا ہوں کہ خدا معلوم کب دنیا سے سفر کر جاؤں۔ عمر طبعی کو پہونچ چکا ہوں۔ آپ لوگ میرے بعد کسی کے پاس جانے کے محتاج نہ رہیں۔

شاگرد۔ حضور، مجھ کو بھی تحقیق کرنے کی لت ہے۔ ہر وقت اسی فکر میں رہتا ہوں۔

اُستاد۔ سبحان اللہ۔ اب زبان بولنے لگے۔ یہ جناب (لت) کے کیا معنے؟

شاگرد۔ لت کے معنے عادت کے ہیں۔

اُستاد۔ پھر آپ عادت کیوں نہ بولے؟

شاگرد۔ جناب، فرما چکے ہیں کہ بڑا لفظ جہاں تک ممکن ہو نہ بولنا چاہیئے۔ اُردو زبان کے نرم الفاظ استعمال کرنا چاہیئے۔

اُستاد۔ اس کے معنے یہ ہوئے کہ جتنے بازاری جاہلوں کے محاورات والفاظ ہیں وہ بھی بولنے لگیے۔ واسطہ خدا کا کبھی ایسے الفاظ نہ بولیے گا۔ فصحاء زبان اُردو بولنا حرام سمجھتے ہیں۔ یہ مانا کہ اُردو زبان کا ایک لغت ہے۔ لیکن پست طبقے کا آپ کی زبان سے جب دنیا سُنے گی تو سمجھے گی کہ فصیح ہے۔ درآنحالیکہ غیر فصیح ہے۔

شاگرد۔ معافی چاہتا ہوں، بڑی غلطی ہوئی۔
اُستاد۔ آج آپ اغلاط کے دریا بہا رہے ہیں۔ حضور، (غَلْطی) بسکون لام نہیں۔ بلکہ (غَلَطی) بفتح لام بولیے اسلیے کہ لفظ غلط میں یائے زائدہ لگائی ہے کس قاعدے سے لام ساکن ہوا؟ جلدی میں پڑھے لکھے غلطی بسکون لام بول جاتے ہیں یہ خطا ہے۔
شاگرد۔ واقعاً جناب درست فرماتے ہیں، زبان کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ یہ سب باتیں بُری صحبتوں کی شراکت سے ہوتی ہیں۔ ورنہ کبھی زبان نہ بگڑے۔
اُستاد۔ بخدا آپ کمال کر رہے ہیں میں بسبب بیماری کے کمزور ہوگیا ہوں مجھ میں اسوقت اتنا دم نہیں کہ برابر تقریر کیے جاؤں۔ آپ ہیں کہ غلط پر غلط بولے چلے جا رہے ہیں۔ کیوں صاحب، یہ لفظ (شراکت) کہاں سے آیا۔ مجھے آپ نے کبھی بولتے سُنا کسی لغت میں دیکھا؟
شاگرد۔ جی سب کو بولتے سنا۔
اُستاد۔ آپ خود تحقیق نہیں کرتے، اندھی تقلید سے کام لیتے ہیں گو (اندھی تقلید کا محاورہ میں خود غلط بولا) میں سنے کبھی اپنے بزرگوں سے یا کسی کلام میں یہ محاورہ نہ سُنا نہ دیکھا خیر، بولتے سُنا ہے کے معنے یہ ہوئے کہ جہلا عوام (شرکاؤں) بولتے ہیں۔ آپ بھی بولا کیجیے۔ لوگ علماؤں کہتے ہیں، آپ بھی کہا کیجیے۔
شراکت قطعاً غلط ہے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ کی تحقیق اس قدر محدود ہے۔ مطالعہ کیجیے۔ لغت دیکھیے۔ اچھے لوگوں کی صحبت اختیار کیجیے۔ بولتے وقت یہ خیال رکھیے کہ صحیح بول رہے ہیں یا غلط جب کسی وقت میں کسی قابل ہوجائیے گا۔ ورنہ میدان صاف۔
شاگرد۔ (نہایت شرمندگی کے ساتھ) بیشک قصور ہوا۔ آیندہ ضرور خیال رکھوں گا۔ اسلیے کہ میری ذہنیت دیگر شعرا کی طرح نہیں بدلی۔ میں اپنے کو حقیقتاً ہیچمدان ہی سمجھتا ہوں۔
اُستاد۔ آج آپ نے کس کی صورت دیکھی ہے۔ شاید کسی غلط گو کی شکل آپ نے دیکھی ہے جو برابر غلط الفاظ بولتے جا رہے ہیں۔ آج کے دن اگر آپ چاہیں تو زبان اُردو کے غلط الفاظ کا

ایک مختصر سا لغت تیار کر سکتے ہیں۔ خیر، کہاں تک سمجھاؤں۔

شاگرد۔ جی نہیں۔ حضور ضرور سمجھائیں، مجھے ناگوار نہیں ہوتا۔

اُستاد۔ کیا سمجھاؤں، میرا ضعف مجھ کو مجبور کیے دیتا ہے ورنہ دن بھر آپ ضرور بولتے اور میں سمجھائے چلا جاتا۔ سُنیئے (ذہنیت) جس کے معنے (دماغی کیفیت) یہ لفظ اہلِ ہند کا بنایا ہوا ہے۔ وزن مصدری قرار دیا ہے جو عربی زبان کا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ابھی بالکل نیا لفظ بنایا گیا ہے۔ کم سے کم پچاس سال گزرنے کے بعد شاید فصیح اور بولنے کے قابل ہو جائے ابھی قطعاً غلط ہے۔

شاگرد۔ بہت خوب۔ میں سمجھ گیا مگر بہ ادب ایک بات بحیثیت استفادہ عرض کرنا چاہتا ہوں جرأت نہیں ہوتی۔ حضور کا رعب مانع ہے۔

اُستاد۔ ضرور پوچھیے۔ کیا میں کچھ غلط بول گیا؟

شاگرد۔ اے معاذ اللہ۔ میری یہ مجال کہ میں کہوں حضور غلط بول گئے۔ صرف اپنے شک کو رفع کرنا چاہتا ہوں۔

اُستاد۔ بتائیے، کیا بات ہے؟

شاگرد۔ حضور نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ لفظ (ضَعف) ہے۔ ضاد کو زبر ہے۔ اس وقت سرکار بالضم (ضُعف) استعمال فرما گئے۔

اُستاد۔ آپ کا اعتراض واقعاً درست نہیں ہے کبھی تحقیقی دُنیا میں کس کا لحاظ و پاس نہ کیجیے گا ادب بغیر تحقیق نہیں آتا ضعف بالفتح و بالضم دونوں طرح ہے۔ میں غلط نہیں بولا۔ ذہنیت کے متعلق تقریر کرتا ہوں غور سے سُنیئے۔ اس کے بعد مجھ میں بات کرنے کی شاید طاقت باقی نہ رہے۔

تقریر

زبان اُردو کیونکر بنی؟ ایرانیوں نے اپنے وطن مالوف کو ترک کر کے ہندوستان آباد کیا۔ ایران پر پہلی صدی سے عربی زبان کا غلبہ ہو چکا تھا۔ کیونکہ مسلمان عرب بحیثیت فاتح

ایران میں داخل و قابض ہوگئے تھے مجبوراً دفاتر وغیرہ کی زبان بھی عربی ہوگئی تھی۔ چونکہ غلبہ عربیت ہوگیا تھا اسلیے مجبوراً ایرانیوں کو عربی لغات اپنی زبان میں شامل کرنا پڑے۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ ایرانی زبان یعنے فارسی زبان عربی سے مخلوط ہوگئی۔ جب ایرانی ہندوستان آئے تو اپنی ایرانی زبان کے ساتھ لغات عربی بھی لائے۔ ہندوستان میں اس وقت تک خالص ہندو آباد تھے۔ برہمن، راجپوت، ٹھاکر وغیرہ قوموں کی آبادی تھی۔ ایرانی ہندی یا بھاشا سمجھنے سے عاجز تھے۔ ہندی، ایرانی زبان بولنے سے قطعاً قاصر تھے۔ تمدنی مجبوریاں حائل ہوئیں۔ ایک نے دوسرے کی زبان بولنے کی کوشش کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ (اُردو) ہندی فارسی، عربی زبانوں کے مجموعہ سے معرض وجود میں آگئی۔ اسی کا نام اُردو زبان قرار پایا۔

جب اُردو زبان تیار ہوئی اور فارسی وعربی کے سہل المخرج الفاظ و محاورات زبان زد ہوگئے کچھ تو کثرت استعمال نے تغیر کیا یعنے نوعیت بدل دی مثلاً (لا ابالی) جس کے معنے (میں پرواہ نہیں کرتا)۔ اب لااُبالی، اُس شخص کے لیے بولنے لگے جو کسی بات کا خیال نہیں کرتا۔ بعض الفاظ کے حرکات میں تغیر ہوگیا۔ مثلاً (گرِفتار) بکسر را کو (گرَفتار) بفتح را بولنے لگے۔ (ضِرغام) بکسر ضاد کو (ضَرغام) بفتح ضاد بولنے لگے۔ (گلعِذار) کو (گلعُذار) یعنے بکسر عین کو بضم عین بولنے لگے۔ جب زبان پر قابو حاصل ہوگیا۔ اور سہولت سے عربی وفارسی لغات زبان پر جاری ہونے لگے تو اجتہاد شروع ہوا۔ (مزاج) سے (استمزاج) بنالیا۔ (نقد) سے (تنقید) بنالیا۔ اسی طرح (ذہن) عربی لغت ہے۔ (اذہان) جمع ہے۔ اُس سے (ذہنیت) بنالیا۔ اس خلاف قیاس ایجاد کو کیونکر صحیح کہا جاسکتا ہے لہذا آیندہ نہ بولیےگا۔ احتیاط بہت ضروری شے ہے۔ (عاجز ہوکے) غزل دے دیجیے کسی وقت دیکھ لوں گا آکے لے جایئے گا۔

شاگرد۔ بہت خوب۔ (غزل جیب سے نکال کے پیش کی)۔

اُستاد نے غزل لے کے قلمدان میں رکھ لی۔

شاگرد کھڑے ہو کے سلام کر کے رخصت ہو گئے -

اُستاد زنان خانے میں تشریف لے گئے ، خاصہ نوش فرمایا ، بعد غذا معجون نوش فرمائی ، حُقّہ پیا ، پھر دیوان خانے میں تشریف لائے اور خاص کمرے میں آرام کرنے کی غرض سے تشریف لے گئے - تین بجے دن کو بیدار ہوئے ، منہ ہاتھ دھویا ، ملازم نے حقّہ سامنے لگا دیا - طبیعت درست ہو چلی تھی - حسبِ عادتِ معمول سب کام انجام دیتے رہے - چوتھے روز خیال آیا کہ وہی شاگرد جو زبوں غلط پر غلط الفاظ بول رہے تھے اُن کی غزل دیکھ دوں - قلمدان سے غزل نکالی اور بنانی شروع کی -

غزلِ شاگرد

مطلع نمبر ۱

جب سے پر ~~کاٹے~~ گئے آئے ہیں ہم گلزار سے ~~مٹ گئی~~ (اُڑ گئی) ہے نیند چشمِ نرگسِ بیمار سے

کاٹے کے لفظ سے کترے زیادہ فصیح ہے - اُڑ گئی کا لفظ بہت مناسب اسلیے ہے کہ پر کترنے کا ذکر ہے - اور نیند اُڑنا خاص اُردو زبان کا محاورہ بھی ہے - حضرت آتشؔ کا شعر ہے

سیل گریہ سے مری نیند اُڑی مردم کی فکرِ بام و در و دیوار نے سونے نہ دیا

خواجہ وزیرؔ کہتے ہیں ؎

یادِ چشمِ سرمگیں میں شب کو گر آتی ہے نیند صورتِ مرغِ نگہ آنکھوں سے اُڑ جاتی ہے نیند

مٹ گئی کے لفظ سے ایک تو فائدہ نہیں دوسرے اہلِ زبان نہیں بولتے -

مطلع نمبر ۲

کچھ اشاروں میں وہ باتیں کر گئے بیمار سے ~~مارا~~ (نزع میں آکے) ہے حسام (تیغ) ابروئے خمدار سے

غزل کے لیے لفظ حسام سے بہتر تیغ ہے - (نزع میں) کے ٹکڑے سے تکمیل شعر ہو گئی -

مطلع نمبر ۳

~~کان میں کچھ پھونکتے ہیں (کہہ رہے) وہ مبہم اغیار سے~~ ~~یا الٰہی خیر ہو غافل ہیں وہ اسرار سے~~

'کان میں پھونکنا' یہاں پر صرف صحیح نہیں بلکہ نامناسب ہے۔ گو، دوسرا مصرع بہ اعتبار زمانہ گذشتہ یعنے آج سے تیس سال قبل درست ہے لیکن موجودہ دَور کے اعتبار سے ایسے مصرع غزل میں نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ رنگ شاعری بدل چکا لہذا مطلع بنانے کے بعد نظری کر دیا۔ مزید یہ کہ پہلے مصرع کی ردیف بھی بدل گئی۔

شعر نمبر ۴

~~آپ گلشن میں لیکن ڈال کر منہ پر نقاب ۳ رنگ پھولوں کا نہ کٹ جائے کہیں رخسار سے~~
ڈال کے

اگر قافیہ خنجر، دلبر ہو تو قباحت نہیں ورنہ درمیان شعر میں ہمیشہ بجائے (کر) کے (کے) نظم بھی کیا کیجیے اور بولا بھی کیجیے (کر) سے (کے) فصیح ہے۔ شعر پست تھا کوئی خاص بات نہ تھی اسلیے نظری کر دیا۔

شعر نمبر ۵

ہو گیا گھر میں چراغاں آگئی فرقت کی رات ۔ داغ روشن ہو گئے یادِ قمر رخسار سے
(دل)

شعر میں سخت ضرورت لفظ دل کی تھی کیونکہ گھر میں چراغاں تو ہو سکتا ہے لیکن داغ روشن ہونا بغیر دل ناممکن لہذا لفظ دل بڑھا دیا۔ شعر واقعاً ایک لفظ کے تغیر سے بن جاتا ہے۔

شعر نمبر ۶

آئے وہ بہرِ عیادت ~~آنکھ جب بند ہو گئی~~ ۔ وائے قسمت اٹھ گئے محروم ہم دیدار سے
ہو گئی جب آنکھ بند

یا، بند کی (دال) گر گئی یا ہو گئی کی (ہا) گر گئی۔ بہر طور دو میں سے ایک حرف گر گیا۔ مصرع ناموزوں ہے لہذا تقدیم و تاخیرِ الفاظ سے مصرع بن گیا۔ تقطیع کر کے دیکھ لیجیے گا ذرا سمجھ کے شعر کہا کیجیے۔

شعر نمبر ۷

~~ہر مہینے آسماں پر دیکھنے آتا ہے چاند~~ ۔ اس قدر اُلفت ہے اُنکے ابروئے خمدار سے
دیکھنے آتا ہے گردوں پر ہلال

لفظ ہلال کی سخت ضرورت تھی کیونکہ رویت کے دن جہاں چاند ہو گیا کہتے ہیں۔ عورتیں (اوپر والا) ہو گیا کہتی ہیں۔ وہاں نظم کی شان رکھتے ہوئے ہلال کا لفظ بہت زیادہ مناسبت رکھتا ہے کیونکہ ہلال تیسری تاریخ تک رہتا ہے۔ جب بڑھنے لگتا ہے تو چاند کہتے ہیں۔

شعر نمبر ۸

جان لے لو دے کے جنبشِ ابروئے خمدار کو   قتل میرا ہے اگر مدِ نظر تلوار سے

کوئی عیب نہیں تھا اس لیے رہنے دیا۔

شعر نمبر ۹

بے نقاب آئیگا گلشن میں جو وہ رشکِ چمن   پھیکے پڑ جائیں گے گُل عکسِ گُلِ رخسار سے

یہ شعر بھی غنیمت تھا رہنے دیا۔

مقطع نمبر ۱۰

اے نظرؔ اب تو نشیمن کا خیال آتا نہیں   اس قدر مدت ہوئی چھوٹے ہوئے گلزار سے

اصلاح دینے کے بعد اپنے ضروری کاموں میں مصروف ہوگئے۔ انھیں لیل ونہار میں وہ دن بھی آگیا کہ نواب ہفتہ کے صبح کو اپنی غزل بنوانے آگئے۔ آج پھر اُستاد نے غزل لے کے رکھ لی اور فرمایا کہ ابھی مزاج ناساز ہے۔ اور اصلاح شدہ غزل دے دی۔ نواب رخصت ہوئے۔ بقول خدائے سخن میر تقی میرؔ ؎

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے   عمر یونہی تمام ہوتی ہے

دوسرا دن آگیا اور مولانا اپنی غزل بنوانے آگئے۔ آج بھی اُستاد نے غزل لے کے رکھ لی اور اصلاح دی ہوئی غزل دے کے فرمایا کہ اب جو اصلاح لینے آئیے گا، یہ غزل دیدوں گا۔ مولانا بھی سلام کرتے ہوئے رخصت ہوئے۔ آج کے چوتھے روز صبح کا وقت ہے۔ سیاہ گھٹا آسمان پہ پانی برسنے والا رنگ دکھلا رہی ہے۔ اُستاد کا مزاج صحیح ہو چکا ہے بیٹھکے میں بیٹھے ہیں، ترشح ہو رہا ہے۔ مولانا کی غزل نکالی اور اصلاح دینی شروع کر دی۔

اصلاح نمبر ۱۴

غزل مولانا ۔ مطلع

ترس کھایا نہ کچھ تم نے مرے اس قلبِ سوزاں پر   سمجھتے تھے کہ شب بھاری ہے یہ بیمارِ ہجراں پر

حالِ پریشاں پر   بھاری رات

مصرع اول میں زوائد ہیں۔ "حال پریشاں" زیادہ فصیح اور نرم ہے مصرع صاف بھی ہو گیا۔
دوسرے مصرع میں "شب بھاری" ہونا اساتذہ نے ضرور کیا ہے لیکن میرے نزدیک
فصیح ترین (رات بھاری) کا محاورہ ہے جیسا کہ

اسیر لکھنوی

مرضِ عشق سے امید نہیں بچنے کی　　کل سے بھاری ہے مجھے اے دلِ ناداں آج کی رات

آتش لکھنوی

شرم ہے وہ شرمگیں آنکھیں جھکی جاتی نہیں　　رات بھاری ہو گئی ہے مردُمِ بیمار کی

شب بھاری ہونا بھی اساتذہ نے نظم کیا ہے۔

خواجہ وزیر

راحتِ جاں کہتے ہیں عشاق زلفِ یار کو　　ہے یہ وہ شب جو نہیں بھاری کسی بیمار کو

آتش لکھنوی

کیا کہیے کٹی کیونکر اے بُتِ شبِ تنہائی　　اللہ وغنی گاہے گہہ نعرۂ یارب تھا

میں نے شب بھاری کی جگہ صرف اس لیے رات بھاری بنایا کہ میرے نزدیک
زیادہ فصیح ہے۔

مطلع نمبر ۲

~~چڑھایا نام یوں قاتل نے فہرستِ شہیداں پر　　لہو سے میرے تعزیے میں لکھا شیرِ یزداں پر~~

مطلع نظری کر دیا۔ ایک تو معنویت نہیں، دوسرے مقصد کما حقہٗ واضح نہیں ہوا،
تیسرے (تعزیے میں لکھنے) کے بجائے (تعزیے لکھا) ہونا چاہیئے۔ (میں) زائد ہے۔ بہرطور
مطلع میرے نزدیک درست نہ تھا کاٹ دیا۔

شعر نمبر ۳

~~ہوا ہے کس کا زلزلہ~~ اور تڑپ عالم کے ذرّوں میں　　رواں ہے خون میرا ~~سرزمینِ~~ کوچۂ جاناں پہ
تزلزل ہے ذرا سا کو　　دل میرا ازیں

(فلک کو زلزلہ) سے لفظ (تزلزل) بلند ہے۔ (میرا خون) رواں ہونے سے (خونِ دل) زیادہ وضاحت کر رہا ہے۔ شعر محتاجِ لفظِ دل تھا۔

شعر نمبر ۴

کبھی تضحیک کی گریہ کبھی جینا کبھی مرنا — شبِ غم مشکلیں کیا کیا پڑیں قلبِ پُر ارماں پر
(ہنسنا کبھی رونا)

تضحیک کی جگہ اگر ضحک ہوتا تو بھی غنیمت تھا۔ بہرطور دونوں ثقیل۔ میں نے جو بنایا ہے اس سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ مصرع کتنا صاف اور نرم ہو گیا۔ بڑے الفاظ سے غزل کو بچانا چاہیئے۔

شعر نمبر ۵

نہیں سامانِ وحشت فصلِ گل سننے میں آئی ہے — بھروسہ ہے مگر دستِ جنوں اپنے گریباں پر
(آمدِ فصلِ بہاری ہے — فقط)

مصرع اولیٰ کا نظری ٹکڑا نامناسب تھا۔ یہ ظاہر تو کوئی عیب نہیں لیکن سست و بیکار حصہ تھا۔ اس لیے (آمدِ فصلِ بہاری) بنا دیا کہ زور پیدا ہو جائے۔ مصرع ثانی میں (مگر) بالکل زائد تھا۔ اگر (مگر) کا لفظ باقی رہے تو دونوں مصرعوں کا تعلق باقی نہیں رہتا۔ لہذا لفظِ (فقط) بنا دیا۔

شعر نمبر ۶

~~گیا ملکِ عدم تک اس طرح کرتا ہوا نالے — مصیبت آگئی ہر ساکنِ شہرِ خموشاں پر~~

(گیا ملکِ عدم تک) میں (تک) کا لفظ زائد سا معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ بھی نہیں پتہ چلتا کہ ملکِ عدم تک کیوں نالے کرتا ہوا گیا۔ آخر کیا مصیبت آگئی۔ چونکہ وجہ نہیں تھی اس لیے شعر کاٹ دیا۔

شعر نمبر ۷

عجب انداز سے صحرا میں مجھ کو وحشت آئی ہے — ہے دل پہ ہاتھ اک اک ہاتھ رکھا ہے گریباں پر
(مجھ وحشی کو وحشت آئی)

چونکہ شعر میں کیفیتِ جنوں کا واضح کرنا مقصود ہے لہذا بغیر لفظ (جنون، وحشت) وغیرہ کے تکمیلِ شعر نہیں ہوتی تھی۔ وحشی کا لفظ بنا دیا۔ اب شعر بالکل مکمل ہو گیا۔ ان چیزوں کا خیال شاعر کے لیے بہت ضروری ہے۔

شعر نمبر ۸

محبت ہو گئی تھی اس قدر طولِ اسیری سے — میں چھٹ کے قید سے بیٹھا رہا ہوں بابِ زنداں پر
(رہا ہو کے بھی میں تا دیر بیٹھا)

آپ کا مفہوم الفاظ شعر ادا نہ کر سکے، خیال بہت نفیس لیکن ادا نہ ہو سکا۔ (تا دیر) کا ٹکڑا محبت (طولِ اسیری) کی کافی وضاحت کر رہا ہے۔ دیگر یہ کہ صاف بھی ہو گیا۔ اب مجموعی حیثیت سے شعر بہت اچھا ہو گیا۔

شعر نمبر ۹

~~نہ نکلی~~ لاش مجھ ~~قیدی~~ کی ~~آخر~~ کس طرح کھلتا لگی تھیں زنگ کی مہریں دہانِ قفلِ زنداں پر
نکلتی وحشی کیونکر

(وحشی) کا لفظ ضروری تھا۔ (آخر) بے فائدہ تھا لہذا (کیونکر) کا لفظ جو نہایت ضروری تھا لکھ دیا۔ شعر مکمل ہو گیا۔

شعر نمبر ۱۰

~~نہ نکلے یہ قفس میں اڑنے کی حسرت رہی باقی~~ یہ سب روزِ نمو موقوف تھا سیرِ گلستاں پر
قفس میں پھر نہ پر نکلے نہ کلیاں ہی کبھی پھوٹیں

مصرعِ اولیٰ صاف نہیں۔ (اڑنے کی حسرت) یہ ٹکڑا بالکل زائد ہے۔ یہ مصرع جس طرح بدلا ہے یوں ہی ہونا چاہیئے تھا کیونکہ (پھر) کا لفظ اور (پر) اور (کلیوں کا نہ نکلنا) ان چیزوں نے مطلب شعر کو کافی وضاحت دے دی۔ مکمل ہو گیا۔

مقطع

~~شعار اب دیکھتا ہے میری مایوسی کو اک عالم نگاہیں پھر رہی ہیں ساتھ خنجر کے رگِ جاں پر~~

مقطع بالکل نامکمل۔ مصرع پر مصرع نہیں لگا۔ لہذا نظری کر دیا۔

دلچسپ معلومات نمبر ۱۴

غزل دیکھنے کے بعد۔ چونکہ ابھی ضعف باقی تھا۔ راحت لینے کے لیے گاؤ پر لیٹ رہے۔ متفرق مسائل پر غور فرماتے رہے کہ وہی سعید الدین خاں الہ آبادی جن کا خط آیا تھا۔ اور دس سوالوں کا جواب مانگا تھا جس کا جواب دیا جا چکا تھا پھر ایک خط انھیں کا ڈاکیہ لے کے آ گیا اور سلام کر کے دے دیا۔ لفافہ لے کے چاک کیا مضمون حسب ذیل تھا:-

شاعرِ نازک خیال، ادیبِ بے مثال ادام اللہ افضالکم

پس از تسلیمات فدویانہ معروض آنکہ فدوی کے عریضہ کا جواب حضور نے مرحمت فرمایا۔

بڑی عزت افزائی و بندہ نوازی فرمائی۔ کہاں تک شکریہ ادا کروں۔ خدا حضور کو زندہ سلامت رکھے۔ خدا سے امید ہے کہ جناب والا بخیریت ہوں گے۔ حضور نے اتنی جرأت دلائی کہ پھر عریضہ حاضرِ خدمت کر رہا ہوں۔ یہاں جتنے اختلافات تھے حضور کے جواب سے دُور ہو گئے اب کسی کو جائے دَم زدن نہیں اسلئے کہ مع مثال حضور نے جواب مرحمت فرمائے لیکن چند شکوک باقی ہیں جن کا رفع کرنا بہت ضروری ہے اور وہ حسبِ ذیل ہیں جوابات سے سرفراز فرما کے شکرگزاری کا موقع عنایت فرمائیے۔ معافی کا خواستگار ہوں۔ اتنا اور عرض کر دوں کہ یہ شکوک و اختلافات چند ادبی ذوق رکھنے والوں میں ہیں جو واقعاً اُردو ادب کے خادم ہیں گویا ایک انجمن ہے جس کا سکریٹری میں ہوں:۔

(۱) 'بھرمار' کے کیا معنی ہیں اور یہ مفرد ہے یا مرکب؟ بالتوضیح جواب مرحمت ہو۔

(۲) 'شرابور' کے کیا معنے ہیں۔ فصیح ہے یا نہیں؟ (۳) 'رجھواڑہ' کس زبان کا لغت ہے فصیح ہے یا نہیں؟ وضاحت سے جواب مرحمت ہو۔ (۴) لفظ 'رسم' لکھنؤ میں مذکر ہے یا مؤنث؟ اہلِ دہلی کا مسلک بھی اگر تحریر فرما دیں تو کمال احسان ہوگا۔ (۵) 'بری' کا لفظ کن کن معنے میں استعمال ہوتا ہے؟ بالوضاحت جواب مرحمت ہو۔

صرف پانچ سوال حاضرِ خدمت ہیں۔ جناب کی زحمت کے خیال سے اتنے سوالات پر اکتفا کی گئی ورنہ یوں تو شکوک بکثرت ہیں۔ اگر حضور کا حکم ہوگا تو آئندہ جرأت کروں گا۔ ٹکٹ اسلیے لفافہ میں نہیں رکھا کہ جناب نے منع فرما دیا تھا۔ منتظرِ جواب

سعید الدین خاں اظہر الہ آبادی

چونکہ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، پانی برس رہا تھا، خیال ہوا کہ جلدی جواب لکھ کے روانہ کر دوں۔ حق بھی یہ ہے کہ ادیب کا دل نہیں مانتا۔ کاغذ نکالا، قلمدان کھولا، جواب لکھنا شروع کیا

مہربان و کرم فرمائے بندہ زاد لطفکم

محبت نامہ موصول ہوا، خدا کے فضل سے اب قریب بتندرستی پہونچ چلا ہوں، ادبی

ذوق نے مجبور کیا کہ بغیر تاخیر جواب دوں لہٰذا خط ملتے ہی جواب تحریر کیا۔ آپ آئندہ بھی سوالات فرما سکتے ہیں۔ جواب بالترتیب حسب ذیل ہیں :-

(۱) 'بھرمار' کے معنے ہماری زبان میں زیادتی اور کثرت کے ہیں۔ عوام وخواص برابر بولتے ہیں۔ فصیح ہے۔ مشترک لکھنؤ و دہلی بھی ہے یعنے لکھنؤ والے اور دہلی والے دونوں بولتے ہیں۔ عورت و مرد میں مشترک ہے یعنے عورتیں اور مرد سب بولتے ہیں کسی صنف کی خصوصیت نہیں۔ 'بھرمار' مؤنث استعمال ہوتا ہے جیسا کہ آئندہ مثال سے واضح ہوجائیگا۔ اگر کوئی شخص غصہ میں کسی کو متواتر گالیاں دینے لگے تو جس کو گالیاں دی گئی ہیں اُسے کہنے کا حق حاصل ہے کہ تم نے گالیوں کی 'بھرمار' کردی یعنے بہت زیادہ گالیاں دیں۔

تحقیق

'بھرمار' کیوں اور کس لیے وضع ہوا ؟

"پرانے زمانے میں قلعوں پر جب حملہ ہوتا تھا تو اہل قلعہ دروازہ بند کر لیتے تھے۔ غنیم انتہائی کوشش کرتا تھا کہ فتح کر لوں۔ چنانچہ سرنگیں کھود کر باروت سے اُڑانے کی کوشش کی جاتی تھی، جب کوئی حصہ اُڑ جاتا تھا تو غنیم اندر داخل ہوجاتا تھا، قلعہ کی فوج زبردست حملہ کرتی تھی کہ دشمن آنے نہ پائے، سرداران لشکر برابر فوج اور سپاہیوں کو حکم دیتے تھے 'بھرمار' 'بھرمار'، بندوقچی خاص پینترے اور کینڈے کے ساتھ جلد سے جلد بندوق بھر لیتا تھا اور بغیر نشانہ تاکے بندوق ماردیتا تھا۔ بہت جلد جلد ان بندوقوں سے حملہ کیا جاتا تھا۔" دوسری چیز یہ ہے کہ

"حیدرآباد دکن میں جو عرب ترکِ وطن کر کے متوطن ہوگئے ہیں اُنکے شکار کھیلنے والی بندوق کو بھرمار کہتے ہیں۔ بالکل پُرانے طریقے کی بندوق ہے۔ پٹاس کے گولے جن میں کنکریاں ہوتی ہیں وہ نال میں بھرتے ہیں اور سلاخ سے کس کے چھڑاتے ہیں اور شکار کھیلتے ہیں۔"

مثال 'بھرمار' کے لفظ کی ؎

داغ

مجھے تم دیکھتے ہی گالیوں پر کیوں اُتر آئے　　　بھرے بیٹھے تھے کیا محفل میں یہ بھرمار کیسی ہے

اختر واجد علی شاہ بہادر، شاہ اودھ جنت مکاں کے پلٹنوں سے ایک پلٹن کا نام ہی بھرمار ہے۔ اُس پلٹن کو 'بھرمار پلٹن' کہتے ہیں۔ انھیں مرحوم کا شعر ہے ؎

کہ بھرمار پلٹن کے سالار ہیں　　　وہ آگے سے اب تک نمکخوار ہیں

لہٰذا ثابت ہوا کہ 'بھرمار' مفرد بھی ہے، مرکب بھی ہے۔ غالباً وضاحت مطلب ہو گئی ہو گی۔

(۲) 'شرابور' کے معنے بالکل بھیگ جانے کے ہیں۔ 'تربتر' فصیح۔ رائج الوقت ہے۔ عام و خاص سب بولتے ہیں۔ عورت، مرد لکھنؤ کے برابر بولتے ہیں۔ اُردو لغت ہے 'شرابور' خاص لکھنؤ کا لغت ہے چنانچہ حضرت ناسخ کہتے ہیں ؎

خم سے برسات میں اسدجہ ہوا جوش شراب　　　ہو گئی بادہ گلگوں سے شرابور گھٹا

یہ امر مسلّم ہے کہ 'شرابور' خاص لکھنؤ کی زبان ہے۔ دہلی میں بجائے 'شرابور' کے اسی محل پہ (شوربور) بولتے ہیں۔ دہلی میں (شوربور) فصیح ہے۔ عام و خاص سب بولتے ہیں۔ عورت، مرد سب (شوربور) کہتے ہیں۔ چنانچہ داغ دہلوی کہتے ہیں۔

ہولی کھیلی ہے تم نے کس سے آج　　　رنگ میں شوربور آئے ہو

(۳) 'رجواڑہ' سنسکرت کی زبان کا لغت ہے جس کے معنے 'ہندو راجاؤں کا ملک' 'راجہ کی عملداری'۔ اب اُردو بھی ہے کیونکہ بکثرت زبانوں پہ جاری ہے۔ لکھنؤ میں 'رجواڑہ' کہتے ہیں۔ دہلی میں 'رجواڑہ' کہتے ہیں۔ چنانچہ میر تقی میر کا شعر ہے ؎

لب ناخنوں سے چہرہ لنچے اس صفا سے یوں　　　رجواڑ تم نہیں، ہو جو دیکھو ہنر کے تیں

(۴) لفظ 'رسم' لکھنؤ، دہلی میں کبھی بصورت تذکیر بولا گیا کبھی بصورت تانیث۔ دہلی میں غالباً ہمیشہ مؤنث ہی بولا گیا۔ چنانچہ مثالوں سے ذیل کی ظاہر ہو جائے گا:-

آتش

دنیا سے رسم و راہ محبت کی اُٹھ گئی
سُنتے ہیں اب تو عاشق و معشوق ڈاب ہیں

داغ

آئے بن ٹھن کے مرے ماتم میں وہ
جبکہ رسم سوگواری اُٹھ گئی

پھر داغ کہتے ہیں ؎
داغ

تم سے کیا شکوہ ہے گِلا اُس سے
جس نے رسم وفا نکالی ہے

امیر مینائی

پوچھو نہ اس زمانے میں الفت کا حال کچھ
اک رسم تھی قدیم سو موقوف ہو گئی

شوق

ادا اُس سے سب رسم الفت کیا
بہت رو کے ملکہ نے رخصت کیا

عروج الفت شنوی

رسم پہنانے کا رچا لوں گی
اُسے اپنے ہی گھر بُلا لوں گی

صبا لکھنوی

راہِ عدم میں رسم نہیں پا تراب کی
ممکن نہیں رُکوں دمِ رحلت کسی طرح

مثالوں سے واضح ہوگیا ہوگا کہ کس کس اُستاد نے مذکر۔ اور کس کس نے مؤنث نظم کیا ہے۔

قول فیصل۔ موجودہ دَور میں رسم کو مؤنث بولتے ہیں۔ یہی صحیح بھی ہے۔

(۵) بَری، تین معنے میں اہلِ لکھنؤ بولتے ہیں۔ (۱) بَری (بَری سفیدی) یعنے چونا جو دیواروں کو سفید کرنے کے لیے پُوتا جاتا ہے۔ اس کی مثال اس وقت یاد نہیں ورنہ لکھ دیتا۔ چونکہ میں لکھنوی ہوں اور میرے دَور میں یہی بولتے بھی ہیں لہذا میرا لکھنا صحیح مانیے غلط لکھنے کی غالباً کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ (۲) بَری، کے معنے آزاد ہونے کے ہیں جیسے قید سے بَری ہوگئے یعنے آزاد ہوگئے۔ (۳) بَری، کے معنے علحدہ ہونا، الگ ہونا۔ چونکہ میرا دماغ

تھک چکا ہے اس لیے کسی مستند استاد کا شعر یاد نہیں آتا۔ ایک زمانہ ہوا جب مثنوی ہشت گلزار از اول تا آخر دیکھی تھی اُس کا ایک شعر یاد ہے ؎

تھا ہر اک عیب سے غرض وہ بری کہنی درکار دہٹ نہ چھ نہ بری

۵) بُری: ہندی لغت۔ اسم۔ واحد۔ وزن۔ ہری۔ معنے۔ دیہاتی لوگوں میں سانچن کی رسم کو بُری کہتے ہیں۔ یہ لغت فصاحت کے مرتبے پر فائض نہیں۔ عورتیں زیادہ بولتی ہیں بالخصوص عوام۔

تشریح

شادی کے موقع پر یہ رسم یوں ادا کی جاتی ہے کہ عقد و رخصتی کے قبل بُری کی رسم ہوتی ہے جس طرح اہلِ شہر سانچن کی رسم کرتے ہیں "بُری" لڑکے والوں کی طرف سے جاتی ہے۔ دولتمند حضرات حسبِ ذیل صورت سے بھیجتے ہیں:۔

کپڑے کے جوڑے ۱۵ عدد۔ چوڑیاں لاکھ کی ۱۵ جوڑ۔ شکر ۱۵ سیر۔ لوٹے چونے سے پتے ہوئے مٹی کے ۱۵ عدد۔ ناریل پنی منڈھے ہوئے ۱۵ عدد۔ میوہ ۱۵ سیر۔ بانس کے ڈالوں میں جو پھیلے ہوئے ٹوکروں کی طرح ہوتے ہیں اُن میں میوہ جاتا ہے۔ پازیب ایک جوڑ ٹیکہ طلائی ایک عدد۔ سُن سر طلائی ٹکیاں جو ڈوپٹہ کے کنارے پر ٹکی ہوتی ہیں۔ تھان سوہا ۱۵ عدد تھان آل ایک عدد۔ ڈوپٹہ کرکری ایک عدد۔ پائجامہ تافتہ کا ایک عدد۔ چکہ برائے پشواز بقدرِ ضرورت۔ مٹکی نقرئی دہی بھرا ہوا ایک عدد۔ مٹکی گلی دہی بھرا ہوا زندہ گرہی مچھلیاں بندھی ہوئی ایک عدد۔ کنگن میراثن کے ایک جوڑ۔ کنگن نائن کے ایک جوڑ۔ جوڑا مالن ایک عدد کنگن چوڑی والی ایک جوڑ۔ افشاں بقدرِ ضرورت۔ مِسّی۔ چونا۔ عطر۔ گلاب۔ کیوڑا۔ پھولوں کا گہنا۔ سہرا۔ کلاوہ ارثار۔ چاند ٹکی وغیرہ کاغذ کی ایک عدد

بہ لحاظ طول اختصار کیا ورنہ لکھتا کہ غربا کے یہاں کیا کیا جاتا ہے۔ ہوتا سب کچھ ہے

مگر مختصر بسبب ضعف اختصار پر نظر کر کے عریضہ حاضر کر رہا ہوں۔ فقط

غیر معروف

خط لفافہ میں رکھ کے ملازم کو دیا کہ ڈاک خانہ میں ڈال آئے۔ اُٹھ کھڑے ہوئے، زنان خانہ میں تشریف لے گئے، خاصہ نوش فرما کے آرام فرمایا۔ چار بجے برآمد ہوئے، چمن میں کرسی پر بیٹھ گئے اور چمن کو ملاحظہ فرمانے لگے۔ شام تک باہر رہے، گیارہ بجے رات کو زنان خانہ میں تشریف لے گئے۔ صبح کو برآمد ہوئے، بیٹھکے میں فروکش ہوئے۔ نواب کی غزل یاد آ گئی نکال کے بنانا شروع کی۔

اصلاح نمبر ۱۵

غزل نواب

مطلع نمبر ۱

~~یہ~~ ~~نے~~ محشر میں جو سوئے رُخ قاتل دیکھا ~~قتل کرنے پہ ستمگار کو مائل دیکھا~~
ہنس کے بھی اے مرے پاس ادب تو نے مرا دل

چونکہ مطلع میں الف تاسیس کی قید ہے یعنی قاتل، مائل اور غزل میں مشکل، دل وغیرہ قوافی ہیں۔ لہذا مطلع میں قید تاسیس درست نہیں۔ مطلع میں ایک قافیہ الف تاسیس کا اور دوسرا قافیہ بغیر تاسیس جیسے دل، منزل وغیرہ کا ہونا چاہیئے یا پوری غزل حاصل، حائل وغیرہ قید تاسیس کر کے کہنا چاہیئے لہذا مطلع میں ترمیم کر دی۔

شعر نمبر ۳

آج ~~مُردے پہ~~ ~~روتے ہو~~ ہنستے تھے کبھی ~~دے گئے~~ دادِ وفا صبر کا حاصل دیکھا
روتے ہو مری لاش پہ مل گئی

مُردے پر رونے سے زیادہ فصیح لاش پر رونا ہے۔ بعض محل ایسے بھی ہوتے ہیں جہاں مُردے کا لفظ فصیح ہوتا ہے۔ یہاں غیر فصیح (دے گئے) سے (مل گئی) کا لفظ صاف ہے۔

شعر نمبر ۳

~~آپ کا نور~~ نگاہوں میں ~~بھرا تھا اتنا~~ ~~ڈال دنیا پہ نظر ہم نے~~ بمشکل دیکھا
آپ کے جلوے بھرے تھے اتنے ہم نے دیکھا کبھی تو دنیا کو

(نور بھرنا) بے معنے ہے اسلیے جلوہ بنایا۔ دوسرے مصرع میں (تو) کی ضرورت تھی جس کے بغیر مطلب ناتمام تھا۔ غزل میں زیادہ شعر کہا کیجیے تاکہ مشق بڑھ جائے۔

شعر نمبر ۴

خوف بجھنے کا جو تھا رات مصیبت میں کٹی ~~جو~~ گہہ چراغ شب ہجراں تو کبھی دل دیکھا

دوسرا مصرع (گہہ) کا محتاج تھا کیونکہ مصرع کے دو حصے تھے۔ دوسرے مصرع میں کبھی کا لفظ تھا لہذا (گہہ) یا (گاہ) یا (کبھی) پہلے ٹکڑے میں ہونا لازمی تھا لہذا بنا دیا۔

شعر نمبر ۵

ہم وہ رہرو ہیں کہ ~~اک دن نہ لیا سر پہ بار~~ ~~ہم نے اک دن~~ نہ چراغ سر منزل دیکھا
شرمندۂ احسان ہوئے بھول کے بھی

پہلے مصرع میں (اک دن) کا لفظ دوسرے مصرع میں پھر (اک دن) یہ تکرار غیر مفید کیا بلکہ بعید از فصاحت۔ ایسے زوائد سے شعر مبرا ہونا چاہیئے۔

شعر نمبر ۶

جو نہیں کو یہ سمجھتا ہو کہ ہاں کہتے ہیں اُس کو دُنیا میں نہ ہوتے ہوئے قائل دیکھا

شعر غنیمت ہے۔ رہنے دیا۔

شعر نمبر ۷

~~کبھی تخئیل پہ ہوتا ہے نتیجے کا حصول ~~ جس کو آسان نہیں سمجھا اُسے مشکل دیکھا~~

شعر بے معنے ہے کاٹ دیا۔

شعر نمبر ۸

حشر تک ~~ہے یہ اک خوف رہے گا طاری~~ ~~غیر سے آپ~~ نے کیوں دیدۂ بسمل دیکھا
یاد رہے گی نگہِ عالم یاس آپ نے غور سے

پہلا مصرع ظرافت کے رنگ کا تھا۔ غزل سے کوئی ربط نہ تھا اس لیے بنا دیا۔

دوسرے مصرع میں ترتیب و نشست الفاظ درست کر دی۔

مقطع نمبر ۹

نفس امید ہے دنیا میں ہر اک چیز کا جزو   ~~جھوٹ ہے جو کہے~~ کون کہتا ہے کہ ہم نے مہ کامل دیکھا

غزل کے شعر بہت کم ہیں آیندہ کوشش کیجیے کہ شعر زائد ہوا کریں ورنہ عمر بھر مشق شعر و سخن سے نا امید رہنا چاہیئے۔ میں نے غزل بنا تو دی لیکن اگر بارہ شعروں سے ابکی غزل کم ہوگی تو اصلاح میں دشواری ہوگی۔ خیال رکھیئے گا۔

دلچسپ معلومات نمبر ۱۵

اصلاح دے کے غزل قلمدان میں رکھ دی اور کتاب مطول اُٹھا کے بغرض مطالعہ ورق گردانی شروع فرمائی تھی کہ ایک شاعر غرّا جن کو دعویٰ یہ تھا کہ مجھ سے بہتر شعر کہنے والا روئے زمین پر کوئی نہیں تشریف لے آئے۔ آتے ہی سلام علیکم کہا اور پاس بیٹھ گئے۔

اُستاد۔ (علیکم السلام کہہ کے) تشریف لائیے۔ اور بسم اللہ کہنا چاہتے تھے کہ وہ پہلے ہی بیٹھ چکے تھے۔ اُستاد کو اُن کی ہیئت کذائی پر سخت حیرت تھی۔ سفید بال بینے پٹے جو شانوں تک بڑھے ہوئے۔ ریش چہرے پر جس پر برابر پان کی پیک کے دھبے، رال بہتی ہوئی، گریبان کھلا ہوا۔

مہمان۔ (گھبراتے ہوئے لہجے میں) جناب کا وقت تو میرے آنے سے خراب نہیں ہوا؟

اُستاد۔ جی نہیں۔ آپ نے کفش خانہ کو رونق بخشی جو باعث مسرت ہے۔ تشریف رکھیے۔

مہمان۔ میں نے سُنا ہے کہ جناب سے بہتر اب لکھنؤ میں کوئی ادب داں شاعر نہیں ہے؟

اُستاد۔ استغفراللہ۔ مجھے صحیح غلط کا بالکل امتیاز نہیں۔ مکمل شعر عرض کرنا نہیں جانتا۔ دوسرے یہ کہ بسبب پیرانہ سالی کے جو کچھ یاد تھا وہ بھی بھول گیا۔

مہمان۔ جناب کی تعریف میں نے ملکوں ملکوں، شہروں شہروں میں اساتذہ فن سے سُنی ہے۔

مگر جناب مَیں اپنے متعلق یہ عرض کرتا ہوں کہ فدوی کے تقریباً چار سو شاگرد ہیں، کل اصناف نظم پر اصلاح دیتا ہوں۔ (غزل۔ قصیدہ۔ رباعی۔ قطعہ۔ قطعہ تاریخ۔ مرثیہ۔ نظم) سب پر قادر ہوں۔ سیکڑوں کو استاد بنا دیا۔ بڑی محنت و ریاضت کے بعد آج اتنی تعلّی کر رہا ہوں۔ دس سال کا بل گھر سے نہیں نکلا، نظم کر کر کے پہاڑ کے پھینکا ہے۔ بوروں میں ردّی دریا بُرد کرائی ہے۔ مجھ سے بڑے بڑے اُستاد بات کرتے گھبراتے ہیں۔ علم عروض نوکِ زبان کئی لاکھ اُردو اساتذہ کے شعر یاد ہیں۔ تین دن میں مرثیہ کہتا ہوں۔ بات کہتے غزل و قصیدہ تیار کرتا ہوں۔ لکھنؤ کے عورت، مرد سب کے محاورات پر قادر ہوں۔ یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ یہ محاورہ کیونکر بنا، کون بولتا ہے؟ ایک ایک لفظ کے متعلق صحیح و غلط کی تحقیق کی ہے۔ میں جہاں بھی جاتا ہوں، سوائے تحقیق زبان کے دوسرا کام نہیں۔

اُستاد۔ بجا ہے۔ واقعاً جناب با اوصاف بزرگ ہیں۔ اُستاد ہیں۔

مہمان۔ جناب اپنا کچھ کلام سنائیں؟

اُستاد۔ میرا کلام اس قابل نہیں جو کسی اُستاد کے سامنے پیش کیا جائے۔

مہمان۔ جناب یہ ناممکن کہ میں بغیر سُنے چلا جاؤں۔

اُستاد۔ آپ اپنا کلام سُنائیں نہایت شوق سے سُننے کو تیار ہوں۔

مہمان۔ میری ضد ہے، سُنایئے اور ضرور سُنایئے۔

اُستاد۔ آپ مجبور فرماتے ہیں۔ چند شعر ایک غزل کے عرض کیے دیتا ہوں۔

مطلع

عرض کیا ہے ؎

دزدیدہ اک نظر مرے چہرے پہ ڈال کے ۔۔۔ آنکھوں کی راہ لے گئے دل کو نکال کے

مہمان۔ بخدا پُرانے رنگ کا کیا شعر سُنایا ہے۔

اُستاد۔ مطلع سُنایا ہے۔

مہمان - جی ہاں - مطلع، ایک ایک حرف نگینہ ہے - دزدیدہ کا لفظ لاجواب کس قدر حفظ مراتب ہے - واقعاً جناب بزرگوں کی یادگار ہیں - اپنی عادت سے مجبور ہوں - ایک بات عرض کروں؟

اُستاد - ضرور -

مہمان - دوسرے مصرع میں (دل کو) کا ٹکڑا ہے - اس میں (کو) زائد معلوم ہوتا ہے؟

اُستاد - ضرور زائد ہے - مگر جناب والا اگر ایسے زوائد سے احتیاط کی جائے گی تو اُردو میں شعر کہنا دشوار ہو جائے گا - یہ زائد نہیں ہے بلکہ تخصیص ہے - یعنی (جگر، پھیپھڑا نہیں لے گئے بلکہ دل کو نکال کے لے گئے اگر جناب یہ (کو) زائد ہے تو آتش کے یہاں بھی زائد ہے -

آتش

جو چاہے سو مانگ آتش درگاہ الٰہی سے
محروم کبھی پھرتے دیکھا نہیں سائل کو

بس اس قدر کافی تھا کہ سائل محروم پھرتے کبھی نہیں دیکھا - اگر اس مثال سے جناب کی خاطر جمعی نہ ہوئی ہو اور آپ یہ فرمائیں کہ (کو) زائد نہیں معلوم ہوتا تو دوسری مثال ملاحظہ ہو -

آتش

تماشا دیکھتا ہوں گھر میں بیٹھے ہفت کشور کا
بنایا ہے مرا دل توڑ کر جامِ جہاں بیں کو

ملاحظہ ہو (کو) بالکل زائد ہے یا نہیں؟ دوسری بات اور ملاحظہ ہو وہ یہ کہ آپ نے میرے یہاں مطلع میں حرف (کو) کو زائد فرمایا تھا - جناب عالی (گھر میں بیٹھے) کا ٹکڑا بھی ملاحظہ کیا؟ محاورہ ہے (گھر بیٹھے) اور صرف کیا ہے (گھر میں بیٹھے) (میں) زائد ہے یا نہیں؟

مہمان - واقعاً جناب میرا اعتراض غلط تھا - آپ صحیح فرماتے ہیں -

اُستاد - شعر عرض کیا ہے ؎

صیاد نے رہا نہ کیا چل بسی بہار
پچھتائے ہم قفس میں سے نئے پر نکال کے

مہمان - واہ واہ، واہ واہ، ماشاء اللہ، کیا شعر فرمایا ہے - (نئے پر) کے ٹکڑے نے جان ڈال دی

خدا کی قسم روح تازہ ہوگئی ۔ میرے ہوش اُڑ گئے ۔

اُستاد ۔ اسی جملے پر یعنے (ہوش اُڑ گئے) ہنسنے لگے ۔

مہمان ۔ ایک بات پھر عرض کرنا ہے ؟

اُستاد ۔ ارشاد ہو ۔ (غور سے مہمان کو دیکھ کے)

مہمان ۔ (چل بسی) کی جگہ اگر (چل بھی دی بہار) ہو تو کیا قباحت ہے ؟

اُستاد ۔ (چل دینا) بولتے ضرور ہیں مگر بہت کم ۔ میں احتیاط کرتا ہوں ، بازاری صرف ہے
چل کا صرف مختلف طریقوں سے زبان میں ہے ۔ جیسے چل نکلنا ۔ داغ

کٹ گئے لاکھوں گلے اس تیزیِ رفتار سے اب تو چل نکلے زیادہ اپنے ہی خنجر سے آپ

یا چل بیٹھنا امیر

ہو جو مسجد میں دل گرفتہ امیر کسی بھٹی پہ کیوں نہ چل بیٹھو

یا چل کھڑا ہونا جلال

کوئی دو گام ہی ساتھ آؤ نہ جاناں تا قبر چل کھڑا ہو کہیں گھر سے تو جنازہ میرا

اسی طرح چل بسنا، لکھنؤ کا بہترین فصیح محاورہ ہے ۔ چنانچہ آتش کا شعر یاد آگیا ۔ آتش

نظر آتا ہے مجھے اپنا سفر آج کی رات نبض چل بسنے کی دیتی ہے خبر آج کی رات

مہمان ۔ جناب آپ کو جیسا سُنا تھا ویسا ہی پایا ۔ میں تو قوتِ حافظہ کی پھر تعریف کروں گا
بات کہی اور شعر موجود ۔ میں تو جناب کی ادبیت کا قائل ہو گیا ۔ اور شعر ارشاد ہو ؟

اُستاد ۔ بس ، اب آپ ارشاد فرمائیں ۔

مہمان ۔ یہ نہیں ہوگا ۔ میں اور سنوں گا ۔

اُستاد ۔ آپ مجبور فرماتے ہیں ۔ ایک شعر اور سُنا دوں ۔ بس ۔ عرض کیا ہے ؎

دو چار ہم غریبوں کے بس آشیاں جلائے گلشن میں بجلیاں بھی گریں دیکھ بھال کے

مہمان ۔ قرآن کی قسم بے نظیر شعر کہا ہے ۔ 'دیکھ بھال' کا قافیہ اس قدر عمدگی سے نظم کرنا آپ ہی کا

کام ہے۔ روح تازہ فرما دی۔ معافی چاہتا ہوں ایک بات اور دریافت کروں گا۔ میں اپنی طبیعت سے مجبور ہوں۔

اُستاد۔ ضرور ارشاد ہو۔

مہمان۔ جناب کے پہلے مصرع میں 'غریبوں' کا لفظ جناب نے صرف کیا۔ واؤ، نون گر گیا۔ یہ کہاں تک جائز ہے؟ مصرع یوں صحیح ہے ع

دو چار ہم غریب کے بس آشیاں جلائے

اُستاد۔ بالکل صحیح عرض کیا ہے۔ اور اس طرح کی گر پڑ جائز ہے۔ واقعاً تقطیع میں ایسا ہی رہتا ہے۔ جیسا آپ فرماتے ہیں لیکن یہ ملحوظ رہے کہ اُردو کی جمع ہے۔ دوسرے 'غریبوں' کا نون، نون غنہ ہے جس کا گرنا تقطیع میں جائز ہے۔ رہا واؤ تو اُردو قاعدے سے جمع بنائی گئی ہے لہذا واؤ اُردو کا ہوا، جب اُردو ہوا تو اُردو کے حرف کا گرنا بالکل جائز قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ میر تقی میر

حیرت ہے کھولیں چشم تماشا کہاں کہاں حسن و جمال ویسا ہی اس کا خرام کیا

(کھولیں) کا (ی ن) میر صاحب نے گرا دیا۔ مصرع بحیثیت وزن یوں رہا جاتا ہے ع

حیرت ہے کھول چشم تماشا کہاں کہاں

میں نے خدائے سخن کے شعر کی مثال اپنی تائید میں پیش کر دی۔ شاید جناب پر مطلب واضح ہو گیا ہوگا۔ (ی ن) میر صاحب نے گرا دیے۔ نون، نون غنہ۔ (ی) اُردو کی لہذا تقطیع میں دونوں کا گرنا جائز۔

مہمان۔ واہ، کیا خوب سمجھایا ہے۔ ذہن نشین کرا دیا۔ میں نے ہندوستان میں ایسا حاضر جواب اُستاد نہیں دیکھا۔ خدا آپ کو زندہ رکھے، آپ لکھنؤ کی ناک ہیں۔ آپ سے لکھنؤ لکھنؤ ہے۔ آپ کا جواب دینے والا روئے زمین پر نہیں۔ مگر جناب میرا کلام بھی ایسا ہے جس میں ایک حرف عیب کا نکلنا دشوار ہے۔ میں جناب کو قسم دیتا ہوں، اگر کوئی اعتراض اتفاق سے سمجھ میں آئے تو

دریافت ضرور فرمائیے گا۔

اُستاد۔ میری حیثیت علمی اس قدر نہیں کہ میں اعتراض کرسکوں۔ جناب اپنا کلام بلاغت نظام سنائیں

مہمان۔ ابھی جناب اپنا کلام سنائیں، میری نہیں ہوئی۔

اُستاد۔ صرف آپ کی خوشی تھی جو تین شعر پڑھے ورنہ اس ناقدر زمانے میں کسی کو ایک شعر بھی سنانے کو دل نہیں چاہتا۔ پس آپ ہی کلام سنائیں، مَیں اب نہیں پڑھوں گا۔

مہمان۔ ملاحظہ ہو۔ ایک غزل کے چند شعر سناتا ہوں جو بڑی محنت سے عرض کی ہے۔ شاید عیوب سے پاک ہوں۔

اُستاد۔ بسم اللہ۔

مہمان۔ غزل۔ مطلع

رگوں سے خون ہو کے دل اگرتا چشم تر جاتا مسافر اپنی رَو میں حدِ منزل سے گزر جاتا

اُستاد۔ نہایت سمجھ کے جناب نے مطلع ارشاد فرمایا ہے۔ سبحان اللہ، پھر ارشاد ہو۔

مہمان۔ بہت خوب کہہ کے مطلع پھر پڑھا اور اُستاد نے پھر تعریف کی۔ مہمان نے دوسرا مطلع پڑھا

مطلع

سحر تک مرنے والے انتظارِ یار کر جاتا شبِ ہجران کٹ جاتی جو مرنا تھا تو مر جاتا

اُستاد۔ نایاب مطلع جناب نے ارشاد فرمایا ہے۔ لیکن (یہ کہہ کے اُستاد چُپ ہوئے)

مہمان۔ کیوں، کیوں؟ آپ کو میرے سر کی قسم ارشاد تو ہو کیا عیب ہے؟

اُستاد۔ آپ مہمان ہیں۔ خاطر شکنی اخلاقی جُرم ہے لیکن جناب قسمیں بھی دے چکے ہیں۔

مہمان۔ مَیں ناراض نہ ہوں گا۔ آپ فرمائیں تو۔

اُستاد۔ "شبِ ہجراں" کا ٹکڑا سمجھ میں نہ آیا۔

مہمان۔ کیا اضافت غلط ہے؟

اُستاد۔ جی نہیں۔ اضافت صحیح۔ اعلان غلط۔

مہمان - کیا آپ مع العطف اضافت اعلان نون کے قائل نہیں ؟
اُستاد - میں کیا ، جتنے محتاط لکھنؤ میں گزرے سب نے احتیاط کی -
مہمان - میری سمجھ میں نہ آیا کہ جناب محتاط اساتذہ سے کون کون سے اساتذہ مراد لیتے ہیں -
اُستاد - جیسے حضرت ناسخ - کہیں جناب کو کلام بھر میں اعلان نون نہ ملے گا -
مہمان - دہلی اور لکھنؤ کے مسلم الثبوت اُستاد جن کو خدائے سخن کہا جاتا ہے اُن کی مثالیں اگر جناب فرمائیں تو پیش کروں -
اُستاد - دو ایک مثالیں تو ضرور ارشاد فرمایئے -
مہمان - جناب والا ، خدائے سخن حضرت میر تقی میر دہلوی کا شعر موجود ہے - جن کے مستند ہونے میں کلام نہیں ، واقعاً یہی شاعر ایسا باکمال گزرا ہے جس کی تقلید پر دنیا مجبور ہے جس کے سامنے دوسرے شاعر کا چراغ نہ جل سکا ، آج تک دلوں پر سکہ بیٹھا ہوا ہے -

آج آوارہ ہوئے بال اسیرانِ قفس بے گُل و باغ و خیابان نہ ہو دیں گے گل

دیکھیے (خیابان) کے نون کا اعلان کر دیا - اسی طرح آپ کے لکھنؤ کے اساتذہ نے خوب خوب اعلان کیا -
اُستاد - میں یہ کب کہتا ہوں کہ اعلان نون اُستادان لکھنؤ کے یہاں نہیں موجود ہے - لیکن جناب کیا اگر کسی عیب کو لوگ نظم کرنے لگیں تو کیا عیب نہیں رہے گا ؟ بھلا کسی ایرانی ادیب مسلم الثبوت کے یہاں تو جناب اعلان نون دکھا دیں ؟
مہمان - واقعاً جناب درست فرماتے ہیں نہیں ملے گا - پھر اساتذہ لکھنؤ اور دہلی نے یہ غلطی کیوں کی ؟
اُستاد - اور تو کیا کہوں - بات یہ تھی کہ دنیا اُن کی طرف کھنچ رہی تھی جو بھی کہہ دیتے تھے واہ واہ کے سوا کبھی اعتراض کی آواز کانوں تک نہیں پہونچی - اُن کی مثال اُن رؤسا و شاہان ارض کی تھی جن کو کسی کو دو کسی کو چار خون معاف تھے - اسی طرح یہ سب اُستاد تھے کسی کو دو غلطیاں کسی کو چار غلطیاں معاف تھیں - باقی غلط غلط ہی ہے -

شعر

بچایا میرے دل نے روک کے مخلوقِ عالم کو بپا ہوتی قیامت جس طرف تیرِ نظر جاتا

اُستاد۔ بہت نایاب شعر فرمایا ہے۔ پھر ارشاد ہو۔

مہمان نے پھر پڑھا۔ اور جھک جھک کے تسلیمیں کیں۔

شعر

سوا مرنے کے اے چارہ گرو تدبیر ہی کیا تھی مرے دل میں چمک اُٹھتی اگر دردِ جگر جاتا

اُستاد۔ بہت صاف و پاکیزہ کلام جناب کا ہے۔ واہ واہ، کیا کہنا۔

شعر

یہ مانا غیظ انھیں آتا نہ واپس خط مرا لاتا بلا سے چاک ہو جاتا ترا کیا نامہ بر جاتا

شعر

پنہا کے بیڑیاں گردن کرتے تم نہ وحشی کو تو اپنی رَو میں صحرائے قیامت سے گزر جاتا

اُستاد۔ کیا کیا مرصع شعر جناب پڑھ رہے ہیں۔ تعریف سے زبان قاصر ہے۔ نگینے جڑ دیے۔

مہمان۔ آداب بجا لاتا ہوں۔

شعر

تمھاری شوق کی نظروں نے رکھا قلب کو زخمی وگرنہ زخم تیغ و تیر کیا دو دن میں بھر جاتا

اُستاد۔ یہ شعر بھی لاجواب فرمایا پھر ارشاد ہو۔

مہمان۔ تسلیمات بجا لاتا ہوں۔ جناب عزت افزائی فرماتے ہیں۔ پھر شعر پڑھ کے

شعر

سمجھتا منزلِ مقصود حاصل زندگانی کا جہاں پر راہِ اُلفت میں دلِ مضطر ٹھہر جاتا

اُستاد۔ یہ شعر بھی منتخب فرمایا۔ کیا مدح و ثنا ہو۔

مہمان۔ تسلیم عرض کرتا ہوں۔ ایک مطلع اور یاد آگیا۔

اُستاد۔ ارشاد ہو۔

مطلع

یہ حسرت تھی کہ اس دُنیا میں بس دُو کام کرجاتا تمھاری یاد میں جیتا تمھارے غم میں مرجاتا

اُستاد۔ کتنا لاجواب مطلع اور آپ چھوڑے جاتے تھے۔ کیا خوب فرمایا ہے، پھر ارشاد ہو

مہمان۔ (سلام کرتے ہوئے) جناب مہماں نوازی فرماتے ہیں۔

مقطع

بستی اُس جگہ برسوں اُداسی رات دن ارماں جنازہ مجھ سے وحشی کا جہاں دم بھر ٹھہر جاتا

اُستاد۔ مقطع بھی خوب فرمایا ہے۔ بلکہ پوری غزل مرصّع ہے۔

مہمان نے کھڑے ہو کے سلام کیا۔

اُستاد۔ اور کچھ اپنا کلام جناب ارشاد فرمائیں؟

مہمان۔ ایک غزل پر میں خود اکتفا نہ کروں گا۔ آپ سا قدردان کہاں ملے گا۔ جناب نے شعر ملاحظہ فرمائے کس قدر سمجھ کے عرض کیے ہیں۔

اُستاد۔ میں خود یہی عرض کر رہا ہوں۔

مہمان۔ جی، عیوب سے کس قدر پاک ہے۔ بڑے بڑے اساتذہ لکھنؤ کو کلام سُنایا ایک حرف پر اعتراض نہ فرما سکے۔ جناب نے تو ایک اعتراض فرمایا جو واقعًا درست تھا۔ اب انشاء اللہ تعالیٰ کوئی غلطی نہ ملے گی۔

اُستاد۔ درست ہے۔ آپ کا کلام ایسا ہی ہے۔

مہمان۔ فن کی معلومات حاصل کرکے نکلا ہوں۔

اُستاد۔ (فن کی معلومات) کیا فرمایا؟ کیا معلومات بصورت جمع تانیث ہے اور واحد ہے؟

مہمان۔ بیشک تذکیر و جمع ہے۔ (فن کے معلومات) مجھ کو کہنا چاہیے تھا۔

اُستاد۔ جناب معاف فرمائیں گے، بے ادبی ہے۔

مہمان - معاف فرمانے کی بات نہیں، ابھی لکھنؤ میں اتنا امتیاز رکھنے والے موجود ہیں - میں نے جان کے عرض کیا تھا - جناب معاف فرمائیں گے - امتحان مقصود تھا - ملاحظہ ہو ایک قَطعہ تاریخ عرض کیا ہے -

اُستاد نے فوراً اعتراض کر دیا - جناب قطعہ کب ہے یعنے بفتح قاف - آپ نے قطعہ فرمایا درآنحالیکہ لفظ قِطعہ ہے بکسر قاف -

مہمان کو چونکہ اپنی بات رکھنی تھی انکار کر دیا - جی نہیں، لغت میں قَطعہ ہے -

اُستاد - متاخرین نے قَطعہ استعمال کیا ہے لیکن متقدمین فصحاء ایران قِطعہ بکسر قاف ہی بولتے تھے -

مہمان - ایسا نہیں، متقدمین و متاخرین سب (قَطعہ) ہی بولتے تھے - آپ کے پاس لغات ہیں؟

اُستاد - جی، کُل لغت قریب قریب موجود ہیں - (یہ کہہ کے اُستاد نے بہارِ عجم الماری سے خود نکال کے مہمان کو دے دی - مہمان نے حرفِ قاف مع الطاء دیکھنا شروع کیا - قطعہ نکل آیا)

مہمان - دیکھیے یہ نکل آیا - اور عبارت پڑھنا شروع کی -

(قِطعہ بکسر اول و سکون ثانی پارۂ از ہر چیز - و در اصطلاح شعرا دُو بیت یا زیادہ مطلع دارد یا ندارد گویا کہ آں پارۂ از غزل یا قصیدہ بریدہ شدہ است - از مدار و کشف و بہارِ عجم و بایں معنے - بالفتح خطا است - مگر بعضے فصحاء متاخرین جائز ہم داشتہ اند)

اُستاد - جناب نے عبارت ملاحظہ فرمائی؟

مہمان - بیشک جناب درست فرماتے ہیں - میں جناب کی جامعیت کا قائل ہو گیا - یہ جناب کو یاد کیونکر رہتا ہے؟

اُستاد - شاعر کے لیے ضرورت ہے کہ ہمہ وقت تحقیق و تدقیق میں مصروف رہے چنانچہ میں بھی دن رات کتب بینی و تحقیق الفاظ میں مصروف رہتا ہوں - جس کی وجہ سے یہ بات پیدا ہے -

مہمان - خیر، اشعار ملاحظہ ہوں :-

مطلع قطعۂ تاریخ

وفات حسرت آیات سید عماد الدین صاحب بجنوری -

ہم نے دیکھی نہ کبھی زیرِ فلک آبادی ۔۔۔ گھر جو آباد ہوا چرخ نے کی بربادی

اُستاد - قطعہ تاریخ میں مطلع چہ معنے -

مہمان - کیا قطعہ میں مطلع نہیں ہوتا ؟

اُستاد - ابھی آپ نے پڑھا ہے - (دو بیت یا زیادہ) جب بیتوں پر تاریخ منحصر ہے تو مطلع کیونکر لایا جا سکتا ہے - آج تک کسی اُستاد نے تاریخ میں عام اس سے کہ خوشی کی ہو یا غم کی یا اور کوئی ہو کبھی مطلع نہیں کہا - شعر سے تاریخ شروع کی جاتی ہے - دیکھیے جناب زورؔ لکھنوی نے نواب معین الدولہ بہادر مرحوم کی تاریخ لکھی ہے لیکن مطلع نہیں ہے - یہ دلیل ہے کہ ایک فن کا جاننے والا اگر جائز ہوتا تو مطلع سے ضرور شروع کرتا - فرماتے ہیں -

قطعہ تاریخ

ہائے حسرت گردشِ چرخِ ستم ایجاد سے (۱) ہر بھرے گھر کو تباہی کا ہوا ہے سامنا

جنگلوں میں دشمنوں میں گھر کے اکثر مر گئے (۲) خوش نصیبی ہے اگر آئے عزیزوں میں قضا

اس پریشانی مصیبت میں نہ کوئی گھر رہے (۳) لُٹ گیا جس طرح بن میں خاندانِ مصطفےٰ

مجلسِ چہلم ہے جن مرحوم کی اے اہلِ بزم (۴) ان کے لب پہ رات دن تھا نامِ شاہِ کربلا

اب مجھے شعر یاد نہیں - بہر طور مطلع نہ ہونا چاہیے -

مہمان - مجھے اس وقت کوئی مثال ایسی یاد نہیں آتی جس کے تاریخ میں مطلع ہو - جناب کا ایسا حافظہ کہاں سے لاؤں - جناب سے ہر کس و ناکس تو بات ہی نہیں کر سکتا جناب ہر فن کا امام ہیں

اُستاد - میں پہلے کہہ چکا مجھے کچھ سلیقہ نہیں -

مہمان - اور شعر ملاحظہ ہوں -

گئے دنیا سے بڑے والد شیدائے حسینؑ ۔۔۔ دل میں داغِ غمِ شبیرؑ کی تھی آبادی

اُستاد۔ شعر تو بہت خوب سُنایا مگر اب ایک بات اور عرض کرنا ہے وہ یہ کہ مکرر قافیہ بھی لے آئے۔

مہمان۔ اس میں کیا عیب ہے؟

اُستاد۔ بہت بڑا عیب ہے۔ قطعہ میں مکرر قافیہ نہیں لاتے۔ یہی اساتذہ کا معمول ہے کہ کسی ایک اُستاد کا قطعہ بھی آپ پیش نہیں فرما سکتے جس میں مکرر قوافی ہوں۔ جناب اگر فرمائیں تو قطعات عرض کرنا شروع کروں۔

مہمان۔ مجھے جناب کے فرمانے کا یقین ہے۔ واقعاً آپ استاد بلکہ استادگر ہیں۔ میں اپنی تعلّی کی معافی چاہتا ہوں۔ تو یہ مسئلہ طے شدہ ہے کہ مکرر قافیہ نہ ہو؟

اُستاد۔ بالکل طے شدہ امر ہے۔

مہمان۔ قطعہ تاریخ تو اب سناؤں گا نہیں کیونکہ آفتاب کو چراغ دکھانا ہے۔ مگر دو ایک شکوک متعلق تاریخ باقی ہیں جناب حل فرمادیں۔ الف ممدودہ میں الف کا ایک عدد لینا چاہیے یا دو؟ اپنی تحقیق سے مطلع فرمائیے۔

اُستاد۔ میری تحقیق یہ ہے کہ الف ممدودہ کے دو لینا چاہیے۔ احتیاط اسی میں ہے۔ جیسے (آیا) کے تیرہ ۱۳ عدد جوڑنا چاہیے۔ اگر کوئی صاحب (آیا) کے بارہ ۱۲ ہی عدد لیں تو قابلِ اعتراض نہیں ہے جو الف ممدودہ کے دو لیتے ہیں اُن کا خیال یہ ہے کہ جب اوپر مدّ دینے چھوٹا الف بناتے ہیں اور بچّوں کو پڑھاتے ہیں۔ (الف الف زبر آ) تو دو کیوں نہ لیں۔ کیونکہ مکتوبی ہے۔ جو الف کا ایک عدد لیتے ہیں وہ الف نہیں مانتے بلکہ مد۔ اور مد کا کوئی عدد نہیں لہذا وہ (آیا) کے بارہ ۱۲ ہی عدد لیتے ہیں۔ جناب نے خیال فرمایا؟

مہمان۔ بالکل سمجھ گیا۔ بہت جناب کی سمع خراشی ہوئی۔ صرف ایک شک اور صاف کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ (ہمزہ) اور (ی) کا مسئلہ ہے۔ (گئے) میں چالیس ۴۰ عدد لیے جائینگے یا اکتیس ۳۱؟

اُستاد - میں آپ کا مطلب سمجھ گیا - دونوں مسلک اساتذہ کے ہیں - بعض نے (کاف) کے بیس اور (ہمزہ) کو یا قرار دے کے بیس عدد لیے ہیں اس طرح چالیس ہوئے - اور ان کا قول یہ ہے کہ یہ (ہمزہ) نہیں ہے بلکہ دراصل یا ہے لہذا کیا وجہ کہ دس عدد نہ لیے جائیں - اور جو حضرات اکتیس عدد لیتے ہیں اُن کا خیال یہ ہے کہ کاف کے بیس عدد ہمزہ کا چونکہ قائم مقام الف ہے ایک عدد اور یا کے دس عدد - اس طرح اکتیس عدد لیتے ہیں - قول صحیح میرے نزدیک یہی ہے کہ چالیس عدد لیے جائیں - اور دو (یا) مانی جائیں -

مہمان - سبحان اللہ، کیا جامع تقریر فرمائی ہے - میری بدنصیبی کہ لکھنؤ میں ٹھہر نہیں سکتا نہیں تو جناب کی صحبت سے فیضیاب ہوتا - خیر، اگر زندہ رہا تو چہلم سید الشہداؑ کے زمانے میں بغرض زیارت حاضر ہونے کا ارادہ ہے ضرور خدمت فیض درجت میں حاضر ہوں گا - اور چند محاورات قابلِ تحقیق ہیں جن کو جناب سے بہتر کون حل کرے گا تحقیق کروں گا -

اُستاد - انشاء اللہ تعالیٰ - ضرور تشریف لائیے گا - زندگی کا کوئی اعتبار نہیں اگر زندہ رہا تو ملوں گا -

مہمان - اللہ آپ کو زندہ رکھے - ضرور زندہ رہیے گا - اب اجازت چاہتا ہوں - (یہ کہہ کے مہمان کھڑے ہو گئے) -

اُستاد بھی کھڑے ہو گئے -

مہمان - بس تشریف رکھیے زیادہ زحمت کی ضرورت نہیں -

اُستاد - یہ لکھنؤ کی تہذیب ہے - میں پھاٹک تک ضرور پہونچانے چلوں گا - یہ کہہ کے مہمان سے باتیں کرتے ہوئے پھاٹک تک تشریف لے گئے اور نہایت پرانی تہذیب کے ساتھ معافیِ زحمت چاہتے ہوئے، خدا حافظ، فی امان اللہ، کے ساتھ رخصت کر کے - زنان خانہ میں تشریف لے گئے - اور آرام فرمایا - اسی کے چار روز بعد حسب دستور مولانا اپنی غزل لے کے صبح کے وقت آ گئے اور سلام کر کے استاد کے سامنے بیٹھ گئے جیب سے نکال کے غزل پیش کی -

اُستاد - پڑھتے جائیے، اصلاح ہو جائے -
مولانا نے سلام کر کے غزل شروع کی -

اصلاح نمبر ۱۶

غزل مولانا

مطلع نمبر ۱

ہو گیا نشتر لہو کا منتظر فصّاد ہے ‏ ‏ چھپنے والے ابتو آ فریاد ہے فریاد ہے
(لگ چکا) (جلد آ)

اُستاد - (ہو گیا) سے بہتر (لگ چکا) نشتر ہے - اور (اب تو آ) کی جگہ (جلد آ) بنا دیجیے - اور پڑھیے - ہاں یہ تو بتایئے کہ نشتر اور فصاد کا تذکرہ آپ نے کیا سمجھ کے کیا ؟

مولانا - اساتذہ کے کلام میں ذکر ہے اس لیے میں نے بھی عرض کیا -

اُستاد - میں نے خوب پوچھ لیا - چاہتا ہوں کہ غزل کی بنیاد جن خیالات پہ ہے بیان کرتا چلوں تاکہ جلد آپ مکمل شعر کہنے لگیں - کیونکہ وطن مالوف ترک کر کے لکھنؤ میں قیام کیے ہوئے ہیں سُنیے غزل کی بنیاد عشق و عاشقی پہ ہے - ایک عاشق دوسرا معشوق -

عاشق کی تعریف یہ کہ جو کبھی باوجودیکہ اُسے انتہائی تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں - کوئی عالم ہو انکارِ عشق نہ کرے -

اسی طرح معشوق - انتہائی بے رحم، مغلوب الغضب، وعدہ خلاف، عالم کے حسینوں میں سب سے بہتر جس کا جواب روئے زمین پہ نہ ہو، عاشق پر ترس نہ کھانے والا، غصّے میں ذبح کر ڈالنے والا وغیرہ وغیرہ یہ اوصافِ معشوق ہیں -

اب یہ سوال ہے کہ عاشق کے نشتر کیوں لگتا ہے ؟ وہ اس لیے کہ انتہائے عشق و تکالیفِ ہجر و غم و غصہ سے مادہ سوداوی جسمِ عاشق میں بہت زیادہ پیدا ہو جاتا ہے جو باعثِ جنون ہوتا ہے - مجنون کے لیے اگر فصد دے دی جاتی ہے تو جنون کم ہو جاتا ہے بلکہ یوں

کہوں کہ مرض بھی جاتا رہتا ہے۔ گو عشق حکما کے نزدیک جنون کی ایک قسم ہے آپ سمجھ گئے؟

مولانا۔ میں سمجھ گیا۔

مطلع نمبر ۲

حشر میں یوں تیرا عاشق (وحشی) مائلِ فریاد ہے ‖ ہاتھ روکے (پکڑے) اس طرف مجنوں اُدھر فرہاد ہے

اُستاد۔ (عاشق) کی جگہ (وحشی) بنائیے اور (روکے) کی جگہ (پکڑے) لکھیے۔

مولانا۔ بہت خوب۔ اصلاح لکھ لی۔

مطلع نمبر ۳

~~موت کا آنا نشانِ~~ (بے بسی کی موت شرحِ) قصۂ بیداد ہے ‖ اُٹھ گئی (مر گئی) بلبل قفس سے (میں) سرنگوں صیاد ہے

اُستاد۔ (نشانِ قصۂ بیداد) درست نہیں۔ یوں بدل دیجیے۔

بے بسی کی موت شرحِ قصۂ بیداد ہے۔

مصرعِ ثانی میں (اُٹھ گئی بلبل قفس سے) کا ٹکڑا صحیح نہیں اسلیے کہ گو 'اُٹھ جانا' مرجانے کو کہتے ہیں۔ جیسے کہ امیر مینائی کا شعر ہے ؎

مشتاق امیر اُٹھ گئے دنیا سے ہزاروں ‖ پردہ رُخِ محبوب سے اُٹھنا نہ حیا کا

یا میر تقی میر کا شعر ہے ؎

بٹھا اُس کی خاطر میں نقشِ وفا ‖ نہیں تو اُٹھالے خدا یا ہمیں

میرے نزدیک اُٹھ جانے کا صرف مخصوص انسان کے لیے ہے۔ جانور کے لیے 'اُٹھ جانا' بمعنی 'مرجانا' بولنا غیر فصیح ہے۔ لہٰذا مصرع میں (مرگئی) بنائیے۔ اور (سے) کی جگہ (میں) لکھیے شعر مکمل ہوگیا۔

مولانا۔ بہت خوب کہہ کے بنا لیا۔

شعر نمبر ۴

~~ہے تلاطم جہاں~~ (زلزلے میں ہے) ہلتی ہے ساری کائنات ‖ تھم (اب) نہ ٹھکرا ~~کر کسی کا~~ (کہ یہ میرا) دلِ ناشاد ہے

اُستاد۔ 'کائنات کا ہلنا' یہ چاہتا ہے کہ پہلے ایسے الفاظ لائے جائیں جن سے حرکت ثابت ہو جائے

گو، تلاطم سے حرکت ثابت ہوسکتی ہے۔ لیکن تزلزل سے حرکت کا اثبات بدرجہ اولیٰ ممکن ہے لہٰذا (زلزلے میں ہے) بنالیجیے۔

مصرع ثانیہ میں۔ چونکہ کائنات ہل رہی ہے، عالم میں تغیر ہو رہا ہے جس کے روکنے کی سخت ضرورت ہے۔ زیادہ بہتر ہے کہ اُسے روکا جائے اُس کے لیے (تم نہ ٹھکراؤ) سے (اب نہ ٹھکراؤ) بہتر ہے تاکہ زلزلہ رُک جائے، کائنات سنبھل جائے۔ مزید یہ کہ (کسی کا دل) یہ ابہام فائدہ خاص نہیں دیتا۔ زور پیدا نہیں ہوتا۔ لہٰذا (کہ یہ میرا دلِ ناشاد) لکھ دیجیے۔ اب تکمیلِ شعر ہوئی۔

مولانا۔ واقعاً اب شعر مکمل ہوگیا۔ (یہ کہہ کے اصلاح لکھ لی)۔

شعر نمبر ۵

~~میں نے یوں دی جان ہے~~ ٹوٹیں قفس کی تیلیاں　　　کیوں نہ شرمندہ ہوں جا سے شکوۂ صیاد ہے
یوں تڑپ کے جان دی

اُستاد۔ صرف (یوں دی جان) سے قفس کی تیلیاں ٹوٹنا ثابت نہوا۔ تاوقتیکہ ایسے الفاظ نہ لائے جائیں جو ثابت کرسکیں لہٰذا (یوں تڑپ کے جان دی) بنالیجیے تاکہ تیلیوں کا ٹوٹنا ثابت ہوجائے۔

مولانا۔ بہت مناسب کہہ کے لکھ لیا۔

شعر نمبر ۶

چھپنے والے تو ہمارے سامنے ہے ~~ہر گھڑی~~　　　~~حسن دیکھا تھا ازل میں~~ جو ابھی تک یاد ہے
راتدن　　　جو ازل میں حسن دیکھا تھا

اُستاد۔ (ہر گھڑی) سے (رات دن) زیادہ بہتر ہے۔ مصرع ثانی میں قدرے تعقید ہے۔ یعنے (حسن دیکھا تھا ازل میں جو) اس ترکیب کو بدل دیجیے۔ یوں کیجیے۔ (جو ازل میں حسن دیکھا تھا)

مولانا۔ بہت خوب۔ (یہ کہہ کے بتائے ہوئے ٹکڑے لکھ لیے)۔

شعر نمبر ۷

سارے عالم کی ہواؤں کا ~~ہر رُخ بس سمت کو~~　　　اہلِ دُنیا جس طرف خاکِ دلِ ناشاد ہے
اُسی جانب ہے رُخ

اُستاد - آپ نے سمت بکسر سین پڑھا؟ صحیح سمت بفتح سین ہے - بڑے بڑے پڑھے لکھے دعوائے ادبیت کرنے والے سمت بکسر سین بولتے ہیں (خاندانی، مرثیہ خوان، مسند نشینی کا دعویٰ کرنے والے) بڑے فخر کے ساتھ سمت بکسر سین بولتے ہیں - تنہا "سمت" تک تو خیر غنیمت ہے، ترکیب کے ساتھ بولتے ہیں جیسے (سمت کعبہ، سمت دریا) - کہتے ہیں - اُن سے کوئی پوچھے کہ آپ ہزاروں آدمیوں کے سامنے غلط پڑھتے ہیں اور دعوائے اُستادی کرتے ہیں، کہاں تک صحیح ہے - کیا آپ کے گھر میں کوئی لغت نہیں؟ کیا آپ کو لغت دیکھنا نہیں آتا؟ کیا آپ کے پاس وقت نہیں؟ یقیناً صرف تساہلی اور غرائے شاعری و اُستادی لکھنؤ کو بدنام کرتا ہے - کیا بیرونجات میں تعلیم یافتہ حضرات نہیں ہیں؟ ایک سے ایک محقق بیرونجات لکھنؤ کے مجالس میں شرکت کرتا ہے - واللہ ہنستے ہوں گے - خیر آپ آئندہ سمت بالفتح سین کہئے گا - (اسی جانب ہے رُخ) بنا لیجئے -

مولانا - بہت بہتر کہہ کے بنالیا -

شعر نمبر ۸

~~ہوں گرفتارِ بلا ہے گردشِ لیل و نہار~~ روئے تاباں کے قریں زلفِ ستم ایجاد ہے

رات سے محشر کی اے دل متصل ہے صبح حشر

اُستاد - آپ نے کیا پڑھا - گرفتار بالفتح یا گرفتار بالکسر؟

مولانا - بالفتح پڑھا -

اُستاد - غلط، اگر تنہا گرفتار بالفتح کہتے پھر بھی غنیمت تھا - گو، غیر فصیح ہوتا لیکن بلا کی طرف اضافت کے بعد یعنے (گرفتارِ بلا) اس ترکیب اضافی کے بعد بالفتح پڑھنا فاش غلطی ہے - اصل میں یعنے لغت میں بالکسر ہے - اہل ایران بالفتح نہیں بولتے - اہل ہندوستان نے کسرہ کو فتح سے بدلا - جب فتح دے کے بولا گیا تو گرفتار کا لفظ اُردو ہو گیا - اُردو فارسی کی ترکیب صحیح نہیں - لہذا (گرفتارِ بلا) بالفتح نہ بولنا چاہیئے - مصرعِ اولیٰ یوں بدل دیجیے - ع

رات سے محشر کی اے دل متصل ہے صبح حشر

مولانا۔ بہت خوب کہہ کے لکھ لیا۔

شعر نمبر ۹

پوچھتا ہوں جب کہ کیوں دامن بچاتے ہیں حضور ہنس کے کہتے ہیں ہمیں یوسفؑ کا قصہ یاد ہے

اُستاد۔ (کہ کیوں) میں تنافر ہے لہذا (یہ کیوں) بنا دیجیے۔

مولانا۔ بہتر (یہ کہہ کے اصلاح لکھ لی)۔

شعر نمبر ۱۰

کاٹتا ہے پر قفس میں روز اس درجہ ہی خوف اللہ اللہ کس قدر ضدی مرا صیاد ہے

اُستاد۔ مولانا، مصرع نہیں لگا۔ روز قفس میں پروں کے کاٹنے سے اور ضد سے کوئی خاص ربط نہیں۔ لہذا مصرع یوں بدلیے دیکھیے مصرع لگا یا نہیں۔

پھوٹیں جب کلیاں پروں کی توڑلیں مانند گل ہمسفیرو کس قدر ضدی مرا صیاد ہے

مصرع ثانی میں "اللہ اللہ" زائد ہے۔ "ہمسفیرو" میں مناسبت خاص ہے۔ ایک قیدِ قفس والا پرند ہمیشہ اپنے ہمجنس سے خطاب کرے گا۔

مولانا۔ بالکل درست۔ اب لاجواب شعر ہو گیا۔ (یہ کہہ کے اصلاح لکھ لی)۔

اُستاد۔ یہ بتائیے کہ غزل میں صیاد، بلبل، چمن، قفس کا ذکر کیوں کرتے ہیں؟

مولانا۔ یہ جناب ارشاد فرمائیں۔ چونکہ اساتذہ نے نظم کیا ہے لہذا میں نے بھی نظم کیا۔

اُستاد۔ سُنیے اور غور سے سُنیے۔ غزل کی بنیاد صرف عشق پر ہے۔ مختلف مضامین اپنی جدّتِ طبع سے اساتذہ نے داخلِ غزل کر دیئے۔ یہ مشہور ہے کہ فصلِ بہار میں پرند جانور باغوں میں درختوں پر اپنا آشیانہ بناتے ہیں۔ وہ زمانہ انتہائی مسرت و شادمانی کا ہوتا ہے۔ باغوں میں پھول، پھولوں میں کشش۔ ایسی حالت میں صیاد باغوں میں، چمن میں جاتا ہے اور اپنی حکمتِ عملی سے کسی نہ کسی طرح گرفتار کر لیتا ہے اور پر کتر کے قفس میں بند کر کے رکھتا ہے۔ وحشی جانور کی وحشت قفس میں اور بڑھ جاتی ہے۔ اپنے محبوب آشیانے دل سے زیادہ عزیز چمن کو یاد کر کے

پھڑکتا ہے۔ بالخصوص شام کے قریب یعنے جھٹپٹے وقت وحشت اور زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ اپنے ہمنوا ہمسفیروں کو آشیانے کی طرف جاتے دیکھتا ہے۔ گویا اپنے محبوب چمن، محبوب آشیانے کے فراق میں بیچین رہتا ہے اور ہر عاشق کوشش کرتا ہے کہ جلد معشوق تک پہونچوں چونکہ یہ مضمون بالکل عشق و عاشقی سے متعلق ہے اس لیے اساتذہ نے اسے غزل میں جگہ دی۔ مزید یہ کہ جہاں تصویرِ حسن و عشق ہے وہاں مرقعِ ہجر بھی موجود ہے۔ یعنے چمن اور آشیانے سے جُدائی وغیرہ۔ اب آپ نے غور کیا؟

مولانا۔ میں خوب سمجھ گیا۔

شعر نمبر ۱۱

~~اے مرے اللہ جائز ہو نہیں سکتی نماز　　　رُخ ہے تیری سمت اور دل میں خدا کی یاد ہے~~

میرے مالک شرم آتی ہے پڑھوں کیونکر نماز　　　رُخ ہے کعبہ کی طرف دل میں صنم

اُستاد۔ آپ کی تخئیل کے مطابق نماز کا جواز و عدمِ جواز کوئی خاص فائدہ شعر کو نہیں بخشتا۔ اسلیے مصرع بدل دیا۔ اور لفظ شرم خصوصیت سے لایا گیا۔ چونکہ کعبہ خدا کا گھر ہے اور خدا کے گھر میں صنم کا کیا ذکر یا کعبے سے اور صنم سے کیا ربط۔ نماز پڑھنے والا کہتا ہے کہ دل میں صنم کی محبت ہے یعنے معشوق کی۔ اور نماز واجب پڑھ رہا ہوں۔ نماز میں کعبہ کی طرف رخ ہے، دل میں یادِ صنم ہے بڑی شرم کی بات ہے نماز کیونکر پڑھوں کیونکہ نماز کو ہر خیال سے بری ہونا چاہیے اسلیے مصرعِ ثانی بدل دیجیے اور پڑھیے۔

مولانا نے بہت خوب کہہ کے اصلاح لکھ لی۔

شعر نمبر ۱۲

آپ کیوں گورِ غریباں میں کھڑے ہیں دم بخود　　　سب یہ سمجھیں گے ~~کہ ہاں دل میں~~ کسی کی یاد ہے

دیکھنے والے یہ سمجھیں گے

اُستاد۔ (کہ ہاں دل میں) کا ٹکڑا سُستیِ نظم کی علامت ہے مصرع کی صفائی ختم ہوگئی۔ لہذا یوں بدل دیجیے۔ ع دیکھنے والے یہ سمجھیں گے کسی کی یاد ہے۔ اور پڑھیے۔

مولانا۔ اصلاح لکھ کے۔

مقطع

فن سے اب کوئی تعلق ہی نہیں باقی شعار شعر نمبر ۱۲ کہہ لیے دو شعر جس نے آجکل اُستاد ہے

اُستاد۔ غنیمت ہے رہنے دیجیے۔

مولانا نے سلام کرکے غزل تہ کرکے جیب میں رکھ لی۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہونے لگیں۔ تھوڑی دیر کے بعد مولانا نے اجازت چاہی اور رخصت ہو گئے۔

دلچسپ معلومات نمبر ۱۶

اُستاد بیٹھے کچھ سوچ رہے تھے کہ ایک بچپنے کے جاہل دوست نہایت شریف خاندان مگر مفلوک الحال تشریف لے آئے خدمت میں بے تکلف بہت تھے۔ اُستاد کی کوئی خاص عزت اُن کی نظر میں نہ تھی۔ سرسری طور سے آداب عرض کرکے بیٹھ گئے بلکہ آڑے ہو کے دوسرے گاؤ پر جو ایک طرف کھڑکی کے پاس لگا تھا لیٹ گئے۔

رفیق۔ سب خیریت؟ جناب کا مزاج کیسا ہے؟

اُستاد۔ خدا کا فضل ہے۔ آپ کے یہاں سب خیریت ہے؟

رفیق۔ (ٹھنڈی سانس بھر کے) ہاں، خیریت ہی ہے۔ بیوی سے روز روز کی ٹھائیں ٹھائیں، میتا فضیحتی رہتی ہے۔ میرا ناک میں دم ہو گیا۔ جھلسا ایسی زندگی کو، جناب سیدہ کی جھاڑو پھرے۔

اُستاد۔ واللہ عجب گفتگو ہے۔ وہ رنگ نہ گیا۔

رفیق۔ رنگ کیا؟ آپ نے عجب طرح کی بات کہی۔

اُستاد۔ سب بول چال عورتوں کی ہے۔ کیا ہر وقت گھر ہی میں رہنے کا اتفاق ہوتا ہے؟

رفیق۔ آپ بڑے اُستاد ہیں، مردوں کے محاورے بولا کرتے ہیں۔

اُستاد۔ (ہنس کے) ہم تو بولتے ہی ہیں، مرد ہیں۔

رفیق۔ ہم بھی مردوں کے محاورات بولتے ہیں۔ کون سا محاورہ غلط بولے۔ بتائیے؟

اُستاد - کچھ بازاری محاورے بولے، کچھ عورتوں کے محاورے استعمال کر گئے -
رفیق - فرمائیے تو - آخر وہ کون کون ہیں ؟
اُستاد - ٹھائیں ٹھائیں ٹُنکا فصیحتی - یہ بالکل بازاری زبان ہے - جھلسا پڑنا حضرت بی بی کی جھاڑو پھرے، خاص عورتوں کی زبان ہے -
رفیق - آپ کو اعتراض کرنے کی بہت عادت ہے - میں سمجھ گیا - خاص وجہ یہ ہے کہ دن رات اصلاح دینے کا مشغلہ رہتا ہے - میں 'ناک میں دم' بولا تھا آپ نے اعتراض نہ فرمایا ؟
اُستاد - وہ بھی قریب قریب عورتوں کی زبان ہے -
رفیق - کوئی شعر پڑھیے تو مانوں ؟
اُستاد - جان صاحب ریختی گو کا شعر ہے ؎

آ آ کے جب ستائے نگوڑا زکام روز　　اے جان کس طرح نہ مرا ناک میں ہو دم

اچھا، آجکل بیوی سے لڑائی ہے یا میل ؟
رفیق - لڑائی ہے - میں کہہ چکا کہ جب تک نخرے کرنا نہ چھوڑو گی تم سے بات نہیں کروں گا -
اُستاد - نخرے بھی عورتوں کی بول چال ہے - شوق کہتے ہیں

نخرا تِلّا ذرا نہ کریے آپ　　جیتے رہیئے کہ اس میں مریے آپ

رفیق - مرد بھی بولتے ہیں اس لیے میں بھی بولا -
اُستاد - آپ ہی کے ایسے مرد ہوں گے -
رفیق - میری داستان سُن لیجیے، بعد کو اعتراض کیا کیجیے گا - میں نے بیوی سے صاف کہہ دیا ہے کہ میں کوئی ننھا مُنا نہیں کہ تم مجھ پر دباؤ ڈالو -
اُستاد - یہ بھی عورتیں بولتی ہیں - مرد کبھی نہیں بولتے - رنگین کا شعر ہے ؎

ننھی مُنّی سی بہنتی تھی یہ پیاری ہیکل　　جب تلک چھوٹی تھی تب تک تو بوا اتنا جان

رفیق - بات کرنے دیجیے ورنہ ذرا سی بات کہنے میں دن گزر جائے گا -

اُستاد۔ فرمایئے۔ ابھی بہت وقت ہے، مَیں شوق سے آپ کی باتیں سُن رہا ہوں۔

رفیق۔ کہتی ہیں کہ جب سے تمہارے یہاں آئی ہوں کوئی سُکھ نہیں اُٹھایا۔ تم نہ کماتے ہو نہ دھماتے ہو، پڑے پڑے کھاتے ہو، نتیجہ کیا ہوگا؟ میں نے بھی صاف کہہ دیا میں نتیجہ دتیجہ کچھ نہیں جانتا، میری جوتی جانے۔

اُستاد۔ پھر بول گئے۔ واقعاً آپ کو زنانی بول چال کی عادت ہوگئی ہے۔ 'جوتی جانے' یہ بیوی کو کہنا چاہیئے تھا جو میاں بول رہے ہیں۔ قلق کا شعر ہے ؎

جوتی جانے مری مجھے کیا کام　　جس نے بلوایا ہے اُسے دو پیام

رفیق۔ واسطہ خدا کا بات پوری سُن لیجیے اُس کے بعد میں یہیں رہنے لگوں گا۔ آپ دو چار مہینے رات دن اعتراض کیجیے گا۔

اُستاد۔ اچھا، پھر بیوی نے کیا کہا۔ ذرا بیان تو کیجیے۔

رفیق۔ کہنے لگیں۔ تم نے مصیبتیں ڈال ڈال کے مار ڈالا۔ میں نے کہا۔ تم لڑ لڑ کے میرا جی کھا گئیں۔

اُستاد۔ وہ محاورہ صحیح بولیں۔ آپ نے غلط جواب دیا۔

رفیق۔ کیا پھر کوئی بات ہے جو قابلِ اعتراض ہے؟

اُستاد۔ اگر کوئی بات نہ ہو تو آپ کا کلام ہی کیا۔ 'جی کھانا' آپ نے کہاں سُنا۔ نسوانیت کی بو آرہی ہے۔

رفیق۔ حضور، آپ بہت اعتراض کیا کرتے تھے مجھے خدائے سخن میر تقی میر کا شعر یاد آگیا۔ کہتے ہیں ؎

تلو ماک پھر لیکن پائی نہ وفا اک جا　　جی کھا گئی ہے میرا اس جنس کی نایابی

اب کیا اعتراض ہے؟

اُستاد۔ محاورہ پر کوئی اعتراض نہیں، صرف اعتراض یہ ہے کہ لکھنؤ کی یہ زبان نہیں، دہلی میں

کبھی بولا جاتا ہوگا یا اب بولتے ہوں لیکن جناب نے کسی اہل لکھنؤ کو بولتے سنا ہے زبان اور مقام محاورہ کے لیے سب کچھ دیکھنا پڑتا ہے وہی محاورہ دہلی میں فصیح، لکھنؤ میں غیر فصیح۔ وہی لکھنؤ میں فصیح، دہلی میں غیر فصیح۔

رفیق۔ خیر صاحب یہاں نہ بولتے ہوں گے۔ للہ بات پوری سن لیجیے۔ کہتی ہیں کہ "تم اللّے تللّے بہت کرتے ہو جس کی وجہ سے یہ مصیبت خرچ کی رہتی ہے" میں کہتا ہوں کہ "جب سے تم سبز قدم آئی ہو، گھر میں اُتو بولنے لگا۔ کیا میں اول سے نہیں سمجھاتا آیا کہ پیسہ روک کے اُٹھاؤ جو کچھ تھا سب بیچ کے کھا گئیں۔ میری بات جب نہ سُنی۔ کیا کان پھوٹ گئے تھے"۔ تو چُپ ہو رہتی ہیں۔

اُستاد۔ (ہنس کے) اُنھوں نے جو کچھ کہا سچ کہا۔ جو محاورہ بولیں صحیح بولیں۔ اُن کے بولنے کا تھا۔ جیسے 'اللّے تللّے' کیونکہ یہ خاص لکھنؤ کی عورتوں کی زبان ہے۔ داغؔ کہتے ہیں ؎

وہ فیاض حاتم زمانے کے ہیں — اللّے تللّے خزانے کے ہیں

لیکن عالیجناب نے جو 'کان پھوٹنا' بولا۔ یہ انھیں کا محاورہ ہے جو آپ بول گئے جس طرح آپ بیوی کے محاورات صرف کرتے ہیں۔ اُسی طرح اُن کا مال بھی آپ نے اپنا سمجھ کے صرف کر ڈالا ہوگا۔ کیا بیجا لڑتی ہیں۔

رفیق۔ کیا 'کان پھوٹنا'، لکھنؤ کے مرد نہیں بولتے؟

اُستاد۔ جی نہیں بولتے۔ ہاں دہلی میں بولتے ہیں۔ داغؔ کا شعر ہے ؎

پھوٹیں یہ کان گر تم عیسیٰ کی ہو ہوس — مرتے ہیں جس پہ ہم وہ مسیحا ہی اور ہے

لیکن یہ محاورہ لکھنؤ کی عورتیں بولتی ہیں یا آپ ایسے مرد۔

رفیق۔ (غصے میں) تو آپ کی اُستادی آپ کی شاعری ہمیں آج بات نہیں کرنے دے گی؟

اُستاد۔ نہیں نہیں، آپ بات ضرور کیجیے مگر جیسی آپ کی صورت ہے، جیسا خدا نے آپ کو بنایا ہے ویسی ہی بات کیجیے۔ اگر پردہ ڈال دیا جائے تو آپ کی گفتگو پر یہ دھوکا ہوگا

کہ عورت بات کر رہی ہے - اچھا بات کیجیے -
رفیق - کل سے ایک نیا جھگڑا نکالا ہے - کہتی ہیں کہ "تم نے دوسری عورت کر لی ہے - دن بھر غائب رہتے ہو، جب پوچھتی ہوں تو اناپ شناپ اُڑاتے ہو - میری نظروں میں دنیا اندھیر اگھُپ ہو رہی ہے - میں قیامت ڈھا دوں گی" - میں نے سیکڑوں قسمیں کھائیں، سمجھایا کہ میں ایسا اناڑی نہیں ہوں کہ کھانے کو ہے نہیں، دوسری عورت کر لوں - نہ کہیں سے حرام میں پیدا کر کے لاتا ہوں کیونکہ مجھے اُونٹ نہیں آتی -
اُستاد اس زور میں ہنسے کہ دانت نمایاں ہو گئے -
رفیق - کیوں - کیا پھر کوئی بات ہے جو اِس زور سے ہنسے ؟
اُستاد - مختصر سی گفتگو میں اگر دو چار باتیں بھی قابل اعتراض نہ ہوں تو آپ کی بات ہی نہیں - بیوی نے جو محاورے صرف کیے صحیح صرف کیے - کیونکہ گھر کی بیٹھنے والی فصیح و غیر فصیح، بازاری غیر بازاری زبان کا امتیاز کیا کر سکتی ہیں - مگر افسوس آپ کی حالت پر ہے - ہر وقت شعرا کی صحبت لکھنؤ کے ممتاز خاندان کی فرد، جب بات کی یا تو عورتوں کی زبان بولے یا بازاری محاورہ صرف کیا -
رفیق - جناب، بیوی کیا صحیح بولیں اور میں کیا غلط بولا ؟
اُستاد - سُنیے - اُنھوں نے 'اناپ شناپ اُڑاتے ہو' بولا - بازاری محاورہ ہے - اہل لکھنؤ کے پست طبقے کے لوگ بولتے ہیں وہ بیچاری بولیں تو کوئی قباحت نہیں -
رفیق - داغ کا شعر پڑھتا ہوں - آپ گھڑی گھڑی بازاری محاورہ بازاری محاورہ کہہ رہے ہیں ؎

کھائے جاتا ہے دل اناپ شناپ بڑھ گئی دل کی اشتہا کیسی

اُستاد - داغ نے تو بازاری محاورات کے دریا بہا دیے ہیں، آپ سند میں کیا پیش کرتے ہیں - دوسرا محاورہ 'اندھیر اگھُپ' بولیں وہ بھی اُنھیں کے بولنے کا ہے - کیونکہ فصحا نہیں بولتے
رفیق - جی، داغ کا ایک شعر اور یاد آگیا ؎

سامنا زلفِ سیہ کا کل جو میرا ہو گیا کیا مری آنکھوں کے آگے گھُپ اندھیرا ہو گیا

اُستاد۔ بازاری لوگ یعنے عوام بولتے ہیں۔ فصحا "اندھیرا گھُپ" نہیں بولتے اور جناب نے اناڑی کا لفظ استعمال کیا جو قطعاً بازاری ہے۔

رفیق۔ یہ محاورہ بھی داغ نے استعمال کیا ہے۔ شعر

سلیقہ چاہیئے عادت ہے شرط اسکے لیے اناڑیوں سے نہ جنت میں میکشی ہو گی

اُستاد۔ یہ تو بالکل بازاری محاورہ ہے، اس میں تو کوئی کلام نہیں۔ یہ کیا ایک اور بھی آپ بول گئے ہیں جو جناب داغ صرف کر گئے ہیں اور وہ "اَنُوٹ" کا لفظ ہے۔ کہتے ہیں ؎

وہ حسن وہ انداز وہ پھر بانکپن اس کا چھَل بل ہے قیامت کی تو انوٹ ہے غضب کی

رفیق۔ میں نے جو شعر پیش کیے بازاری محاورہ، آپ نے شعر پیش کیا بازاری محاورہ۔ تو کیا داغ بازاری محاورے ہی نظم کیا کرتے تھے؟

اُستاد۔ کثرت سے بازاری محاورات نظم کیا کرتے تھے۔ اُن کا یعنے داغ کا قول تھا کہ میں بازاری محاورات اسلیے زیادہ نظم کیا کرتا ہوں کہ زبان محفوظ ہو جائے۔ یہ خیال ایک حد تک صحیح نہ تھا۔ زبان مٹ گئی نہ یہ کہ محفوظ رہی۔ اسلیے کہ مستند شاعر کا کلام حجت ہوتا ہے جب داغ کے یہاں نظم پاتے ہیں تو عوام بھی نظم کرنے لگتے ہیں اور بولنے لگتے ہیں جیسا جناب بازاری محاورات کے دریا بہا رہے ہیں۔ یہ سب حضرت داغ کا فیض ہے۔

رفیق۔ آپ تو بڑے بڑوں پر اعتراض کر جاتے ہیں۔ بڑی جسارت کرتے ہیں۔

اُستاد۔ اسی وجہ سے سب سے بُرا ہوں، صاف کہہ دیتا ہوں۔ اچھا اور کچھ ہوی کی باتیں بیان کیجیے

رفیق۔ مجھے معاف فرمائیے۔ اتنی باتیں بیان کیں تو کیا پایا۔ سوائے اعتراض سوائے اعتراض کے کچھ نہیں۔ جب سے اس کمرے میں آ جاؤ اعتراض کے سوا کچھ نہیں سنائی دیتا۔ خیر، یہ تو مزاحاً میں نے کہا۔ خدا اور زیادہ کرے۔ آپ اُستاد ہیں۔ واللہ بڑی ریاضت کرکے کمال حاصل کیا۔

اُستاد۔ زیادہ بات کیجیے گا پھر اعتراض کروں گا۔ آپ ناراض ہوں گے؟

رفیق ۔ اچھا بھائی صاحب جاتا ہوں خدا حافظ ۔ ابھی اور بھی کام ہیں ۔ دیر ہو گی تو بیوی سے جھگڑا ہو گا ۔ (آداب عرض کہتے ہوئے یہ جا وہ جا)

اُستاد مطالعہ کتب کرنے لگے اور تحقیق میں مصروف ہو گئے ۔ تھوڑی دیر کے بعد زنان خانہ میں گئے ۔ چار بجے دن کو برآمد ہوئے ۔ چمن میں ٹہلتے رہے ۔ شام کو پھر زنان خانہ میں تشریف لے گئے ۔ صبح کو برآمد ہوئے اور اصلاح دینے والے بیٹھکے میں فروکش ہوئے ۔ انھیں لیل و نہار میں وہ دن بھی آگیا کہ نواب اپنی غزل جو رات تک تیار کی تھی خوشخط لکھی ہوئی لے کے آ گئے بہ ادب سلام کیا اور بیٹھ گئے ۔

اُستاد نے جواب سلام دے کے پہلے والی غزل جو دیکھ رکھی تھی نکال کے دی اور کہا کہ میں نے وجہ اصلاح بھی لکھ دی ہے سمجھ لیجیے گا اور جہاں سمجھ میں نہ آئے دریافت کر لیجیے گا ۔

نواب نے سلام کر کے غزل لی اور کہا "بہت خوب ، جو بات قابل دریافت ہو گی آیندہ دریافت کر لوں گا" نئی غزل پیش کی ۔

اُستاد ۔ آپ پڑھیے میں اصلاح دیتا جاؤں (یہ کہہ کے قلمدان آگے بڑھا دیا) ۔

نواب نے سلام کر کے قلمدان کھول لیا اور غزل سنانے لگے ۔

اصلاح نمبر ۱۷

غزل نواب

مطلع نمبر ۱

دیکھیے مقتل میں آتے ہیں اُسی انداز سے — قتل ہوں گے سیکڑوں تیغِ نگاہِ ناز سے

(اصلاح: سوئے ، آج ، عجب ، ذبح)

اُستاد ۔ (دیکھیے) کا سوال بالکل بے محل ، خطاب کس سے ، مخاطب کون ہے ؟ (اُسی انداز) کا ٹکڑا بھی بے محل ۔ کیونکہ اُسی کا اشارہ جس طرف ہے وہ ظاہر نہیں لہٰذا پہلے مصرع میں یوں بدلیے

ع سوئے مقتل آج آتے ہیں عجب انداز سے

دوسرے مصرع میں (قتل) کی جگہ (ذبح) زیادہ اچھا ہے بنا دیجیے -

نواب - بہت خوب کہہ کے لکھ لیا -

مطلع نمبر ۲

اک ~~اوچھا~~ (پھپھلتا) تیر دل پر مار کے انداز سے   داد لیتا ہے ~~صفائی کی وہ ظالم~~ (نشانے کی ستمگر) ناز سے

اُستاد - (اوچھا تیر) کا یہاں صرف صحیح نہیں (اوچھا) کی جگہ (پھپھلتا) لکھیے - دوسرے مصرعے میں صفائی کا لفظ مذموم ہے، بُرے معنے پیدا ہو رہے ہیں - جو میرا مقصود ہے آپ سمجھ بھی گئے ؟

نواب - سمجھ گیا - جی ہاں، بُرے معنے پیدا ہو رہے ہیں جو یقیناً درست نہیں -

اُستاد - یوں بنا دیجیے تاکہ عیبِ ذم نکل جائے اور مصرع صاف ہو جائے - ع

داد لیتا ہے نشانے کی ستمگر ناز سے

نواب - بہت بہتر کہہ کے اصلاح لکھ لی -

شعر نمبر ۳

موت ~~کی گودی میں اب~~ (کے آغوش میں) سوتا ہے بیمارِ فراق   کیوں ہوا دیتے ہو آ کے دامنِ آواز سے

اُستاد - (گودی) کی جگہ (آغوش) بنائیے لکھیے - ع

موت کے آغوش میں سوتا ہے بیمارِ فراق

نواب - آغوش مذکر ہے ؟

اُستاد - مذکر ہے - خدائے سخن حضرت عشق مرحوم کے مرثیے کا جو جناب سکینہؑ کے حال کا ہے - مصرع یاد ہے - فرماتے ہیں - (ماں بیٹی سے کہتی ہے، یعنے جناب شہربانو قیدِ شام میں بیٹی کے مرنے کے بعد میت سے کہتی ہیں) ع

میرے آغوش میں آ خاک پہ سونے والی

اب دوسرا مصرع پڑھیے -

نواب - بہت خوب - اس وقت یہ مسئلہ خوب صاف ہو گیا (یہ کہہ کے نواب نے دوسرا مصرع پڑھا)

اُستاد۔ (دامنِ آواز) یہ ترکیب تو آپ نے نئی نکالی۔ اس لیے کہ اہل فرس نے کہیں دامنِ آواز صرف نہیں کیا، نہ اہلِ ہند میں کسی نے دامنِ آواز کہا۔ چند طریقے اُردو زبان کے مجھے یاد ہیں سُناتا ہوں اُس کے بعد اہلِ فرس کے چند استعمالات دامن کے متعلق بیان کروں گا۔

اُردو شعرا کے صرف:۔

دامن کے پاٹ نچوڑنا۔ آتش

ڈراتا ہے کسے اے شیخ تو نارِ جہنّم سے
سمندر موج مارے گر نچوڑوں پاٹ دامن کا

دامنگیر ہونا۔ داغ کہتے ہیں ؎

خوف ہے اُس کو نہ دامنگیر ہو یہ وقت ذبح
ہاتھ بسمل کا دبا لیتا ہے اکثر زیرِ پا

دامن میں گھیر ہونا۔ درد

اشک نے میرے بلا لے کتنے ہی دریا کے پاٹ
دامنِ صحرا میں ورنہ اس قدر کب گھیر تھا

دامن جھٹکنا۔ امیر

ناز سے اُس نے جھٹک کر جو چھُڑایا دامن
ہاتھ سے جاتی رہی میری طبیعت کیسی

دامن گردانا۔ اسیر

ہزاروں ہوتے ہیں ٹکڑے گریباں
جو دامن وہ کبھی گردانتے ہیں

دامن وسیع ہونا۔ میر تقی میر

فیض اے ابر چشم تر سے اُٹھا
آج دامن وسیع ہے اُس کا

خیر، یہ تو اُردو والوں کے صرف تھے۔ میں نے صرف چند مثالیں بطور نمونہ پیش کر دیں۔ اب سوال فارسی والوں کا ہے، تو انھوں نے کہیں اپنے کلام میں (دامنِ آواز) استعمال نہیں کیا۔ بس اسی قدر جس قدر میں آپ سے دامن بتاتا ہوں استعمال کیے ہیں۔ اس کے علاوہ اگر کوئی بہت بڑا اُستاد ادیب بھی صرف کرے تو غلط سمجھیے گا۔ وہ یہ ہیں:۔

دامنِ آہ، دامنِ اندیشہ، دامنِ آفاق، دامنِ اُفق، دامنِ بیاباں، دامنِ ابر،

دامنِ بہار، دامنِ باغ، دامنِ پرہیز، دامنِ پردہ، دامنِ تسلیم، دامنِ توفیق، دامنِ جہاں، دامنِ جوئے، دامنِ چشم، دامنِ چرخ، دامنِ حیات، دامنِ چشمہ، دامنِ حسرت، دامنِ خرگاہ، دامنِ خاک، دامنِ خدمت، دامنِ خم، دامنِ خورشید، دامنِ دریا، دامنِ دشت، دامنِ دولت، دامنِ دل، دامنِ روزگار، دامنِ رضا، دامنِ روزی، دامنِ روز، دامنِ روزِ حساب، دامنِ زین، دامنِ زہد، دامنِ زلف، دامنِ زمزمہ، دامنِ زمانہ، دامنِ ساحل، دامنِ سعی، دامنِ سفرہ، دامنِ شہر، دامنِ شفاعت، دامنِ شفق، دامنِ شب، دامنِ صحرا، دامنِ صبح، دامنِ صرصر، دامنِ علائق، دامنِ عفو، دامنِ فرصت، دامنِ فتنہ، دامنِ قیامت، دامنِ کوہ، دامنِ کوہسار، دامنِ کعبہ، دامنِ کشت، دامنِ کان، دامنِ کف، دامنِ کفن، دامنِ کشتی، دامنِ گلشن، دامنِ گلزار، دامنِ گل، دامنِ لب، دامنِ لاب، دامنِ محل، دامنِ مژگاں، دامنِ مقصود، دامنِ مطلب، دامنِ مہتاب، دامنِ محشر، دامنِ منزل، دامنِ نگاہ، دامنِ ناز، دامنِ نسیاں، دامنِ وصل، دامنِ وطن، دامنِ ہامون، دامنِ ہمت۔

جس قدر دامن میں نے بتائے ان کے علاوہ ترکیب کے ساتھ دامن استعمال ہی نہیں ہوسکتا۔ کچھ دامن بہارِ عجم میں اور بھی ہیں اُنھیں دیکھ لیجیے گا۔ لہٰذا (دامنِ آواز) نکال ڈالیے بلکہ شعر کاٹ دیجیے۔ کوئی خاص بات نہیں۔

نواب۔ بہت خوب کہہ کے شعر کاٹ دیا۔

شعر نمبر ۴

دل چکا ہوتا تمھیں گر ~~رنج~~ (درد) فرقت کا مزا ~~پوچھتے کیوں حالِ دل پھر~~ (حالِ دل پھر یہ پوچھتے کیوں) عاشقِ جانباز سے

اُستاد۔ (رنج) کی جگہ (درد) لکھیے۔ دوسرا مصرع یوں لکھیے تاکہ صاف ہو جائے۔ ع

حالِ دل پھر یہ پوچھتے کیوں عاشقِ جانباز سے

نواب۔ بہت خوب کہہ کے لکھ لیا۔

شعر نمبر ۵

زخمِ ~~گہرا دل کا تھا~~ (دل گہرا تھا) پیکان سے کیا بھر گیا کیا بچایا ہے مجھے ~~الطاف~~ (تمھارے احسان) چارہ ساز سے

اُستاد۔ پہلا مصرع صاف نہیں الفاظ کی تقدیم و تاخیر نے مصرع کی ساخت خراب کردی۔
اسے بدل دیجیے۔ ع

زخمِ دل گہرا تھا پیکاں سے تمہارے بھر گیا

دوسرے مصرع میں (الطاف) کا لفظ بے محل ہے۔ (احسان) بنا دیجیے۔ شعر رہنے دیجیے۔
نواب۔ بہت خوب کہہ کے مصرعے بنا لیے۔

شعر نمبر ۶

میری رگ رگ توڑنے والے نکل جائے نہ روح　　　دمبدم لیتا ہے کیوں انگڑائیوں کو ناز سے

اُستاد۔ (انگڑائیوں کو) میں (کو) بالکل زائد سا ہے۔ ایسے زوائد کا خیال بہت ضروری ہے۔
لہٰذا یوں بدل دیجیے۔

سامنے انگڑائیاں لیتا ہے پیہم ناز سے

اور پڑھیے۔
نواب۔ حضور بجا ارشاد فرماتے ہیں (کو) واقعاً زائد ہے۔

شعر نمبر ۷

پوچھ لیں گے کون ہے وہ کم سے کم دربان سے　　　میں بلاتا ہوں صدا کو غیر کی آواز سے

اُستاد۔ پہلے مصرع میں سخت تعقید ہے۔ آپ تعقید سے کیا سمجھے؟
نواب۔ لفظیں ادھر کی اُدھر اُدھر کی اِدھر ہو گئیں۔
اُستاد۔ ہاں ٹھیک ہے یوں بدل دیجیے۔

کم سے کم دربان سے وہ پوچھ لیں گے کون ہے

اور پڑھیے۔
نواب۔ بہت مناسب۔

شعر نمبر ۸

قتلِ عاشق کے لیے خنجر بکف تم آئے تھے　　　ذبح کر ڈالا پہ شمشیرِ نگاہِ ناز سے

استاد۔ (شمشیرِ نگاہ) استعمال نہیں۔ (تیرِ نگاہ، تیرِ نگہ، تیرِ نظر، تیغ نگہ، تیغ نظر) یہ استعمالات صحیح ہیں لہذا مصرع یوں بدل دیجیے۔

ذبح کر ڈالا مگر تیغ نگاہ ناز سے

نواب۔ بہت خوب کہہ کے مصرع لکھ لیا۔

شعر نمبر ۹

ایک جھلکی سی دکھائی تھی مجھے روزِ ازل　　چوٹ کھائے ہے مرا دل عشق کے آغاز سے

استاد۔ شعر غنیمت ہے رہنے دیجیے۔ ایسے شعر کہا کیجیے تو بنانے کی زحمت نہ ہو۔

نواب۔ بہت خوب۔ انشاء اللہ تعالیٰ تعمیل ارشاد کروں گا۔

شعر نمبر ۱۰

مر کے بھی پتلی ہماری پھر گئی اُن کی طرف　　اس طرح دیکھا مجھے آ کے نگاہِ ناز سے

استاد۔ شاید آپ کو سمجھا چکا ہوں۔ اس شعر میں شتر گربہ موجود ہے۔

نواب۔ جی ہاں، آپ سمجھا چکے ہیں میں بھول گیا معافی چاہتا ہوں۔ اگر فرمائیے تو خود مصرع بدل کے شتر گربہ نکال دوں۔

استاد۔ پہلے یہ بتائیے کہ اس شعر میں شتر گربہ کیا ہے؟

نواب۔ پہلے مصرع میں (ہم) دوسرے میں (مجھ) ہے۔

استاد۔ ٹھیک ہے۔ ماشاء اللہ۔ اچھا بدل کے سنائیے؟

نواب۔ (تھوڑی دیر فکر کر کے) حضور عرض کیا ہے۔

بعد مُردن پھر گئی پتلی مری اُن کی طرف　　اس طرح دیکھا مجھے آ کے نگاہ ناز سے

استاد۔ سبحان اللہ، خوب بدلا۔ آئندہ آپ سے مصرعے بدلوایا کروں گا۔ اور پڑھیے۔

نواب۔ بہت خوب۔ جناب ضرور مصرعے بدلوایا کریں میری مشق بڑھے گی۔

شعر نمبر ۱۱

چارہ گر اب زخم کی بو تا جگر جانے لگی　　غیر بھی واقف ہوا جاتا ہے دل کے راز سے

اُستاد - شعر اچھا ہے رہنے دیجیے اور پڑھیے -

مقطع

اے انیساب حضرتِ حجت سے کہہ دل کا حال شعر نمبر ۱۲ مشکلیں آسان کر دیں گے ترے اعجاز سے

دلچسپ معلومات نمبر ۱۷

اُستاد - کیا غزل ختم ہو گئی ؟ شعر بہت کم کہے ؟

نواب - جی ہاں ، بارہ شعر عرض کیے ہیں - کچھ ضرورتیں در پیش ہو گئی تھیں جس کی وجہ سے عرض نہ کر سکا -

اُستاد - خیر کوئی قباحت نہیں - یہ بتائیے کہ قاری صاحب کے یہاں علم عروض پڑھنے جانا ہوتا ہے ؟

نواب - جی ، سو کام چھوڑ کے جاتا ہوں -

اُستاد - کہاں پر سبق ہو رہا ہے اور کیا کیا پڑھا ؟ کچھ مختصر سا بیان کیجیے -

نواب - تعریف شعر اور اُس کے قیود پڑھ چکا - شعر کے معنے صاحب شعر یعنے خداوند شعر اور جتنے اختلافات معنے شعر میں ہیں سب پڑھ چکا -

یہ اختلاف کہ پہلا شعر دنیا میں کس نے کہا ؟ بعض کہتے ہیں حضرت آدمؑ نے بعض کا خیال ہے کہ یُعرب بن قُحطان نے پہلا شعر کہا - پہلا شعر فارسی کا جس نے کہا وہ بہرام گور تھا بعض کا خیال ہے کہ پہلا فارسی کا شعر ابو حفص حکیم سعدی نے کہا - بعض کا خیال ہے کہ فارسی کا پہلا قصیدہ رودکی نے کہا اور بنیاد مدّاحی ڈالی - یہ سب پڑھنے کے بعد حاجت علم عروض اور اس کا واضع کون تھا اور وجہ تسمیہ اس کی پڑھی -

حاجت بہ علم عروض کی یوں وضاحت کی ہے کہ چونکہ شعر کلام موزوں کا نام ہے اور موزوں کے لیے میزان کی ضرورت ہے تاکہ زیادتی و نقصان معلوم ہو جائے پس جو شخص شعر کہے اُس کو

لازم ہے کہ عروض کو حاصل کرے۔ یہ سب پڑھنے کے بعد علم عروض کس نے ایجاد کیا بعض کا خیال ہے کہ خلیل بن احمد بصری نے استخراج علم عروض کیا اور اُس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ایک روز خلیل بن احمد ایک دھوبی کی دوکان کی طرف سے جاتے تھے، دھوبی کی نے میں ڈوبی ہوئی آواز اور تال سے پڑتے ہوئے ہاتھ کی صدا سُن کے کہا کہ خدا کی قسم اس سے ایک شئے پیدا ہو رہی ہے چنانچہ اُسی آواز سے علم عروض ایجاد کیا۔ ایجاد علم عروض کے متعلق بہت سے اقوال ہیں کس نے کس نے ایجاد کیا۔ حضور کی زحمت کے خیال سے سب عرض نہیں کرتا۔

اُستاد۔ نہیں اور جو جو یاد آتا جائے بیان کیجیے تاکہ میں سمجھ سکوں کہ آپ محنت سے پڑھ رہے ہیں یا نہیں؟

نواب۔ پھر حضور ایک فصل میں موزوں ناموزوں کا تذکرہ کیا ہے۔ تقطیع کے معنے لکھے ہیں۔ کیفیت بتائی ہے۔ چنانچہ کہا ہے کہ وزن کے معنے کلام کا بحروں کی میزان پر تولنا، مگر وہی جو معین ہیں۔ اگر پورا اترے شعر موزوں ورنہ ناموزوں۔ اسی کو تقطیع کہتے ہیں۔ عروضیوں کی اصطلاح میں تقطیع بیت یہ ہے کہ الفاظ جو اس بیت میں ہیں ان کو ایک دوسرے سے جدا کریں۔ اس طرح کہ ہر جزو اس کا برابر ہو وزن میں اجزا سے اُس بحر کے جس بحر میں بیت ہے۔ پھر معنے لغوی بتائے ہیں کہ تقطیع لغت کی حیثیت سے پارہ پارہ کرنے کو کہتے ہیں۔ تقطیع میں عدد حروف اور حرکت و سکون معتبر ہے۔ اور خصوصیت حروف اور حرکت یعنی فتح کسرہ ضمہ اس کو کوئی دخل نہیں۔ مثال یہ دی ہے:۔ جیسے طوطی اور بلبل، وزن دونوں کا (فعلن) ہے اور وہ حرف جو تلفظ میں آ جائے اُس کا اعتبار تقطیع میں کیا جائے گا اگرچہ کتابت میں وہ حرف نہ ہو۔ اور جو حرف کہ تلفظ میں نہ آئے اُس کا اعتبار تقطیع میں نہ ہوگا اگرچہ کتابت میں کیوں نہ ہو اور سبب اسکا یہ بتایا ہے کہ تقطیع ملفوظ کی ہوتی ہے نہ مکتوب کی یہ جائز ہے کہ حروف ایک مصرع کے زائد ہوں بیت کے دوسرے مصرع سے در آنحالیکہ دونوں مصرعے ایک ہی وزن کے ہوں۔ اُسکی مثال یہ دی ہے ؎

نشست سرور اہل کرم بمجلس خاص دو خوان سخوان و سخوان خواست خوان بخوان کہ نخواست

پہلے مصرع میں بائیس حرف، دوسرے مصرع میں ۲۳ حرف۔

پھر نون تنوین کو بتایا ہے کہ عروضیین بظاہر لکھتے ہیں تاکہ ملفوظ و مکتوب اوزان شعر یکساں رہیں اور کوئی التباس نہ ہو سکے۔

پھر صاحبِ کتاب نے اُن حروف کا تذکرہ کیا ہے کہ جو ملفوظ ہیں لیکن مکتوب نہیں ہیں۔ اُن میں سے ایک الف ہے جو اشباع فتح سے یعنے زبر کے کھینچنے سے پیدا ہوتا ہے۔ مثال میں آمد و آید کو پیش کیا ہے جو وزن پر فعولن کے ہیں اور تقطیع میں دو الف لکھے جاتے ہیں۔ پہلا متحرک دوسرا ساکن۔ پھر واؤ ہے جو واؤ کے ضمہ کے کھینچنے سے حاصل ہوتا ہے جیسے داؤد (طاؤس) کہ جس کا وزن (فعلان) ہے اور تقطیع میں دو واؤ لکھے جاتے ہیں پہلا متحرک دوسرا ساکن۔ پھر یا ہے جو کسرہ کے اشباع یعنے کھینچنے سے پیدا ہوتی ہے۔ جیسے مِن بیدل کے کسرے کو کھینچیں اس طرح کہ بعد نون (یا) ملفوظ ہو اور تقطیع میں یہ (یا) لکھی جاتی ہے۔ جیسے (منی بیدل) بروزن (مفاعیلن) اس (یا) کو یائے بطنی کہتے ہیں۔

اسی طرح بعض الفاظ عربی (الف، واؤ، یا) ملفوظ ہوتے ہیں مکتوب نہیں ہوتے جیسے الف (اللہ و ہذا، وذٰلک) اور واو (لہ) اور یائے (بہ) وغیرہ۔ اور بعض حروف مشدد جیسے خرّم و فرّخ کہ بروزن (فعلن) ہیں اور تقطیع میں دو حرف لکھے جاتے ہیں۔ پہلا ساکن، دوسرا متحرک۔

اُستاد ۔ ماشاء اللہ، آپ نے سمجھ کے بھی پڑھا ہے اور یاد بھی ہے۔

نواب ۔ (سلام کر کے) اور عرض کروں؟ مجھے سب یاد ہے۔

اُستاد ۔ وقت کم ہے اور آج کام زیادہ ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ پھر سنوں گا۔

نواب ۔ بہت خوب۔ حضور سے اجازت چاہتا ہوں؟

اُستاد ۔ اچھا جائیے، آج آپ نے بہت دل خوش کیا، آپ جلد مکمل شاعر ہو جائیے گا۔

نواب سلام کرتے ہوئے خوشی خوشی رخصت ہو گئے۔ اتفاق روزگار، وہی شاگرد جو اپنی

غزل اصلاح کو دے گئے تھے اور ہر بات میں ایک لفظ غلط بول گئے تھے غزل لینے آ گئے۔
آتے ہی،
السلامُ علیکم
اُستاد۔ علیکم السلام یا جامع التنوین واللام۔
شاگرد۔ (بیٹھتے بیٹھتے) حضور، میں عربی نہیں جانتا، کیا ارشاد ہوا؟
اُستاد۔ آپ کی بسم اللہ ہی غلط ہوئی، دیکھیے آیندہ کیا ہوتا ہے۔ آپ نے "السلامُ علیکم" کہا۔ "سلامٌ علیکم" کہتے تو صحیح ہوتا۔ یا "السّلامُ علیکم" بغیر تنوین میم کہتے تو درست ہوتا۔ کیونکہ عربی قاعدے سے کسی لفظ پر اگر الف و لام لاتے ہیں تو آخر میں تنوین نہیں لاتے۔ اسی سبب سے میں نے (یا جامع التنوین واللام) کہا۔ جس کے معنے یہ ہوئے کہ تم پر سلام ہو، اے ایک جگہ الف ولام و تنوین کے جمع کرنے والے۔
شاگرد۔ (شرمندہ ہو کے) بیشک، حضور نے درست فرمایا۔ آیندہ احتیاط کروں گا۔
اُستاد۔ یہ بتائیے کہ خیریت ہے۔ آپ کی زوجہ کا کیسا مزاج ہے؟
شاگرد۔ علالتِ زوجہ سے عاجز ہوں، سخت پریشانی میں دن گزر رہے ہیں۔
اُستاد۔ علالت کا لفظ غلط استعمال کیا۔ علالت کلامِ عرب میں نہیں ملتا لہٰذا اُردو، اُردو کی ترکیب ناجائز۔ لہٰذا آپ غلط بولے۔ خیر، بیمار کیا ہیں؟
شاگرد۔ ورمِ جگر و طحال میں مبتلا ہیں۔ دست آتے ہیں۔ دن رات تیمارداری میں مصروف رہتا ہوں۔
اُستاد۔ آج بھی کیا آپ غلط بولنے کی قسم کھائے ہوئے ہیں؟
شاگرد۔ جی نہیں، آج تو سمجھ سمجھ کے بول رہا ہوں۔ کیا غلط بولا؟
اُستاد۔ (تیماردار) کے معنے لغت میں (بیماردار) کے ہیں۔ لہٰذا (تیماردار) کیا معنے۔ (دار) زائد ہے۔ یا صرف (تیمار) بولیے بیماردار کے معنے میں یا صرف (بیماردار) بولیے (تیمار) کے معنے میں۔

شاگرد۔ بہت خوب۔ خود اس چیز کا سمجھنا میری بساط سے باہر تھا۔
اُستاد۔ علاج کس کا ہے یہ تو آپ نے بتایا ہی نہیں۔
شاگرد۔ حکیم کمال الدین صاحب معالج ہیں۔ وہ برابر مجیب دوائیں دے رہے ہیں جس سے وہ اور کمزور ہوتی جا رہی ہیں۔
اُستاد۔ مجیب کے کیا معنے ؟ پھر غلط بولے۔
شاگرد۔ یہ تو بڑا لفظ ہے، بڑے بڑے بولتے ہیں۔
اُستاد۔ بڑا لفظ کیا غلط نہیں ہوتا ؟ مجیب کے معنے دعا کا قبول کرنے والا۔ نہ یہ کہ پہنچا نہ لانے والا۔ یہ لغت کہاں سے سُنا ؟
شاگرد۔ لوگ بولتے ہیں، فلاں دوا مجیب ہے۔ فلاں نسخہ مجیب ہے۔ اسلیے میں بھی بول گیا۔
اُستاد۔ غلط ہے۔ اور بیان کیجیے کہ کیا صورت ہے۔
شاگرد۔ میں نے کئی بار ادویات کے متعلق ٹوکا مگر حکیم صاحب نہیں مانتے، مرض بڑھتا جا رہا ہے، خدا خیر کرے۔
اُستاد۔ میں دیکھتا ہوں کہ غلط بولنے کی کچھ آپ کو عادت سی ہو گئی ہے ؟
شاگرد۔ کیا میں پھر غلط بولا ؟ آج تو بہت خیال کر کے گفتگو کر رہا ہوں۔
اُستاد۔ جی ہاں۔ خود غلط اِملا غلط انشا غلط۔ جناب کل غلط۔ دوا کی جمع عربی قاعدے سے (ادویہ) ہے۔ اہلِ ہند نے عربی قاعدے والے الف وتا کو بڑھا کے جمع کی جمع بنائی۔ یہ غلط ہے۔ ایسے محل پر ادویہ کافی ہے۔
شاگرد۔ بہت خوب۔ بڑے بڑے مسائل آج حل ہوتے جا رہے ہیں۔ خدا حضور کو زندہ رکھے۔
اُستاد۔ مگر سمجھاتے سمجھاتے میرا دماغ خراب ہوا جاتا ہے۔
شاگرد۔ جب میں نے نسخے کے ادویہ کی کئی مرتبہ تردید کی تو حکیم صاحب نے ناراض ہو کے کہا کہ کسی اور کا علاج کیجیے۔

اُستاد - واہ واہ، پھر غلط بول گئے - یہ آپ کو کیا ہوا ہے جو بات کرتے ہیں ایک نہ ایک غلطی ضرور ہوتی ہے؟

شاگرد - ابکی بھی غلط بولا؟ مجھ سے خدا سمجھے - میرے نصیب خراب ہیں -

اُستاد - بالکل غلط بولے اور وہ لفظ (تردید) کا ہے جس کا غلط معنے میں استعمال ہوتا ہے -

شاگرد - دُنیا کہتی ہے کہ میں نے فلاں کی تردید کی، فلاں کی تردید کی -

اُستاد - دُنیا غلط بولتی ہے - لغت میں صرف اسی قدر معنے لکھے ہیں:-

تردید بازگردانیدن و باز آوردن و زبون و فاسد گردانیدن -

یہ فرمائیے کہ جس محل پر آپ بولے ہیں ان معنے مذکور سے کون سے معنے نکلتے ہیں لہذا غلط -

شاگرد - بہت خوب - اب نہ بولوں گا - زبان میں سیکڑوں الفاظ ایسے ہیں جو غلط ہیں -

اُستاد - پھر کیا ہوا؟ بیان کیجیے - آپ کی گفتگو سے دلچسپی ہوتی ہے -

شاگرد - جب دماغ اُن کا کمزور ہوگیا تو حکیم صاحب نے ایک لخلخہ کا نسخہ لکھا اور کہا کہ یہ لخلخہ سُنگھائیے - دماغ نے اپنا کام چھوڑ دیا ہے - ایسے محل پر لخلخہ سُنگھاتے ہیں تو دماغ معطر اپنا صحیح کام کرنے لگتا ہے -

اُستاد - آپ بھی غلط بولے اور حکیم صاحب نے بھی لفظ غلط استعمال کیا -

شاگرد - اتنے بڑے قابل حکیم صاحب بھی غلط بول گئے؟ وہ تو بہت مشہور حکیم ہیں؟

اُستاد - قابلیت سے کیا ہوتا ہے - حکیم صاحب اپنی طب میں، اپنی مشق میں قابل مانے جاتے ہیں - یہ دنیا ہی دوسری ہے، اسے ہم لوگ سمجھتے ہیں - یہ تحقیق الفاظ ہمارا کام ہے حکیم صاحب ہر وقت (شرح اسباب، نفیسی، سدیدی، قانون شیخ) حمیات و معالجات پڑھانا یا دیکھنا جانیں - صحیح غلط سے اُنھیں کیا تعلق -

شاگرد - غلط لفظ کون سا ہے؟ حضور جلد ارشاد فرمائیں، مجھے اختلاج ہو رہا ہے -

اُستاد - معطّر کا لفظ - اہل عرب نے کبھی معطر نہیں استعمال کیا کیونکہ عطر فارسی زبان کا لغت ہے

اہل ہند نے بابِ تفعیل میں لا کے عطر سے معطّر بنا لیا جس کے معنے خوشبودار کے قرار دیے ۔ تنہا استعمال تو کسی حد تک درست ہو سکتا ہے لیکن مع الترکیب بالکل غلط ہے ۔ اچھا پھر کیا ہوا اور بیان کیجیے ۔

شاگرد ۔ بخدا خوف معلوم ہوتا ہے ۔ اس لیے کہ آج بھی بدقسمتی سے جو کچھ کہتا ہوں ایک نہ ایک غلطی ضرور نکل آتی ہے ۔

اُستاد ۔ آخر درد کہاں ہے ۔ اس کی تفصیل تو آپ نے بیان نہیں کی ؟

شاگرد ۔ دِماغ میں درد رہتا ہے ۔

اُستاد ۔ پھر غلط ۔ اللہ آپ پر رحم کرے آج کوئی بات صحیح نہیں بول سکتے ۔

شاگرد ۔ حضور صرف دو لفظ مُنہ سے نکالے اور ایک غلطی ہو گئی ؟

اُستاد ۔ جی ہاں "(دِماغ) بکسر الدال نہ کہ بفتح الدال بمعنے مغز ۔

شاگرد ۔ یہ تو پڑھے لکھے بولتے ہیں ۔ میں آج تک اسی طرح سُنتا آیا ۔

اُستاد ۔ پڑھے لکھے ۔ تو یہ کیا خدا معلوم کتنے غلط الفاظ بولتے ہیں ۔ یہ بتائیے کہ بیمار کیونکر پڑیں ؟

شاگرد ۔ اوّل اوّل نزلہ ہوا ، خوب چھینکیں آئیں ، خوب بہا ۔

اُستاد ۔ سینے پر گرا یا نہیں یعنی کھانسی بھی ہوئی یا نہیں ؟

شاگرد ۔ جی نہیں ، سینے پر تو نہیں گرا ۔ سب بہ گیا ۔

اُستاد ۔ تو آپ پھر غلط بولے ۔ نزلہ اُس کو کہتے ہیں جو سینے پر گرے اور زکام وہ ہے جو سینے پر نہ گرے بہہ جائے ۔ ہمیشہ اس کا خیال رکھیے گا ۔ پھر آپ نے کیا کیا ؟

شاگرد ۔ میں نے دو دن تک جوشاندہ پلایا ۔ صبح ، دوپہر ، شام برابر دوا دیتا رہا ۔

اُستاد ۔ جوشاندہ کیا ؟ دوائیں بتائیے تاکہ معلوم ہو کہ کیا کیا پلایا ؟

شاگرد ۔ یہی خطمی ۶ ماشہ ، بنفشہ ۶ ماشہ ، عناب ۵ دانے ، برگ گاؤزبان ۴ ماشہ ، سپستان ۱۰ عدد خاکسی ۴ ماشہ ، اصل السوس ۴ ماشہ ، تخم کتاں ۴ ماشہ ، نبات سفید ۶ ماشہ ۔

اُستاد ۔ پہلے آپ جوشاندہ بولے قطعاً غلط ، اصل میں جوشاندہ کہنا چاہیے ۔ یعنے جوش دی ہوئی

دوائیں۔ جوشاندہ کوئی لفظ ہی نہیں۔ اُردو سمجھتے ہوئے بغیر ترکیب خیر بولا جا سکتا ہے۔ پھر آپ خطمی بفتح خا بولے۔ دراصل بکسر خا یعنے خِطمی ہے۔ لوگ خطمی خطمی غلط بولتے ہیں سب کو جانے دیجیے خود حکما رحاذقین کو خطمی بفتح خا بولتے سُنا ہے۔ اللہ حکما پر رحم کرے۔

شاگرد کچھ اور بیان کرنا چاہتے تھے کہ ملازم نے کہا۔ حضور اندر تشریف لے جائیے بُلایا گیا ہے۔ شاید بیگم صاحبہ کا کچھ مزاج ناساز ہوگیا ہے۔

شاگرد۔ (یہ سن کے) حضور سے اجازت چاہتا ہوں۔ غزل پھر آکے لے لوں گا۔

اُستاد۔ اچھا جائیے۔ پھر لے جائیے گا۔

شاگرد رخصت ہوگئے۔

اُستاد زنان خانہ میں تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد بیگم صاحبہ کا مزاج رو بہ صلاح ہوگیا۔ اُستاد نے خاصہ نوش فرمایا، آرام کیا۔ چار بجے بیدار ہوئے۔ چھ سات روز تک کہیں تشریف نہیں لے گئے۔ حسب دستور اُستاد بیٹھکے میں بیٹھے ہوئے حقّہ پی رہے تھے کہ مولانا کشفی غزل لے کے آ گئے اور سلام علیکم کہہ کے سامنے بیٹھ گئے۔

اُستاد۔ (علیکم السلام کہہ کے) غزل پڑھیے اصلاح دے دوں۔

مولانا غزل جیب سے نکال کے پڑھنے لگے۔

اصلاح نمبر ۱۸

غزل مولانا

مطلع نمبر ۱

نہ پوچھو قید قفس میں نہ کیوں قرار آیا چمن سے چھٹ گئے جب عالم بہار آیا

اُستاد۔ اب تو آپ قرینے کے شعر کہنے لگے۔ اگر کچھ روز اسی محنت سے کہے گئے تو ضرور کسی قابل ہو جائیے گا۔ اور پڑھیے۔

مولانا۔ سب حضور کا تصدق ہے، اسیری کیا حقیقت ہے۔

مطلع نمبر۲

شبِ فراق نہ دل کو مرے قرار آیا ~~کہ بارہا انھیں جا جا کے میں پکار آیا~~
ہزار بار میں جا کے انھیں

اُستاد۔ (بارہا) اور کافِ بیانیہ سے مصرعے دو لخت ہوگئے۔ مطلب یہ ہوا جاتا ہے کہ چونکہ بکثرت انھیں جا جا کے پکارا اسلیے شبِ فراق دل کو قرار نہ آیا۔ آپ کا مطلب یہ نہیں ہے۔ بلکہ آپ کا مطلب یہ ہے کہ جب فراق کی رات دل کو قرار نہ آیا تو انھیں حالتِ اضطرار میں جا جا کے پکار آیا۔

مولانا۔ بیشک، میرا مطلب یہی ہے۔

اُستاد۔ تو مصرع یوں بدل دیجیے۔ ع

ہزار بار میں جا کے اُنھیں پکار آیا

مولانا نے بہت خوب کہہ کے مصرع لکھ لیا۔

شعر نمبر۳

مجھے جہان سے جانا ہے جھوٹ کیوں بولوں تمھارے وعدے کا مجکو نہ اعتبار آیا

اُستاد۔ مصرع اولیٰ میں صَرف غلط ہے (میں جھوٹ کیوں بولوں جہان سے جانا ہے) یہ صَرف اہلِ زبان کا نہیں بلکہ ایسے محل پر (جہان) کی جگہ (دُنیا) بولتے ہیں۔ (جھوٹ کیوں بولوں) کی جگہ زیادہ تر (جھوٹ کیوں کہوں) بولتے ہیں۔ لہذا اگر مصرع یوں ہوجائے تو بہتر ہے۔

میں جھوٹ کیوں کہوں دُنیا سے مجکو جانا ہے تمھارے وعدے کا مجکو نہ اعتبار آیا

شعر نمبر۴

وہ یاد کر کے مرے دل کو خوب سا رولے اگر نظر انھیں ٹوٹا ہوا مزار آیا

اُستاد۔ (خوب سا) کا صَرف غیر فصیح ہے (خوب) کے ساتھ (سا) زیادہ تر عورتیں یا عوام مرد بولتے ہیں، فصحا استعمال نہیں کرتے۔ آیندہ خیال رکھیے گا۔ مصرع خود بدلیے۔

مولانا نے خاموش ہو کے سر جھکا لیا۔

اُستاد۔ کیوں؟ کیا بات ہے؟ مصرع بدلیے، اب تو آپ مشاق ہو گئے ہیں۔

مولانا۔ چونکہ امتحان کا وقت ہے، میرے حواس جاتے رہے۔

اُستاد۔ نہیں نہیں، گھبرائیے نہیں یہ پُرانا قاعدہ ہے۔ مصرع شاگرد سے بدلواتے ہیں۔ آپ کی مشق جبھی بڑھے گی جب مصرع لگائیے گا۔ اس کے متعلق ایک بہترین واقعہ دو اُستادوں کا بیان کروں گا۔ آپ مصرع بدلیے۔

مولانا بہت خوب کہہ کے غوطہ میں چلے گئے (دیر کے بعد) جی بدل دیا۔

دلِ شکستہ مرا جان کے بہت روئے — اگر نظر اُنھیں ٹوٹا ہوا مزار آیا

اُستاد۔ مصرع تو اچھا لگایا۔ آیندہ فوری مصرع آپ سے لگواؤں گا۔ آپ جلد مکمل شاعر ہو جائیں گے اور مجھے کہنا پڑے گا کہ آپ کو اصلاح کی ضرورت نہیں بغیر کلام دکھائے پڑھ دیا کیجیے جب ایسا ہی کوئی اہم مسئلہ ہو دریافت کر لیا کیجیے گا

مولانا۔ بہت خوب۔ حضور نے ایک واقعہ بیان فرمانے کو کہا تھا؟

اُستاد۔ ہاں، خوب یاد دلایا۔ سُنیے۔ خدائے سخن حضرت عشق مرحوم پانچ بھائی تھے۔ پانچوں کے تخلص یہ تھے: تعشق، عشق، عاشق، صبر، صابر۔ ان کے پدر بزرگوار سید محمد میرزا صاحب اُنس مرحوم شاگرد رشید حضرت ناسخ مرحوم تھے، بڑے باکمال بزرگ تھے۔ اُنھیں مرحوم کا شعر زبان زدِ خلائق ہے ؎

تھیں لحد میں اُتار دو تھیں پڑھو تلقیں — کہیں تو صحبتِ راز و نیاز ہو جائے

دوسری غزل کا ایک شعر اور یاد آ گیا ؎

غبارِ قافلہ ہوں کیا مقام و کوچ مرا — ہوا جدھر کی چلی اُس طرف روانہ ہوا

مولانا۔ واہ واہ، کیا نایاب شعر حضور نے سُنائے۔

اُستاد۔ ہاں بھائی، بڑے بڑے خوشگو لکھنؤ میں گزرے۔ لکھنؤ والوں نے ہمیشہ قوتِ اقتدار کی

عزت کی، کمال کی قدر نہ کی۔ آپ کیا پوچھتے ہیں، دل پر اک داغ ہے۔ کسی کا ایک شعر ان پانچوں بھائیوں کے متعلق ہے اور لکھنؤ میں بہت مشہور ہے ؎

تعشق، عشق و عاشق، صبر و صابر — یہ پانچوں تن غلام پنجتن ہیں

مولانا۔ خوب تخلص جمع کیے، سبحان اللہ، کیا کہنا۔

اُستاد۔ خیر، جنابِ عشق مرحوم بڑے محقق فن مرثیہ گو بزرگ گزرے ہیں، سب سے بڑے بھائی تھے، سب باپ کی جگہ سمجھتے تھے، اُن کا بڑا وقار تھا۔ انیس و دبیر کے سامنے کسی کا چراغ جل نہ سکا۔ صرف جنابِ عشق کی ذات تھی کہ جس نے لکھنؤ میں مرثیہ گویوں کا تیسرا خاندان منوالیا۔ عشق و تعشق کی ہستیاں کسی طرح کمال میں کم نہیں۔ حضرت عشق مرحوم تو اس قدر مستند محقق و باکمال اُستاد گزرے ہیں کہ بڑے بڑے اساتذہ بات کرتے ڈرتے تھے۔ حضرت کلام دیکھیے تو دل خوش ہو جائے، تقریباً نصف زبان اُردو بولتے تھے۔ سیکڑوں متروکات عشق مشہور رہیں جو آپ سے بیان کر چکا ہوں۔

جنابِ عشق سے چھوٹے جناب احمد میرزا صاحب صابر تھے۔ اُن سے چھوٹے، جناب سید میرزا صاحب تعشق۔ اُن سے چھوٹے جناب اچھے صاحب صبر۔ اُن سے چھوٹے، جناب بہادر میرزا صاحب عاشق۔ یہ سب شاعرِ باکمال گزرے ہیں۔ جناب احمد میرزا صاحب صابر کے چار بیٹے تھے۔ جناب رشید۔ جناب حمید۔ جناب سعید۔ جناب جدید۔

لکھنؤ کے مشہور استادِ مرثیہ گو جناب رشید و حمید گزرے ہیں۔ جناب جدید بہت خوشگو تھے۔ اُنھیں کے چند شعر لکھنؤ میں بہت مشہور ہیں جو مرحوم نے فی البدیہہ کہے تھے۔ مطلع اور ایک شعر یاد ہے جو آپ کو سناتا ہوں ؎

مطلع

زخم میرے دلِ سوزاں کے سیئے جاتے ہیں — جلتے جاتے ہیں وہ ٹانکے جو دیے جاتے ہیں

مولانا۔ بخدا کیا مطلع کہا ہے۔ واہ واہ۔

اُستاد۔ شعر ہے ؎

اب خبر لیجیے لاش اُٹھتی ہے مجبور ہوں میں سب مجھے آپ کے کوچے سے لیے جاتے ہیں

مولانا۔ واہ واہ، کیا شعر فرمایا ہے۔ (مجبور ہوں میں) کا ٹکڑا کتنا زبردست ہے۔

اُستاد۔ رشید و حمید کا نام تو آپ نے سُنا ہوگا؟

مولانا۔ جی ہاں، سُنا ہے۔ اُن کا نام ہمارے پورب میں بہت مشہور ہے۔ مجلسیں پڑھنے تشریف لے جاتے تھے۔

اُستاد۔ ایک خصوصیت اس خاندان کی یہ ہے کہ یہ خاندان غزل گو بھی ہے۔ ہر ہر فرد نے لاکھوں غزلیں کہیں۔ صرف دو مطلعے حضرت جدید مرحوم کے اور یاد آ گئے سُنا دوں فرماتے ہیں۔

مطلع

چارہ گر بچنے کی بس یہ آخری تدبیر ہے اب وہی دل سے نکالے آکے جس کا تیر ہے

مولانا۔ کیا کہنا، ایسا مطلع تو سننے میں نہیں آتا۔ ندرتِ خیال، جدتِ تخیل کا کیا کہنا۔

اُستاد۔ دوسرا مطلع ہے ؎

ہے عکس آئینے میں رُخِ لاجواب کا پانی میں پھول تیر رہا ہے گلاب کا

یہ خاندان دال کی منڈی، رکاب گنج میں رہتا تھا۔ اب بھی چند فرد ہیں اُس خاندان کی وہیں رہتی ہیں۔ مثلاً جناب قسیم۔ جناب شدید وغیرہ

خدائے سخن جناب تعشق مرحوم اس خاندان میں ایسی فرد گزرے ہیں جنھوں نے لکھنؤ کی بات رکھ لی۔ یہ طے شدہ ہے کہ یا آتش خوشگوئی میں فرد تھے یا تعشق۔ خدا کی پناہ، نازک خیالی کی انتہا نہیں۔ ایک غزل کے چند شعر یاد ہیں سُناتا ہوں۔ جناب تعشق فرماتے ہیں۔

مطلع

تھے عجب صید سبک ضعف کی تاثیر سے ہم کہ گرے چند قدم بڑھ کے ترے تیر سے ہم

مولانا۔ کیا بے نظیر مطلع فرمایا ہے۔

استاد۔ پھر مطلع فرمایا ہے۔

مطلع

جائیں مقتل سے نہ خالی کسی تدبیر سے ہم چند زخموں کے ہیں سائل تری شمشیر سے ہم

مولانا۔ یہ مطلع بھی منتخب ہے۔

اُستاد۔ کس قیامت کا شعر فرمایا ہے۔ شعر

دل جگر اُس قدر انداز کو دیتے ہیں صدا نہ ابھی کھینچ کے لپٹے ہیں ترے تیر سے ہم

مولانا۔ قیامت کا تغزل ہے۔ واقعاً جذباتی شعر کہنے والا اس سے بہتر شعر کیا کہے گا۔

اُستاد۔ ابھی اور سُنیئے، نزاکت خیال کی انتہا نہیں

شعر

یاد آتی ہے ستمگر تری پلکوں کی جھپک غش ہوئے جاتے ہیں آوازِ پرِ تیر سے ہم

مولانا۔ بیشک، نہایت نازک خیال نظم فرمایا ہے۔ سبحان اللہ۔

اُستاد۔ اور سُنیئے۔ خون دوڑنے لگے گا، یوں مصرع لگاتے ہیں۔

شعر

آئنہ بھی نہ وہ حیرت زدگاں کو سمجھا نہ ہوئے لائقِ صحبت کسی تدبیر سے ہم

مولانا۔ بیشک، لاجواب مصرع لگایا ہے۔ خدا کی پناہ، کیا کہنا۔

اُستاد۔ پُرانے رنگ کا بے نظیر شعر پڑھتا ہوں۔

شعر

رات کو الفتِ گیسو میں جو دَم رُکتا ہے دل کو دیتے ہیں ہَوا نالۂ شبگیر سے ہم

مولانا۔ کمال فرماتے تھے۔ کلام کی پختگی، زبان کی نرمی کی واقعاً انتہا نہیں۔

اُستاد۔ شعر اب سُنیئے۔ حقیقتاً زبان کی نرمی، صفائے نظم اس کا نام ہے۔

شعر

دوستو، ہیں نگہِ ناز کے روزن دل میں ورنہ برچھی سے ہیں زخمی نہ کسی تیر سے ہم

مولانا ۔ جناب نے بالکل درست فرمایا ۔ کیا شستگی ہے ۔
اُستاد ۔ مقطع بھی یاد آگیا سُنادوں ۔ خدا مغفرت فرمائے اور ضرور مغفرت فرمائے گا ۔ مداحِ حسین تھے ۔ اٹھارہ سال جوارِ سیدالشہداء میں رہے تھے یعنے عراق میں ۔ اُس غم کو جو ایک حبیب کو محبوب سے چھوٹنے پر ہوتا ہے ، ظاہر فرماتے ہیں ۔

مقطع

ہائے افسوس تعشق نہ ہوا پھر جانا ایسی ساعت سے چھٹے روضۂ شبیر سے ہم

واقعاً مرحوم پھر نہ جاسکے ۔ رکاب گنج ، دال کی منڈی میں اپنے پدر مرحوم کے پاس مسجد کے برابر والے کمرے میں جسے تہ خانہ کہتے ہیں مرحوم دفن ہیں ۔
مولانا ۔ کوئی غزل اگر اور یاد ہو تو ارشاد فرمائیے ۔ دل چاہتا ہے کہ مرحوم کا کلام سُنتے جاؤں ۔
اُستاد ۔ جو بات کہنا چاہتا ہوں رہ نہ جائے ۔
مولانا ۔ انشاءاللہ تعالیٰ رہے گی نہیں ، صرف ایک غزل کے چند شعر اور سُنا دیجیے ۔
اُستاد ۔ اچھا سُنیے ۔ مجھے تو بہت سی غزلیں یاد تھیں ۔ حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے بھول گیا ۔ جناب تعشق رح فرماتے ہیں ۔

غزل

یادِ غم دل سے کبھی جاتی نہیں اب تو بھولے سے ہنسی آتی نہیں

مولانا ۔ کیا کہنا ، کیا مطلع فرمایا ہے (بھولے سے) کا ٹکڑا کیا لاجواب ہے ۔
اُستاد ۔ شعر سُنیے کس قدر لطیف فرمایا ہے ۔

کچھ خبر ملتی نہیں دل کی مجھے آج نالوں کی صدا آتی نہیں

مولانا ۔ کیا تعریف ہو ۔ واہ واہ ۔ واقعاً یہ ہستی جانِ لکھنؤ تھی ۔
اُستاد ۔ اہا ہا ۔ کیا شعر یاد آیا ، مولانا دل خوش ہو جائے گا ۔

قبر میں رکھ کے مجھے کہنے لگے کیوں ، طبیعت اب تو گھبراتی نہیں

مولانا۔ بیشک دل خوش ہوگیا کیا شعر ہے۔

اُستاد۔ بھئی اب شعر یاد نہیں آتے۔ ایک شعر اور یاد ہے سُن لیجیے۔ شعر کہتے ہیں

لاش پر بھی آئے منہ ڈھانپے ہوئے بدگمانی آپ کی جاتی نہیں

مولانا۔ یہ تو لاجواب شعر فرمایا ہے۔ نہایت نفیس خیال۔

اُستاد۔ وقت نہیں ہے ورنہ اور اشعار سناتا۔ تو آپ کو قدر ہوتی۔ ان کے بڑے بھائی جناب عشق کے دو صاحبزادے ایک صاحبزادی تھیں۔ صاحبزادی حکیم صفدر حسین صاحب ٹوریہ گنج والے کو منسوب تھیں۔ ایک صاحبزادے سید خورشید میرزا صاحب۔ دوسرے سید حیدر میرزا صاحب ادب۔ سید خورشید مرزا صاحب نے شعر گوئی میں خاص ترقی نہیں کی۔ سید حیدر میرزا صاحب ادب مثل اپنے پدر بزرگوار کے نہایت باکمال و مستند مرثیہ گو اور شاعر گزرے ہیں اُنھیں کے صاحبزادے ماشاء اللہ جناب سید عسکری میرزا صاحب مؤدب ہیں۔ اپنے جد بزرگوار جناب عشق کے بالکل شبیہ اور قدم بہ قدم ہیں۔ واللہ اہلِ لکھنؤ کو قدر نہیں۔ اب ایسی ہستی لکھنؤ میں پیدا نہ ہوگی۔ واقعاً تحقیق میں یہ خاندان فرد ہے۔ جناب مؤدب بڑے محقق و با اوصاف بزرگ ہیں۔ حد ہے کہ آج تک انگریزی کا لفظ نہیں بولے۔ جو کوئی ان کے سامنے انگریزی کا لفظ بولتا ہے ناراض ہوجاتے ہیں۔ پرانی تہذیب، پرانے رکھ رکھاؤ والے بزرگ ہیں۔ یہ وہ ہستی ہے جن سے انسان تہذیب و کمالِ شعر و سخن حاصل کرے۔ واقعاً جناب بڑے باخدا اور باوضعدار ہیں۔ جو کہنا چاہتا تھا کہہ نہ سکا بات میں بات یاد آتی چلی گئی۔

جناب رشید، جناب عشق کے حقیقی بھتیجے اور شاگرد بھی تھے۔ جو کچھ کمال جناب رشید میں تھا وہ سب جناب عشق کی محنت کا نتیجہ تھا۔ چونکہ خدائے سخن حضرت انیسؔ کی صاحبزادی جناب صابرؔ کو منسوب ہوئی تھیں یعنے جناب عشق کی بھاوج۔ اسلیے حضرت رشید کے خدائے سخن حضرت انیسؒ حقیقی نانا تھے۔ جب پہلا نیا مرثیہ کہا ہے۔ اور چچا یعنے جناب عشق کی خدمت میں پیش کیا ہے تو انھوں نے بربنائے خلوص فرمایا تھا کہ اپنے نانا کو مرثیہ دکھاؤ یعنے جناب انیسؒ کو موافق حکم

جناب رشید مرثیہ لے کے سبزی منڈی اپنے نانا کی خدمت میں پہونچے۔ محبت کرنے والے نانا نے پوچھا کہ میاں خیریت ہے، کہاں آئے؟

جناب رشید نے عرض کیا کہ مرثیہ کہا ہے، اصلاح لینے آیا ہوں۔

جناب انیس ہنسے اور کہا۔ جب خود تمھارے گھر میں اتنا بڑا محقق عشق سا استاد موجود ہے تو اتنی دور اصلاح لینے آنے کی کیا ضرورت۔ مرثیہ دیکھا نہیں اُسے واپس کر دیا اور کہا کہ اُنھیں کو مرثیہ دکھایا کرو۔ حقیقی چچا اور تمھارے اُستاد بھی تو ہیں۔

تھوڑی دیر ٹھہرنے کے بعد حضرت رشید چلے آئے تھے پھر جناب عشق سے جب تک زندہ رہے جناب رشید اصلاح لیتے رہے۔ جناب عشق کی زندگی میں کبھی ایک مصرع جناب رشید بغیر دکھائے کسی محفل میں نہیں پڑھے گو استاد ہو گئے تھے مگر پہلے زمانے میں یہ خلاف وضع اور خلاف تہذیب تھا۔ دیکھیے پھر بات بڑھی جاتی ہے۔

مولانا۔ ارشاد ہو، میں بڑی دلچسپی سے یہ واقعات سُن رہا ہوں۔

اُستاد۔ تاخیر ہوئی جاتی ہے، مختصر کر کے اصل واقعہ تو بیان کر دوں۔ جناب رشید ایک نئی غزل کہہ کے جناب عشق کی خدمت میں لائے۔ جس کا ردیف، قافیہ یہ تھا۔ تارے رات کو، پیارے رات کو۔ جس غزل کے دو شعر یاد آ گئے، آپ کو سُنا دوں۔

آ گئی صبح قیامت اور میں سویا نہیں پھر نہ آئی نیند تم جب سے سدھارے رات کو
پوری گردش آسماں نے شام سے کی تا سحر آج ہم نے گن لیے سارے ستارے رات کو

جناب عشق نے غزل سُنی۔ ایک شعر کے متعلق فرمایا کہ مصرع نہیں لگا۔

جناب رشید نے اُسی وقت دس یا پندرہ مصرعے لگا لیے۔ سب کو کہا ابھی کوئی مصرع نہیں لگا۔ حکم فرمایا کہ آج رات کو بہت سے مصرعے لگا کے لانا۔ چنانچہ موافق حکم رات بھر میں ایک مصرعے پر سَو مصرعے لگائے۔ صبح کو اپنے چچا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

جناب عشق نے پوچھا کہ کتنے مصرعے لگائے۔

جناب رشید نے عرض کیا کہ سَو مصرعے لگائے - جناب عشق نے کہا کہ پڑھو - جناب رشید نے سب مصرعے سُنائے - جناب عشق نے کہا کہ ابھی مصرع نہیں لگا - جناب رشید نے عرض کی کہ اب مجھ سے مصرع نہیں لگے گا - آپ مصرع لگا کے بتا دیجیے - وہ مصرع جس پر جناب رشید نے ایک سَو پندرہ مصرعے لگائے تھے یہ تھا -

دن کو مُنہ دھویا گیا گیسو سنوارے رات کو

جناب عشق مرحوم نے مصرع لگا کے فرمایا کہ دیکھو اب مصرع لگا - لکھو

اُن کی آرائش بھی ہوتی ہے موافق وقت کے ۔ دن کو مُنہ دھویا گیا گیسو سنوارے رات کو

مولانا - واہ واہ واہ - کیا مصرع لگایا ہے - اُستادی اسی کا نام ہے

اُستاد - اس سے بہتر مصرع لگ نہیں سکتا - جناب عشق نے دَورانِ مشق میں چودہ سال ایک جگہ یعنے گھر میں بیٹھ کے شعر کہہ کہہ کے پھاڑ کے پھینکے ہیں - نہ کسی تقریبِ غم میں شریک ہوئے نہ خوشی میں - جب انیس و دبیر کے ہوتے ہوئے لوگوں کے دلوں پر اپنا سکہ بٹھایا ہے اور تیسرا خاندان لکھنؤ میں قائم کیا -

کُل تقریر کا میری خلاصہ یہ ہے کہ پہلے کے لوگ یوں محنت کرتے تھے اور اُستاد اس شفقت سے بتاتا تھا جیسا پدرِ مہربان اپنے فرزندِ لائق کو تعلیم کرتا ہے - باتوں میں بہت دیر ہو گئی شعر پڑھیے جلدی غزل بنا دوں -

مولانا - شعر نمبر ۵

~~تماشا دم کے نکلنے کا کیا نہ دیکھیں گے وہ~~ ۔ اب اُٹھ کے جاتے ہیں جب وقتِ احتضار آیا

نہ سیر دیکھیں گے کیا میرے دم نکلنے کی

اُستاد - آپ کے پہلے مصرع میں تعقید نے سُستی نظم کر دی - مصرع صاف نہیں ہے - پڑھنے میں اچھا نہیں معلوم ہوتا -

مولانا کی ہمت بڑھ چکی تھی - کہنے لگے "میں بدل دوں"

اُستاد - بدلیے -

مولانا - قدرے غور کر کے -

نہ سیر دیکھیں گے کیا میرے دَم نکلنے کی اب اُٹھ کے جاتے ہیں جب وقت اختصار آیا

اُستاد - اچھا بدلا - اب آپ شاعر ہوتے جاتے ہیں -

مولانا - (مسکرا کے) حضور کا صدقہ ہے -

شعر نمبر ۶

شبِ فراق نے ایسا کیا مجھے مریل لحد میں جا کے بھی برسوں مجھے بخار آیا

اُستاد - آج اتنے روز کے بعد میرے خلاف مزاج آپ نے لفظ استعمال کیا -

مولانا - حضور، کون سا لفظ ہے ؟ ارشاد ہو -

اُستاد - آپ نے (مریل) کا لفظ کیا سمجھ کے صَرف کیا ؟

مولانا - امیر مینائی نے صَرف کیا ہے -

اُستاد - آپ کیا امیر مینائی کے مُقلد ہیں ؟

مولانا - کیا وہ اُستاد نہیں ؟

اُستاد - اُستاد ضرور ہیں لیکن میرے نزدیک محتاط اساتذہ میں نہیں ہیں - بہت کچھ ایسی چیزیں نظم کر گئے ہیں جو بالکل غیر فصیح - آپ کو شعر یاد ہے جس میں مَریل کا لفظ نظم کیا ہے ؟

مولانا - جی شعر ہے - امیر مینائی

دخترِ رز کا بھی جوبن نہ ابھارے جس کو ایسی مَریل کسی زاہد کی طبیعت ہو گی

اُستاد - ملاحظہ فرمائیے، کس قدر اخلاق سے گرا ہوا شعر ہے - جس کی تشریح بہ سبب تہذیب نہیں کر سکتا - (مریل) کا لفظ بالکل بازاری لغت ہے - نظم کو ان تمام چیزوں سے پاک ہونا چاہیئے - نہ ایسے خیالات ہوں جیسا شعر آپ نے سُنایا بالکل مرتبہ سے گرا ہوا شعر ہے لہٰذا مصرع خود بدلیے -

مولانا - (غور کر کے) حضور، مصرع بدل دیا -

تپِ فراق نے چھوڑا نہ بعدِ مرگ بھی ساتھ لحد میں جا کے بھی برسوں مجھے بخار آیا

اُستاد۔ پھر مصرع اچھا لگایا۔ اور پڑھیے۔

شعر نمبر ۷

لحد میں ہاتھ ہلا کے وہ مجھ سے کہتے ہیں　　ہمارے وعدے کا اب تم کو اعتبار آیا

اُستاد۔ (ہاتھ) کی جگہ (شانہ) لکھیے۔ قبر میں ہاتھ نہیں ہلاتے شانہ ہلاتے ہیں۔ اور پڑھیے۔
مولانا نے لفظ لکھ لیا۔

شعر نمبر ۸

کبھی جو حسن کی بجلی چمکتے دیکھی تھی　　نہ آج تک دلِ بیتاب کو قرار آیا

اُستاد۔ اور پڑھیے۔ شعر غنیمت ہے۔

مولانا۔ شعر نمبر ۹

نکالا تم نے مرے دل سے جتنی دیر میں تیر　　بس اتنی ~~ساعتیں دل کو~~ (دیر مرے قلب کو) مرے قرار آیا

اُستاد۔ (ساعتیں) کا لفظ مناسب نہیں لہٰذا مصرع یوں بدل دیجیے۔

بس اتنی دیر مرے قلب کو قرار آیا

مولانا۔ بہت خوب کہہ کے لکھ لیا۔

شعر نمبر ۱۰

میں بھول جاتا ہوں گننے میں دل کے ٹکڑوں کو　　غضب خدا کا نہ اب تک مجھے شمار آیا

اُستاد۔ رہنے دیجیے، شعر اچھا ہے۔ اور پڑھیے۔

مولانا۔ شعر نمبر ۱۱

کسی کو صبر ملا اور کسی کو درد ملا　　مرے نصیب کے حصے میں انتظار آیا

اُستاد۔ یہ شعر کاٹ دیجیے کیونکہ صبر یا درد کہاں ملا کب ملا۔ اس چیز کو آپ نے ظاہر نہیں کیا۔

مولانا۔ تو بدل کے مصرع کی اصلاح فرمائیے تاکہ میں سمجھ لوں کہ کس چیز کی ضرورت ہے۔

اُستاد۔ ازل میں درد کسی کو کسی کو صبر ملا　　نصیب میرے کہ حصے میں انتظار آیا

مولانا۔ درست، اب سمجھ میں آگیا۔ بیشک لفظ ازل کی ضرورت تھی۔ واقعاً حضور نے درست فرمایا ہے۔

مقطع

نہ پوچھو صورتِ حدِ صفائے قلبِ شعار ۔۔۔ اک آئینہ ہے نہ جس میں کبھی غبار آیا

اُستاد۔ پہلے مصرع میں ایک سخت عیب نظم ہو گیا جو غالباً آج تک میں نے آپ کو نہیں سمجھایا۔ اور وہ توالیِ حرکات۔ آپ نے چار اضافتیں ایک مصرع میں مسلسل جمع کر دیں جو قطعاً ناجائز۔ اساتذہ نے حرام سمجھا ہے۔ تین اضافتوں تک جائز ہے لیکن چار بالکل غلط۔ لہذا مصرع ابھی بدلیے کیونکہ مقطع ہے۔

مولانا۔ (دیر تک غور کرنے کے بعد) حضور عرض کیا ہے ؎

نہ پوچھو دوستو حدِ صفائے قلبِ شعار ۔۔۔ اک آئینہ ہے نہ جس میں کبھی غبار آیا

اُستاد۔ مصرع خوب بدلا، ماشاء اللہ، محنت اسی کا نام ہے۔ اب آپ سے امید ترقی ہوتی جاتی ہے۔

دلچسپ معلومات نمبر ۱۸

مولانا۔ چند چیزیں دریافت کرنی تھیں اگر حکم ہو تو عرض کروں؟

اُستاد۔ پوچھیے

مولانا۔ برادرِ نسبتی سے کیا مراد ہے؟

اُستاد۔ زوجہ کے بھائی کو کہتے ہیں۔ چنانچہ شاہِ اودھ، جنت مکان، خلد آشیاں، حضرت واجد علی شاہ بہادر اختر کا شعر ہے ؎

حقیقت میں کچھ سعی بیجا نہ تھی ۔۔۔ کہ اُن کا برادر تھا وہ نسبتی

یہ ایک مثنوی کا شعر ہے جو یاد آگیا اور میں نے آپ کے سامنے پڑھا

مولانا۔ درست ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ خواہرِ نسبتی، سالی کو کہتے ہیں یا نہیں؟

اُستاد - سالی کو یعنے بیوی کی بہن کو خواہرِنسبتی کہتے ہیں - اس کی مثال بادشاہ اودھ واجد علیشاہ بہادر کی مثنوی میں موجود ہے ؎

جو یہ والدہ ماجدہ ہیں مری　　　انھیں کی وہ ہیں خواہرِ نسبتی

یعنے سالی -

مولانا - میں سمجھ گیا - مجھ سے ایک صاحب سے بحث ہوگئی تھی اس لیے دریافت کیا -

اُستاد - اور کچھ پوچھنا ہو تو پوچھ لیجیے - میرا مذاقِ طبیعت یہی ہے کہ کوئی پوچھے اور میں جواب دوں -

مولانا - چند چیزیں اور ہیں اگر مع مثال ارشاد ہوں تو بہتر ہے کیونکہ میں تو حضور کے ارشاد کو مان لوں گا - مگر دوسروں کو جن سے بحث چھڑی ہے تامل ہوگا -

اُستاد - اگر مثالیں یاد ہوں گی تو شعر پڑھ دوں گا، آپ دریافت کیجیے -

مولانا - لفظ نَشہ بفتح و سکونِ شین صحیح ہے جیسا کہ لغات میں ہے یا نَشَہ بفتحتین یعنے نون کو زبر شین کو زبر -

استاد - صحیح درحقیقت نَشہ بفتح نون و سکون شین ہے - چنانچہ طالب آملی کہتے ہیں ؎

منم کہ نشۂ زیادِ شراب میگیرم　　　بدست برگِ گُل از آتش آب میگیرم

اہلِ ہند نے بھی اسی طرح استعمال کیا ہے - آتش کہتے ہیں ؎

جب سے دکھلایا ہے آنکھوں نے ترا حُسنِ شباب　　　نشہ رہتا ہے ہمیں اک ساغرِ لبریز کا

داغ کہتے ہیں ؎

گئے تھے پیرِ خرابات کی خرابی کو　　　وہاں سے نشۂ صہبا میں چور ہم آئے

امیر کہتے ہیں ؎

بڑھاپے نے ہرن سب کر دیے نشّے جوانی کے　　　نرگسیں مستیوں کی ہو چکیں اب فاقہ مستی ہے

صرف ایک مثال ایسی ملتی ہے جس میں نَشَہ بفتحتین یعنے بفتح نون و شین مستعمل ہے - حضرت میر تقی میر دہلوی کا شعر ہے ؎

کھینچا بغل میں میں جو اسے مست پا کے رات　　　کہنے لگا کہ آپ کو بھی اب نشہ ہوا

شاعر نے اجتہاد سے کام لیا ہے ورنہ درحقیقت صحیح نہیں۔ لفظ غلط استعمال کیا ہے۔ چونکہ بغیر ترکیب ہے اس لیے ممکن ہے کہ میر صاحب کے زمانے میں عوام بولتے ہوں اور اُردو سمجھ کے استعمال کر دیا ہو۔ میرے نزدیک موجودہ دَور میں غیر فصیح کیا بلکہ غلط ہے۔ نَشَہ بفتح نون و سکون شین صحیح ہے۔ اس مسئلے کو آپ سے یا نواب صاحب سے بالتفصیل بیان بھی کر چکا ہوں۔

مولانا۔ درست ہے۔ یہ فرمائیے کہ مُلَبَّب کہاں تک صحیح ہے۔

استاد۔ بالکل غلط۔ لبالب سے مُلَبَّب بنایا ہے۔ لبالب فارسی مُلَبَّب عربی وزن صیغہ اسم مفعول بنایا لہٰذا فصحا کو استعمال نہ کرنا چاہیے۔

مولانا۔ لبِ ساحل یا سرِ ساحل کہنا صحیح ہے یا غلط؟

اُستاد۔ لبِ ساحل قطعاً غلط۔ اس لیے کہ ساحل خود کنارے کو کہتے ہیں اب لبِ ساحل کہاں تک صحیح ہوگا۔ رہا سرِ ساحل۔ یہ بھی قابلِ احتیاط ہے۔ اس لیے کہ سرِ ساحل کے معنے لبِ ساحل کے ہیں۔ میرے نزدیک سرِ ساحل کہنا بھی درست نہیں۔ کسی مرثیہ گو کے ایک بند کا مصرع یاد ہے۔ ع

فرس اُڑا لبِ ساحل سے بِل گیا جا کے

مولانا۔ ہم مشرب بمعنے ہم مذہب صحیح ہے یا غلط؟

اُستاد۔ میرے نزدیک بمعنے ہم مذہب غلط ہے اس لیے کہ لغت میں یہ معنے نہیں ملتے۔ جو لغوی معنے اس کے ہیں یعنے ایک جگہ بیٹھ کے پینے والے۔ ان معنے میں درست و صحیح ہے۔

مولانا۔ خلف کے کیا معنے ہیں؟ باپ اگر زندہ ہو تو بیٹے کو خلف الصدق کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

اُستاد۔ باپ کی زندگی میں بیٹے کو خلف کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ لغت میں دو معنے ملتے ہیں۔ ایک پیچھے چلنے والا۔ دوسرے فرزند نیک۔ لہٰذا خلف بفتحتین باپ کی زندگی میں بیٹے کو کہنے میں مضائقہ نہیں۔ مجازاً شاگرد کو بھی خلف کہتے ہیں۔ علی خراسانی کا شعر ہے ؎

طفلِ دل را از معلم رخصتِ ارشاد نیست   ہیچ شاگردِ خلف را حاجتِ اُستاد نیست

مولانا۔ حضور بجا ارشاد فرماتے ہیں۔ ایک سوال اور ہے وہ یہ کہ لب مذکر ہے یا مؤنث؟

اُستاد۔ لب ہونٹھ کے معنے میں مذکر ہے۔ چنانچہ جلال لکھنوی کا شعر ہے۔

مر گئے سیکڑوں بیمار تری آنکھوں کے   لبِ جاں بخش کسی کے بھی نہ کچھ کام آیا

لیکن اس کے علاوہ کنارے کے معنے میں قطعاً مؤنث ہے۔ مثلاً دریا کی لب، میان کی لب وغیرہ وغیرہ۔ حضرت مؤدب مدظلہ کے مرثیے کے ایک بند کا مصرع یاد آگیا جو تلوار کی تعریف میں ہے۔

میان کی لب سے ملا رہتا ہے پانی اس کا

مولانا۔ حضور کو بہت زحمت دی۔

اُستاد۔ کوئی زحمت نہیں، میں تو چاہتا ہوں کہ ہر وقت ادبی بحث، ادبی ذکر کیا کروں۔

مولانا۔ اجازت چاہتا ہوں۔

اُستاد۔ اچھا سدھارئیے، خدا حافظ۔

مولانا رخصت ہوئے۔ اُستاد دُنیاوی مشاغل میں مشغول ہو گئے۔ نواب شنبہ کو حسبِ معمول غزل لے کے آ گئے۔

نواب۔ آداب بجا لاتا ہوں۔

اُستاد۔ تسلیم۔ آئیے۔

نواب بہ ادب سامنے بیٹھ گئے اور غزل جیب سے نکال لی

اُستاد۔ آپ پڑھتے جائیے میں غزل بناتا جاؤں۔

نواب۔ بہت خوب۔

اصلاح نمبر ۱۹
غزل نواب۔ مطلع نمبر ۱

مائل بہ قتل ڈال کے رُخ پر نقاب ہے   غم سے گہن میں آیا ہوا آفتاب ہے

اُستاد - پہلا مصرع صاف نہیں، ردیف بہت دُور پڑ رہی ہے یعنے مائل بہ قتل کی خبر ہے اسلیے مصرع صاف ہونا چاہیئے - یوں بدل دیجیے -

ہوتا ہوں ذبح چہرے پہ اُن کے نقاب ہے   غم سے گہن میں آیا ہوا آفتاب ہے

نواب - بہت خوب کہہ کے لکھ لیا -

مطلع نمبر ۲

دنیا خموش ہے وہ حسیں محوِ خواب ہے   غفلت کی نیند آمدِ فصلِ شباب ہے

اُستاد - مطلع بہت عمدہ کہا ہے، نہایت صاف مطلع ہے - صاد بنا دیجیے -

نواب نے سلام کیا اور کلمات انکسار کہے

مطلع نمبر ۳

تابندہ اُن کا حالِ رخِ لاجواب ہے   ٹھہرا ہوا اُفق کے قریب آفتاب ہے

اُستاد - یہ مطلع بھی آپ نے بہت عمدہ کہا ہے، دل خوش کر دیا - اب تو آپ اچھے اچھے مطلعے نکالنے لگے -

نواب نے کھڑے ہو کے سلام کیا -

اُستاد - اور پڑھیے آج تو اشتیاق پیدا ہے -

مطلع نمبر ۴

اے دل نہ یوں تڑپ جو تجھے اضطراب ہے   ناداں وقارِ عشق کا موتی کی آب ہے

اُستاد - واللہ یہ مطلع بھی بہت خوب کہا ہے - آج تو یقیناً دریا بہا دیے -

شعر نمبر ۵

~~دُنیا کے گُل دلوں میں~~ مرا دل کیا پسند   تم ~~جوہری~~ ہو کیا نظر انتخاب ہے
لاکھوں دلوں میں ایک مرا   قدرداں

اُستاد - شعر غنیمت ہے، محتاج اصلاح ہے - یوں بدل دیجیے -

لاکھوں دلوں میں ایک مرا دل کیا پسند

دوسرے مصرع میں (جوہری) کی جگہ (قدرداں) بنا دیجیے۔
نواب نے بہت خوب کہہ کے لکھ لیا اور بہ ادب سلام کیا۔

شعر نمبر ۶

محشر میں مجکو نامۂ اعمال جب ملا　　گھبرا کے بیخودی میں یہ سمجھا جواب ہے

اُستاد۔ (گھبرا کے) اور (بیخودی) قریب قریب ہم معنے ہیں۔ تکرار بیفائدہ شئے ہے لہذا یوں بدل دیجیے اور پڑھیے۔

سمجھا یہ بیخودی میں کہ خط کا جواب ہے

شعر نمبر ۷

~~ناصح نصیحتوں کا سبب میں سمجھ گیا　　کافی خمار کے لیے ذکرِ شراب ہے~~

اُستاد۔ آپ نے خمار کے معنے نشے کے قرار دیے ہیں۔
نواب۔ جی، درست ہے۔ یہی معنی ہیں۔
اُستاد۔ یہ معنے غلط ہیں۔ خمار کے معنے لغت میں (نشہ اُترنے کے بعد کی کیفیت۔ وہ حالت جس میں شراب کی طلب ہوتی ہے) لہذا شعر غلط ہے کاٹ دیجیے۔ اسی لفظ خمار کے معنے میں بڑے بڑے اساتذہ نے دھوکا کھایا ہے۔ اور پڑھیے۔

شعر نمبر ۸

تصویر بھی تمھاری ہے دنیا میں بے بدل　　تم حسن میں ہو فرد تمھارا جواب ہے

اُستاد۔ مصرع اچھا نہیں لگا۔ اس سے اچھا مصرع لگائیے۔
نواب۔ کوشش کرتا ہوں۔ (یہ کہہ کے تھوڑی دیر خاموش ہونے کے بعد) حضور مصرع لگ گیا۔
اُستاد۔ یہ بھی طے کر لیا کہ مصرع لگ گیا۔ اچھا سنائیے تو معلوم ہو۔
نواب۔ جی اتفاقیہ مُنہ سے نکل گیا ورنہ ایسی بے ادبی خادم نہ کرتا۔ مصرع یہ ہے۔

تصویر بھی ہے اسلیے دنیا میں بے نظیر　　تم حسن میں ہو فرد تمھارا جواب ہے

اُستاد - ہاں غنیمت ہے، یہ مصرع لگ گیا - ماشاء اللہ، اب آپ اچھا کہنے لگے - اور پڑھیے -

نواب - (سلام کرکے)

شعر نمبر ۹

او جانے والے دیکھ لے مرنے کی مُڑ کے سیر　　تیرے مریضِ ہجر کی حالت خراب ہے

(دم توڑنے کی)

اُستاد - جیسے مطلعے آپ نے سنائے ویسے شعر نہیں سُنا رہے ہیں - یہ شعر سُست ہے یعنی بھرتی کا ہے (مرنے کی مُڑ کے) کی جگہ (دُم توڑنے کی) لکھ دیجیے - اور پڑھیے -

نواب نے بہت خوب کہہ کے لکھ لیا اور اصلاح سے خوش ہوئے -

شعر نمبر ۱۰

دونوں ازل کے روز سے صورت میں ایک ہیں　　پارے میں میرے دل کی طرح اضطراب ہے

(فطرت)

اُستاد - (صورت) کی جگہ (فطرت) لکھ دیجیے کیونکہ لفظِ فطرت، صورت سے یہاں پر بہت بلند ہے - اور پڑھیے -

نواب نے بہت خوب کہہ کے لکھ لیا اور دست بستہ عرض کیا کہ بیشک بہت بہتر ہے -

شعر نمبر ۱۱

دنیا میں ایک رنگ سے لے دل بسر ہو خاک　　دیکھو نظر اُٹھا کے جدھر انقلاب ہے

اُستاد - سُست شعر ہے، کوئی خاص بات نہیں - کاٹ دیجیے - اور پڑھیے -

شعر نمبر ۱۲

دیکھا نہ مُڑ کے دُھن میں پامال کر گئے　　کہتا رہا مرا دلِ خانہ خراب ہے

(راہ)

اُستاد - (دُھن) کی جگہ (راہ) لکھ دیجیے - شعر میں قدرے شوخی ہے ورنہ اور کوئی خاص بات نہیں - اور پڑھیے -

نواب نے تعمیلِ حکم کرتے ہوئے بدلا ہوا لفظ یعنی (راہ) لکھ لیا -

شعر نمبر ۱۳

یہ کہہ کے اُس نے طائرِ دل کو اُڑا دیا　　ہم نے سُنا ہے تیر لگانا ثواب ہے

اُستاد۔ بچوں کا شعر ہے اختیار ہے خواہ رہنے دیجیے یا نکال ڈالیے۔ خاص بات نہیں اگر مناسب وقت دیکھئے گا مشاعرے میں پڑھیے گا یعنے اگر غزل چلے تو یہ شعر پڑھئے گا رنگ دیے جائیے گا ورنہ پڑھیے گا نہیں۔ اور پڑھیے۔

نواب۔ بہت خوب۔ جیسا ارشاد ہوا ہے ویسا ہی عمل کروں گا۔

شعر نمبر ۱۴

للہ جلد زلفِ پریشاں سنوارئیے ۔۔۔ حسرت نصیب دل کو بہت اضطراب ہے

اُستاد۔ یہ شعر بھی جہاں تک ممکن ہو نہ پڑھیے گا اسلیے کہ بہت پامال تخئیل ہے۔ اور پڑھیے۔

نواب۔ بہت خوب۔ چونکہ حضور کا حکم ہے، کبھی نہیں پڑھوں گا۔

شعر نمبر ۱۵

اُمید سب سمجھتے ہیں اُستاد ہیں ہمیں ۔۔۔ کیا شاعری کی دہر میں مٹی خراب ہے

اُستاد۔ مقطع اچھا ہے لیکن آپ نے جناب عشق مرحوم کی ایک بیت کا بھونڈا ترجمہ کیا ہے۔

نواب۔ وہ بیت ارشاد ہو تاکہ سمجھ سکوں۔

اُستاد۔ جناب عشق نے ایک مرثیے کی بیت کہی ہے جس میں دنیا کی حالت دکھائی ہے یا بالخصوص دنیا کے شاعری کے انقلاب کی تصویر کشی فرمائی ہے۔

بیت

ہر تازہ گو بھی اپنی جگہ لاجواب ہے ۔۔۔ دردا زمینِ شعر کی مٹی خراب ہے

نواب۔ کیا خوب بیت فرمائی ہے۔ واقعاً اِس دور میں شاعری کی مٹی خراب ہے۔

اُستاد۔ رہنے دیجیے، مقطع ہے وہ بھی توارُد ہے سرقہ نہیں کیونکہ آپ کو یہ بیت یاد نہیں تھی۔

نواب۔ توارد کیا؟ حضور سمجھا دیں تاکہ تعریف توارد محفوظ کرلوں۔

اُستاد۔ بحث طویل ہے مجملاً بتادوں۔ ایک مضمون کسی شاعر کا ہو اور آپ کو نہ معلوم ہو آپ بھی نظم کر جائیے تو سننے والے کہیں گے مضمون میں توارد ہو گیا یعنے جو فلاں کا مضمون ہے وہی

یہ مضمون ہے۔ اور اگر آپ کو شاعر کا مضمون یاد ہے پھر آپ نے نظم کر لیا تو یہ سرقہ ہو جائیگا۔

نواب - بخدا مجھے یہ بیت یاد نہیں تھی ورنہ کبھی اس خیال کو نظم نہ کرتا۔

اُستاد - میں خود کہہ رہا ہوں، کوئی قباحت نہیں، رہنے دیجیے۔ اکثر ہوتا ہے۔

دلچسپ معلومات نمبر ۱۹

نواب نے سلام کر کے غزل تہ کر کے جیب میں رکھ لی

اُستاد - آپ جلدی بے عیب کہنے لگیے گا۔ اس غزل کے مطلعے اور چند شعر اچھے ہیں۔

نواب - جی پندرہ ۱۵ شعر ہیں، اب جلدی شعر کہہ لیتا ہوں۔

اُستاد - کم سے کم پندرہ ۱۵ شعر کی غزل ہونا چاہیے۔ کیسے برابر قاری یعقوب علی خاں صاحب کے یہاں جانا ہوتا ہے۔

نواب - روز پڑھنے جاتا ہوں۔

اُستاد - کچھ پوچھوں؟

نواب - جو کچھ حضور دریافت فرمائیں گے اگر یاد ہوگا تو ضرور عرض کروں گا۔

اُستاد - الف وصل کس کو کہتے ہیں مع مثال بتائیے۔

نواب - الف وصل وہ ہے جو درمیان مصرع میں واقع ہو اور اُس کی حرکت اس سے پہلے والے حرف کو دیدیں اور خود الف ملفوظ نہ ہو تاکہ اُس سے پہلے والا حرف اُسکے بعد والے حرف سے مل سکے مثال۔ مصرع

روز سیفی سیہ از کاکل مشکین تو شد

اُستاد - اس میں الف وصل کون سا ہے؟

نواب - (از) کا الف اس نے خود گر کے (ہ) کو (ز) سے ملا دیا اسی وجہ سے اسے الف وصل کہتے ہیں۔

اُستاد ۔ تعریف بہت اچھی کی، ماشاء اللہ ۔

نواب نے سلام کیا اور سر جھکا کے عرض کیا کہ سب حضور کا تصدق ہے ۔

اُستاد ۔ ہاں، بتایئے وہ ارکان کہ جن سے بحور مرکب ہیں یعنے بنے ہیں کے ہیں اور کون کون ہیں ۔

نواب ۔ ارکان آٹھ ہیں ۔ فعولن ۔ فاعلن ۔ مفاعیلن ۔ مستفعلن ۔ مفاعلتن ۔ متفاعلن ۔ فاعلاتن ۔ مفعولات ۔

اُستاد ۔ صدر و عروض و ابتدا و ضرب کی تعریف کیجیے ۔ مثال دیجیے اور درمیانی حصّے کو کیا کہتے ہیں ؟

نواب ۔ پہلے مصرع کے پہلے رکن کو (صدر) کہتے ہیں ۔ اور پہلے مصرع کے آخری رکن کو (عروض) کہتے ہیں ۔ دوسرے مصرع کے پہلے رکن کو (ابتدا) اور آخری رکن کو (ضرب) کہتے ہیں ۔ درمیانی رکنوں کو (حشو) سے تعبیر کرتے ہیں ۔ خواجہ وزیر کا مطلع ہے ؎

کیا خبر تھی انقلابِ آسماں ہو جائے گا　　یار کا ملنا نصیبِ دشمناں ہو جائے گا

کیا خبر تھی (صدر) جائے گا (عروض) یار کا مل (ابتدا) جائیگا (ضرب) باقی درمیان کے حصّے کو (حشو) کہیں گے ۔

اُستاد ۔ زحاف کسے کہتے ہیں ۔ معنے کیا ہیں ؟

نواب ۔ رکن میں تغیر ہو جانے کو زحاف کہتے ہیں ۔ خواہ کمی ہو یا زیادتی ہو جیسے مفاعیلن میں الف زیادہ کریں مفاعیلان ہو جائے گا ۔ اسے (تسبیغ) کہتے ہیں ۔ یا کمی کر دیں جیسے مفاعیلن کے نون کو اور حرکت لام کو گرا دیں اسے (قصر) کہتے ہیں ۔

زحف کے لغوی معنے اصل سے دور ہونا ۔ اور اصطلاح عروضیین میں تغیر رکن کو (زحاف) کہتے ہیں ۔

اُستاد ۔ زحاف جمع ہے یا واحد ؟

نواب ۔ زحاف جمع زحف ہے بفتح زا و سکون حا ۔

اُستاد ۔ پھر جمع کے ساتھ کیوں بولتے ہیں۔ تغیر رکن کو زحف کیوں نہیں کہتے ؟

نواب ۔ اعتراض حضور کا درست ہے لیکن اصطلاحِ عروضیین صحت کی علامت ہے عروضیین ہمیشہ تغیر رکن کو بجائے زحف کے زحافت ہی کہتے ہیں ۔

اُستاد ۔ ماشاء اللہ آپ کو خوب یاد ہے۔ اسی محنت سے پڑھے جائیے جلد عروضی ہو جائیے گا۔

نواب نے سلام کیا اور دست بستہ عرض کیا کہ سب جناب کی بدولت ہے ۔

اُستاد ۔ اب آپ جا سکتے ہیں۔ آج دل خوش کر دیا ۔

نواب سلام کر کے رخصت ہو گئے ۔

استاد اپنے کاموں میں مصروف رہے ، اتفاقاً پھر الہ آباد سے ایک خط آگیا۔ اُستاد نے لفافہ کھولا ، القاب و آداب کے بعد جو پڑھنا شروع کیا تو چند سوالات تحریر تھے۔ آخر میں لکھا تھا کہ جلد جوابات سے سرفراز فرمائیے گا۔ حضور کا شکریہ کہاں تک ادا کروں کہ دو مرتبہ زحمت دے چکا ہوں ، یہ تیسری مرتبہ پھر زحمت کی جرات کی اور یہ حضور کے اخلاق کریمانہ کی وجہ سے جرأت ہوئی کہ مزید زحمت دوں۔ حضور سا اُستادِ فن اب لکھنؤ میں کون ہے جسے اجتہاد کا حق حاصل ہو۔ بڑی بندہ نوازی ہوگی اگر حضور جلد جواب سے سرفراز فرمائیں گے ۔ فقط

سعیدالدین خاں

اُستاد نے لفافہ قالین کے نیچے رکھ لیا اور خیال کیا کہ وقت فرصت میں کسی دن جواب دیدونگا کہ یکایک ایک پرانے ملنے والے جو کبھی ہم محلّہ تھے اور روز کی نشست تھی ، آ گئے ۔

(آتے ہی) آداب عرض کرتا ہوں ۔

اُستاد نے سر اُٹھا کے تسلیمات جناب میر صاحب آپ کی زیارت تو عرصہ کے بعد ہوئی۔ تشریف لائیے ، کہاں تھے ؟

میر صاحب قریب بیٹھ گئے ۔

اُستاد ۔ کہئے سب خیریت ہے ، بہت عرصے کے بعد تشریف لائے ؟

میر صاحب ۔ سرکاری ملازمت نے ترکِ وطن پر مجبور کیا۔ آج کل گونڈہ میں سرکاری ملازم ہوں۔ پنشن کا زمانہ قریب ہے، انشاء اللہ تعالیٰ پھر اسی محلے میں حاضر ہونگا اور فیضِ صحبت اُٹھاؤں گا۔

اُستاد ۔ کیسے شاعری ہوتی ہے؟

میر صاحب ۔ آج کل اس قدر (بزی) رہتا ہوں کہ کیا بیان کروں ۔ شاعری کا شوق لکھنؤ تک محدود تھا ۔

اُستاد ۔ (بزی) مَیں نہیں سمجھا۔ کیا گونڈے کا خاص لغت ہے ؟

میر صاحب ۔ انگریزی لفظ ہے ۔

اُستاد ۔ مَیں انگریزی نہیں جانتا، آپ میرے سامنے انگریزی لفظ کیوں بولے ؟

میر صاحب ۔ واقعًا مجھے آپ کے سامنے انگریزی لفظ نہ بولنا چاہیے تھا اس لیے کہ مَیں خوب جانتا ہوں جناب کو انگریزی الفاظ سے نفرت ہے۔ آپ کی زبان سے کبھی انگریزی لفظ سُنا ہی نہیں۔

اُستاد ۔ کوئی غزل کہی ہو تو سنائیے ۔

میر صاحب ۔ ایک مصرع بھی نہیں کہا۔ کیا کہوں ٹائم ہی نہیں ملتا ۔

اُستاد ۔ پھر آپ انگریزی لفظ بولے ۔

میر صاحب ۔ کیا بتاؤں، پھر زبان سے نکل گیا۔ مجھے وقت نہیں ملتا ۔

اُستاد ۔ معاف فرمائیے گا، اُسی بے تکلفی کی بنا پر عرض کر دیتا ہوں ورنہ جناب مہمان ہیں میرا عرض کرنا خلافِ تہذیب ہے ۔

میر صاحب ۔ جناب کا ٹوکنا مجھ کو قطعًا بُرا نہیں لگتا اس لیے کہ اُردو زبان تو خود (مکسچر) ہے، انگریزی سے (مکسچر) ہونے کے بعد تو تباہ ہی ہو جائے گی ۔

اُستاد ۔ آپ کیا بولے ؟

میر صاحب ۔ (شرما کے) پھر بھول گیا۔ جی، (مکسچر) عرض کیا یعنی مرکّب۔

اُستاد ۔ آپ کو غالبًا عادت پڑ گئی ہے ؟

میر صاحب ۔ ہمہ وقت انگریزی دانوں کا سامنا ہے، واقعًا بولتے بولتے عادت سی ہوگئی ہے ۔

اُستاد ۔ خیر، جناب کی تنخواہ اب کیا ہے ؟

میر صاحب ۔ ڈیڑھ سَو سے سَوا دو سَو تک کے گریڈ میں ہوں ۔

اُستاد ۔ میں پھر کچھ نہ سمجھا ۔ (گریڈ) کیا چڑیا ہے ؟

میر صاحب ۔ (گریڈ) کے معنی (درجے) کے ہیں ۔

اُستاد ۔ خیر، اب سمجھا ۔ برائے خدا میرے سامنے نہ بولیے ۔

میر صاحب ۔ (شرما کے) ہائے ری کمبخت عادت، لاکھ کوشش کرتا ہوں مگر منہ سے لفظ نکل ہی جاتا ہے ۔

اُستاد ۔ تعطیل ہے یا آپ چھٹی لے کر تشریف لائے ہیں ؟

میر صاحب ۔ چھٹی لی ہے ۔ حاف تنخواہ ملے گی ۔ کیونکہ میں چھٹی لے چکا ہوں ۔

اُستاد ۔ (حاف) کے معنے واللہ سمجھ میں نہیں آئے ۔

میر صاحب ۔ (نصف) دیکھیے پھر جلدی میں لفظ منہ سے نکل ہی گیا ۔

اُستاد ۔ جو انگریزی سے بالکل بے بہرہ ہو تو جناب سے بات کرنے میں اُس کو بڑی دقت پڑے کیونکہ گھڑی گھڑی پوچھنا پڑے کہ اسکے کیا معنے، اُسکے کیا معنے ۔ آپ بتاتے بتاتے تھک جائیں ۔

میر صاحب ۔ یہ سب سوسائٹی کا اثر ہے اور کچھ نہیں ۔

اُستاد ۔ کیا فرمایا ؟ پھر ارشاد ہو ۔

میر صاحب ۔ بدنصیبی سے پھر انگریزی لفظ منہ سے نکل گیا ۔ یہ سب صحبت کا اثر ہے ۔

اُستاد ۔ اب سمجھا ۔ خیر، اہل و عیال تو جناب کے ہمراہ وہیں رہتے ہوں گے ؟

میر صاحب ۔ آہ اہل کہاں، عیال ہیں ۔ جب سے وائف کی ڈیتھ ہوگئی سخت تکلیف کا سامنا ہے ۔

اُستاد ۔ کس کی کیا ہوگئی ؟ پھر کہیئے ؟

میر صاحب ۔ زوجہ کا انتقال ہو گیا، سخت پریشان ہوں ۔
اُستاد ۔ (ہنس کے) آپ مجبور ہیں ، واقعًا عادت ہو گئی ۔
میر صاحب ۔ (شرما کے) کیا عرض کروں ، چاہتا ہوں نہ بولوں مگر بول جاتا ہوں ۔
اُستاد ۔ اگر انسان کوشش کرے اور عادت نہ ڈالے تو کبھی انگریزی لفظ یا غیر فصیح لغت نہ بولے گا ۔
میر صاحب ۔ یہ بالکل درست فرمایا ۔ عادت بڑی ظالم چیز ہے ۔
اُستاد ۔ تو مرحومہ کے انتقال سے آپ کو سخت تکلیف ہو گئی ہو گی ؟
میر صاحب ۔ کیا عرض کروں ۔ بچّوں کو کنٹرول کرنا عورت ہی کا کام ہے ۔
اُستاد ۔ کیا چیز ؟
میر صاحب ۔ مجھ بدنصیب کے مُنہ سے (کنٹرول) کا لفظ پھر نکل گیا یعنے (قابو پانا) ۔
اُستاد ۔ یہ کہیئے ۔ اب سمجھانے سے سمجھ میں آیا ۔
میر صاحب ۔ پھر ڈیوٹی کی دشواریاں ۔
اُستاد ۔ اس لفظ کے معنے تو خیر سُنتے سُنتے میں بھی سمجھ گیا ہوں ۔
میر صاحب ۔ (سر جھکا کے) واللہ کوشش کروں گا کہ یہ عادت نہ رہے ۔
اُستاد ۔ اب مشکل ہے ۔ جناب تعشق رہ کا شعر ہے ؎

اب اگر تخفیف ہوتی ہے تو گھبراتا ہوں میں درد دل اتنے دنوں سے ہے کہ عادت ہو گئی

میر صاحب ۔ بیشک یہی بات ہے ۔ انتہائی کوشش کرتا ہوں اور تقریر کو شارٹ کرتا ہوں کہ انگریزی لفظ مُنہ سے نہ نکلے مگر بول جاتا ہوں ۔
اُستاد ۔ غالبًا ایک لفظ اور بولے اور وہ (شارٹ) اس کے کیا معنے ہیں ؟
میر صاحب ۔ (مختصر) کیا کروں حضور، مجبور ہوں ۔
اُستاد ۔ اب اُردو زبان کا اپنی حالت پر باقی رہنا دشوار معلوم ہوتا ہے ۔ جناب ، لکھنؤ کے

عربی تعلیم یافتہ، عربی لباس والے برابر انگریزی الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ کیا کروں خون کے گھونٹ پی کے رہ جاتا ہوں۔ آپ تو خیر انگریزی پڑھے ہوئے ہیں، اے صاحب وہ لوگ جن کو یہ نہیں معلوم کہ انگریزی کی دُم کدھر ہے وہ آپ کی طرح گفتگو کرتے ہیں۔ میں تو اُس وقت تک زندہ نہ رہوں گا، جو جیے گا وہ دیکھے گا کہ کچھ عرصے کے بعد اُردو کا لفظ ملنا دشوار ہو جائے گا۔ کیونکہ جب انگریزی لغات سے کان آشنا ہو جائیں گے اور اپنے لغات زیر استعمال نہ رہیں گے تو اجنبیت سی ہو جائے گی۔ نتیجے میں اُردو کا خاتمہ ہو جائے گا۔ سُنا ہے کہ لوگ بہت کوشش کر رہے ہیں کہ اُردو زبان مٹنے نہ پائے۔ اس کا خیال کوئی نہیں کرتا کہ ان چیزوں کی اصلاح کرے۔ سب سے بڑے اُردو کے دشمن تو وہی ہیں جو اُردو کے لغات، و محاورات ترک کر کے انگریزی بولتے ہیں۔ اے جناب اب حد یہ پہونچی ہے کہ منبرِ رسولؐ پر ذاکرین و واعظین انگریزی الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جناب سلمان کو علیؑ نے مدائن کا (گورنر) کر کے بھیجا تھا۔ افسوس صد ہزار افسوس۔

میر صاحب۔ جو کچھ جناب فرما رہے ہیں سب بجا ہے، درست ہے۔ میں تو جناب قسم کھاتا ہوں کہ انتہائی کوشش سے اس عادت قبیح کو ضرور ترک کروں گا۔

استاد۔ جناب اگر کوشش کریں گے تو یہ عادت ضرور چھوٹ جائے گی۔ مجھے دیکھیے تقریباً ستر سال کی عمر ہے۔ آج تک قسم کھانے کو انگریزی لفظ زبان پر نہیں لایا۔ جہاں دوسرا لفظ ہی نہیں وہاں مجبوری و بکراہت بول جاتا ہوں جیسے ٹکٹ، اسٹیشن وغیرہ۔ کیا کروں۔

میر صاحب۔ بجا ہے، درست ہے۔ آپ کے دم سے زبان کی بقا ہے۔

اُستاد نے خاصدان آگے بڑھایا، میر صاحب نے پان کھا کے اجازت طلب کی۔ استاد نے معافی چاہی۔

میر صاحب۔ جناب کیا باتیں کرتے ہیں۔ معافی کیسی۔ آپ نے سبق دیا ہے۔ پھر انشاء اللہ تعالیٰ حاضر ہونگا۔ (یہ کہہ کے کھڑے ہو گئے)۔

اُستاد نے کھڑے ہو کے رخصت کیا کہ مولانا غزل لے کے آگئے۔ سلام علیکم۔

اُستاد۔ علیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

مولانا سامنے بہ ادب دوزانو بیٹھ گئے۔

اُستاد۔ کہیے غزل کہی؟ میں تو منتظر تھا کہ آپ آتے ہوں گے۔

مولانا۔ جی ہاں، عرض کی ہے۔ آجکل سوائے غزل کے کوئی فکر نہیں (یہ کہہ کے غزل نکال کے نہایت تہذیب کے ساتھ پیش کی۔

اُستاد نے غزل پہ ایک نظر ڈالنے کے بعد واپس کردی۔ اور کہا کہ آپ پڑھتے جائیے میں سُنتا جاؤں۔

مولانا نے غزل کھولی اور مطلع پڑھا۔

اصلاح نمبر ۲۰

غزل مولانا

مطلع

آپ کی شرطِ جفا کب ہمیں منظور نہیں — ~~جو ٹھہر جائے~~ (آہ کھینچے تو) ہمارا دلِ رنجور نہیں

اُستاد۔ مطلع غنیمت ہے۔ (جو ٹھہر جائے) کا ٹکڑا بیکار ہے۔ لہٰذا (آہ کھینچے تو) بنا لیجئے۔

مولانا نے بہت خوب کہہ کے لکھ لیا۔

شعر نمبر ۲

مجھ کو خاموش کیا شمع صفت یہ کہہ کے — بات کرنے کا ~~یہاں~~ (مری) بزم میں دستور نہیں

اُستاد۔ بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ آپ پُرانے رنگ کے شعر کہتے ہیں۔ نئے رنگ کی ہوا آپ کو نہیں لگی۔ (یہاں) کی جگہ (مری) بنا دیجیے۔

مولانا۔ سب حضور کا فیض ہے۔ (یہ کہہ کے لفظ لکھ لیا)۔

شعر نمبر ۳

مر گیا منزلِ الفت کا مسافر تھک کے — دل ~~بہ افراط یہ~~ (بڑا یہی) کہتا رہا اب دُور نہیں

اُستاد۔ تعلیمی اثر ابھی باقی ہے۔ (بہ افراط) کا ٹکڑا ثقیل ہے زبان نرم کیجئے۔ (دل بہ افراط یہ کہتا رہا) کے بجائے (دل برابر یہی کہتا رہا) لکھ دیجیے۔

مولانا نے بہت خوب کہہ کے مصرع کاٹ کے نیچے لکھ لیا۔

شعر نمبر ۴

باغ میں برق کا رہ رہ کے مری سمت ہے رُخ — آگ لگ جائے نشیمن میں تو کچھ دُور نہیں

اُستاد۔ رہنے دیجیے۔

مولانا۔

شعر نمبر ۵

قصۂ ہجر سنو ~~تم~~ اب تو سنائے تمھیں کون — بات کرنے کے بھی قابل دلِ رنجور نہیں

اُستاد۔ یہ بھی غنیمت ہے۔ صرف (تم) کو کاٹ کے (اب) لکھ لیجیے۔

مولانا نے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ لکھ لیا۔

شعر نمبر ۶

تم سے امید نہیں اُن سے ہو امید وصال — تم سے بہتر کوئی جنت میں مگر حور نہیں

اُستاد۔ یہ شعر بھی رنگِ قدیم کو لیے ہوئے ہے۔ ماشاء اللہ اب آپ اچھا کہنے لگے چند روز میں اصلاح کی ضرورت نہیں رہے گی۔ اور پڑھیے۔

مولانا نے بہت ادب سے سلام کیا اور کلمات انکسار کہے۔

شعر نمبر ۷

زخمِ دل تم نے ~~نہ افسوس ہے~~ نظر بھر کے نہ دیکھا اب تک — خون روتا ہے یہ رستا ہوا ناسور نہیں

اُستاد۔ (نہ افسوس ہے) کی جگہ (نظر بھر کے نہ) بنا لیجیے۔

مولانا نے بہت خوب کہہ کے لکھ لیا۔

شعر نمبر ۸

اس قدر پی ہے کہ لے تاب جو برسوں نہ پیوں — دیکھنے والے یہ سمجھیں گے کہ مخمور نہیں

اُستاد۔ کتنا اچھا صَرف مخمور کے لفظ کا آپ نے کیا ہے۔ اپنے صحیح معنے اور محل و موقع کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔ جس چیز کو بڑے بڑے غلط کہہ گئے آپ نے صحیح کہا۔

مولانا۔ حضور نے سمجھایا تھا۔ سب جناب کا فیض ہے۔ میں پہلے نشہ کے معنے سمجھتا تھا۔ درآنحالیکہ واقعاً لغت میں نشہ اُتر جانے کے بعد کی کیفیت کا نام ہے۔

اُستاد۔ شعر اچھا اور بہت اچھا ہے اور پڑھیے۔

مولانا نے پھر سلام ادب کیا۔

شعر نمبر ۹

اوج پر بخت سیہ کا ہے ستارۂ شبِ غم زلف کے قید یہ نجم شبِ دیجور نہیں

اُستاد۔ اچھا کہا۔ پرانی ترکیب، پرانا خیال۔ واہ واہ، دل خوش کر دیا، کیا کہنا۔ اور پڑھیے۔

مولانا نے جھک کے سلام کیا۔

شعر نمبر ۱۰

میں گدائی کو نکلتا پئے نصرت لیکن آج افسوس (ہیہات) کہ جام سر منظور نہیں

اُستاد۔ یہ بھی خوب کہا۔ سبحان اللہ، مگر (افسوس) کا لفظ میری خوشی سے نکال ڈالیے۔ گو کوئی ہرج نہیں ہے۔ (ہیہات) لکھ لیجیے۔ آپ نے غور کیا کہ میں نے لفظ کیوں بدلا؟

مولانا نے قدرے سکوت اختیار کیا۔

اُستاد۔ سُنیے۔ افسوس کا صَرف بھی بیجا نہ تھا میں نے ہیہات کا ٹکڑا صرف اسلیے بڑھا دیا کہ قدیم زمانے کے شعرا رعایت کا بہت خیال رکھتے تھے چونکہ میں قدیم رنگ کا دلدادہ ہوں اسلیے ہمیشہ لفظی رعایت کی پابندی کرتا ہوں۔ چونکہ گدائی کرنے والے کوئی نہ کوئی ظرف لے کے نکلتے ہیں اور ظرف ہاتھ میں رہتا ہے۔ ہیہات کے معنے افسوس کے بھی ہیں اور ہاتھ کا لفظ بھی آ گیا اسی کو رعایت کہتے ہیں۔

مولانا۔ جناب نے خوب لفظ رکھا، بیشک زور پیدا ہو گیا۔

اُستاد۔ اور پڑھیے۔ آج آپ کو تاخیر بھی ہو گئی ہے۔

مولانا۔

شعر نمبر ۱۱

انھیں دو صورتوں میں کوئی ہے صورت شبِ غم یا مری آنکھ میں یا چاندنی میں نور نہیں

اُستاد۔ اچھے اچھے شعر آج آپ سُنا رہے ہیں۔ عنقریب آپ کو اصلاح کی ضرورت نہیں رہے گی۔

شعر نمبر ۱۲

حُسنِ محبوب کا جلوہ ہے یہ موسیٰ بخدا آپ کس خواب میں ہیں برقِ سرِ طور نہیں

اُستاد۔ یہ بھی شعر خوب ہے اور بہت صاف ہے۔

مولانا نے سلام کر کے۔

شعر نمبر ۱۲

لاش اُٹھ جائے اگر روح رہے زنداں میں کب خوشی آپ کے پابند کو منظور نہیں

اُستاد۔ پہلا مصرع سست ہے۔ دوسرا مصرع زیادہ اچھا ہے، رہنے دیجیے۔

شعر نمبر ۱۳

وہ لگا تیر کہ دونوں پہ اثر پڑ جائے قدر انداز جہاں دل سے جگر دور نہیں

اُستاد۔ پہلا مصرع اچھا نہیں۔ بلکہ لگا نہیں۔ یوں بدل دیجیے تو زور پیدا ہو جائے گا ؎

ایک ہی تیر سے دونوں کو اُڑا دے لِلّٰہ قدر انداز جہاں دل سے جگر دور نہیں

مولانا۔ سبحان اللہ کیا بات ہے۔ اب شعر شعر ہو گیا۔ بہت خوب کہہ کے مصرع لکھ دیا۔

شعر نمبر ۱۴

دیکھنے آتے ہیں وہ مشقِ ستم اپنی روز چارہ گر زخم کا بھرنا مجھے منظور نہیں

اُستاد۔ خیال تو بہت گہرا اور پاکیزہ آپ نے نظم کیا مگر جس طرح چاہیے تھا نظم نہ ہو سکا۔ مصرع اولیٰ میں (مشقِ ستم اپنی روز) کا ٹکڑا پھیکا سا ہے۔ یوں بدلیے ؎

دیکھنے آتے ہیں ہاتھوں کی صفائی کو وہ روز چارہ گر زخم کا بھرنا مجھے منظور نہیں

مولانا۔ بہت خوب اصلاح فرمائی، بیشک زور پیدا ہوگیا۔

شعر نمبر ۱۶

عاشقو ہے ہوسِ دید تمھیں اے توبہ ۔۔۔ سامنے آئے شہِ حسن یہ دستور نہیں

اُستاد۔ یہ تو قدیم تخئیل کے ماتحت آپ نے شعر کہا ہے۔ بڑی بات یہ ہے کہ آپ نے حفظِ مراتب کا بہت خیال رکھا ہے۔ بیشک حق بات کہی۔

مولانا۔ آداب بجالاتا ہوں، حضور کا فیضِ صحبت ہے۔

شعر نمبر ۱۷

یہ بھی اک دُھن ہی جو ہے عشق کی دُنیا میں قیام ۔۔۔ ورنہ کیا جان سے دینے کا بھی مقدور نہیں

اُستاد۔ مصرع مناسب نہیں لگا۔ (دُھن) کا لفظ بیکار۔ میرے سامنے مصرع بدلیے۔

مولانا۔ (دیر تک غور کرکے)۔ حضور عرض کیا ہے۔

وضعداری ہے جو ہے عشق کی دنیا میں قیام

اُستاد۔ اب مصرع لگا۔ دوسرا مصرع لفظ وضع کا محتاج تھا۔ میں خود بھی سوچ رہا تھا۔ ماشاءاللہ مصرع خوب لگایا۔

مولانا۔ (سلام کرکے) حضور کی اصلاح کی بدولت۔

شعر نمبر ۱۸

جب گنا ہوں یہ ہی مالک مجھے قدرت ممکن ۔۔۔ کیا تجھا ایسے کو بحل کرنے کا مقدور نہیں

اُستاد۔ (ممکن) کی جگہ (حاصل) بنائیے۔ شعر رہنے دیجیے غنیمت ہے۔

شعر نمبر ۱۹

~~آہ کی آندھی اُٹھے اور رہے دل باقی ۔۔۔ جو نہ اُڑ جائے ہوا کا تیہی کافور نہیں~~

اُستاد۔ شعر کاٹ دیجیے خاص بات نہیں۔ آج کتنے شعر کی غزل لائے ہیں؟

مولانا۔ اکیس شعروں کی غزل عرض کی ہے۔

اُستاد - ابھی بہت شعر کہہ لیے - زیادہ شعر کہنے سے مشق بڑھتی ہے - اور پڑھیے -

مولانا - جناب بجا فرماتے ہیں، بالکل درست ہے -

شعر نمبر ۲۰

کہہ کے یہ اُٹھ گیا دنیا سے مریضِ شبِ ہجر ہم بھی جاتے ہیں جو آنا تمھیں منظور نہیں

اُستاد - شعر اچھا ہے رہنے دیجیے -

مقطع

شعر نمبر ۲۱

کہتی ہے بٹ کے شعار آج زبانِ اُردو ابتو اقلیم سخن میں کوئی دستور نہیں

اُستاد - مجھے غزل بھر میں یا ایک شعر پسند آیا تھا - یا یہ مقطع سچ کہا ہے - یہی بات ہے -

دلچسپ معلومات نمبر ۲۰

مولانا نے جھک کے اصلاح کا سلام کیا، غزل تہ کر کے جیب میں رکھی - اِدھر اُدھر کی دو چار باتوں کے بعد اجازت لے کے رخصت ہو گئے - اُستاد نے الہ آباد کا آیا ہوا خط نکالا - دوبارہ اسلیے پڑھا کہ سوالات یاد نہیں رہے تھے - از اوّل تا آخر نظر ڈالی -

سوالات

۱ - شادی بیاہ کے موقع پر یا کسی تقریب خوشی کے محل پر دھوم کا لفظ بولا جاتا ہے - جیسے دھوم سے برات نکلی - کیا تقریب غم میں بھی دھوم کا لفظ استعمال ہوتا ہے - جیسے جنازہ یا ماتم کے ساتھ دھوم بولا جاتا ہو - اور دھوم کس زبان کا لفظ ہے ؟

۲ - الزادی کی وجہ تسمیہ کیا ہے - فصیح ہے یا نہیں کسے کہتے ہیں ؟ بالتشریح جواب مرحمت ہو -

۳ - مِٹّی بکسر میم فصیح ہے یا مَٹّی بفتح میم - یا ماٹی فصیح ہے ؟ مع مثال جواب مرحمت ہو -

۴ - محراب سنانا - یہ محاورہ کہاں تک صحیح ہے ؟ اس کے معنے کیا ہیں ؟ مع شواہد جواب عنایت ہو -

۵ - ملائی فصیح ہے یا بالائی ؟

۶ - ڈانٹ - مذکر ہے یا مؤنث ؟

۷ - کیا یہ صحیح ہے کہ اگر لفظ ایک رہے اور معنے بدلتے جائیں تو قافیہ صحیح ہوگا ؟ مع مثال جواب مرحمت ہو۔

۸ - کشتی کھینا - یہ محاورہ رائج ہے یا نہیں ؟

بعد القاب و آداب، جواب بالتشریح لکھنا شروع کیا ۔

جوابات

۱ - دھوم کا لفظ عام ہے - تقریب خوشی اور تقریب غم دونوں میں بولا جاتا ہے ۔

خوشی کے موقع کی مثال

جنت مکان، شاہِ اودھ حضرت واجد علی شاہ بہادر مرحوم کا شعر ہے ؎

گلِ تازہ آتا ہے گلزار میں   اُٹھی دھوم یوسفؑ کی بازار میں

تقریبِ غم کے محل کی مثال

امیر مینائی کا شعر ؎

اٹھوائیے نہ میرے جنازے کو دھوم سے   مرنے کے بعد کیا حشم و جاہ سے غرض

لفظ ماتم کے ساتھ دھوم کا صرف ۔

داغ کا شعر ہے ؎

بعد میرے روئے گا سارا زمانہ دیکھنا   دھوم سے ہوگا مرا ماتم تمہارے سامنے

دونوں مذکورالصدر طریقوں سے استعمال صحیح ہے - کوئی کلام نہیں ۔

اب یہ کہ دھوم کس زبان کا لفظ ہے ؟ دھوم درحقیقت ہندی زبان کا لفظ ہے جس کے معنے دھویں کے ہیں - مثال ایک ہندی والے کا مقولہ

دھوموسیتے سچ کر دائی   اگر پرسند سگند پپائی

معنے یہ ہیں کہ دھواں تج دیتا ہے سہل سے اپنی کڑواہٹ کو اگر خوشبودار شئے سے مل جاتا ہے۔

اہلِ ہند نے مختلف طریقوں سے اس لغت کا استعمال کیا ہے :۔

دھوم ہونا ۔ داغ

اُردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

دھوم مچانا ۔ داغ

ہلا رہی ہیں فلک عاشقوں کی فریادیں یہ تو نے دھوم مچائی ہے دلستاں کیسی

دھوم ڈالنا ۔ اسیر لکھنوی

دھوم ڈالی ہے عجب نالہ سوزاں نے مرے گھر جلے آگ لگی ہے یہ پکار آج کی رات

دھوم پڑنا ۔ میر حسن

ہوا گم وہ یوسف پڑی یہ جو دھوم کیا خادمانِ محل نے ہجوم

دھوم اُٹھنا ۔ حضرت واجد علی شاہ بہادر شاہ اودھ اختر

گُلِ تازہ آتا ہے گلزار میں اُٹھی دھوم یوسف کی بازار میں

ازیں قبیل اور استعمالات ہیں ۔ چونکہ موضوع سے یہ بحث خارج ہے اس لیے بنظر اختصار ترک کرتا ہوں ۔

دھوم کا لفظ سامان و شہرت کے معنے میں اُردو کا بھی ہے ۔ بہت قدیم لغت ہے ۔ اس کی عمر ڈھائی سَو سال سے کم نہیں ۔ سب سے پہلا شعر جس میں دھوم کا لفظ صَرف کیا گیا وہ قدرت موسوی ایرانی کا ہے ۔ یہ عہدِ اورنگ زیب میں تھے ۔ ایرانی شاعر اُردو میں شعر کہتا ہے :۔

از زلفِ سیاہ ہے تو بدل دوم پڑی ہے در خانۂ آئینہ گتا جوم پڑی ہے

دھوم کو اپنے تلفظ کی مجبوریوں سے (دُوم) ۔ گھٹا کو (گتا) جھوم کو (جوم) صرف کیا ہے ۔

۳ ۔ مالزادی ۔ فاحشہ ، بدکار عورت کو کہتے ہیں ۔ چونکہ بازاری عورت کی نظر ہمیشہ دولت پر رہتی ہے اسلیے مالزادی کہا ۔ دوسری بات یہ کہ اس کی ماں بھی چونکہ فاحشہ تھی اور ہر کس و ناکس

ماں کی خواہاں رہتی تھی اسلیے یہ لڑکی مالزادی ہوئی یعنے ماں کے ذریعہ سے جنی ہوئی - چنانچہ شوق لکھنوی کا شعر ہے ؂

مالزادی یہاں نہیں کوئی　　جو کرے تم سے گریباں کوئی

لفظ غیر فصیح - فصحاء لکھنؤ گالی سمجھتے ہیں - جس کو کہا جاتا ہے وہ گالی سمجھتی ہے -

۳ - مِٹی بکسر میم فصیح - فصحاء لکھنؤ یہی بولتے ہیں - مَٹی بفتح میم بازاری، دیہاتی لوگ بولتے ہیں - یہ غیر فصیح ہے - یاد نہیں، کسی کا شعر ہے ؂

تو بھی کمبخت ہے بڑا ہٹی　　مفت اپنی خراب کی مَٹی

قافیہ بتاتا ہے کہ مَٹی بفتح میم نظم ہوا ہے مگر فصاحت اسی میں ہے کہ مِٹی بکسر میم بولا جائے آج سے ڈیڑھ سو سال قبل ماٹی بھی فصیح تھا - مگر اب صرف دیہاتی بولتے ہیں جو موجودہ دور کے لحاظ سے بالکل غیر فصیح -　　سودا

ماٹی کی مورت بناوے ہے کمہار　　کوئی بدصورت کوئی ہے تاجدار

۴ - محراب سنانا - حضرات اہلسنت کی خاص اصطلاح ہے - چنانچہ جو شخص اس قدر کلام پاک یاد کرے کہ (تراویح) میں امام جماعت بن کے قرآن مجید زبانی پڑھے تو کہتے ہیں کہ فلاں قاری محراب سنانے لگا یعنے اس قابل ہو گیا کہ تراویح میں روانی کے ساتھ پڑھ سکے - یہ محاورہ ایک کتاب میں میری نظر سے گزرا جس کا نام (تذکرہ علماء فرنگی محل) تھا جس کے مؤلف مولوی عنایت اللہ صاحب انصاری فرنگی محلی افسر مدرس مدرسہ نظامیہ - انھوں نے کتاب کے صفحہ ۱۶۱ پر تذکرہ مولوی غلام محی الدین بن غلام مرتضیٰ صاحب کیا ہے ذکر کرنے میں یہ محاورہ صرف کیا ہے - عبارت بجنسہ خط میں نقل کرتا ہوں -

عبارت کتاب

اور حیدرآباد میں وکالت شروع کی - ہزاروں کیا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ لاکھوں روپیہ پیدا کیا فیاض اس قدر تھے کہ کسی سائل کو کبھی خالی واپس نہیں کیا - اسی وجہ سے کبھی معمولی سرمایہ بھی

آپ جمع نہ کر سکے۔ آخر عمر میں قرآن شریف بھی حفظ کر لیا تھا متعدد مرتبہ (محراب بھی سنائی)
آخر میں وکالت ترک کر کے لکھنؤ میں سکونت اختیار کی۔ رجب ۱۳۴۵ھ میں بمرض فالج انتقال کیا۔
یہ محاورہ صرف حضرات اہلسنّت تک محدود ہے۔ عمومیت حاصل نہیں۔ عوام وخواص لکھنؤ
اکثر و بیشتر ناواقف ہیں۔

۵۔ ملائی۔ آج سے پچاس سال قبل بہت کثرت سے فصحا وغیر فصحا بولتے تھے اور
ابتک پرانے وقت کے لوگ بجائے بالائی کے ملائی بولتے ہیں۔ چنانچہ رنگین کا شعر ہے ؎

کھانا کھایا تھا میں نے اُس نے کہاں   اور منگوائی تھی ملائی کب

لیکن موجودہ دَور میں بالائی زیادہ بولتے ہیں ملائی بہت کم۔ زمانے کے لحاظ سے اب بالائی فصیح ہے۔

۶۔ ڈانٹ۔ مؤنث ہے۔ صرف چند آدمیوں کو میں نے اپنی عمر میں مذکر بولتے سُنا۔
میرے نزدیک مؤنث فصیح ہے۔

امیرمینائی

میں وہ بدمست وحشی ہوں جو میرا دست رس چلتا   بناتا بوتلوں کی ڈانٹ واعظ کے گریباں کو

اس سے بھی پتہ چلا کہ مؤنث ہے۔

۷۔ بیشک اگر لفظ ایک رہے اور معانی بدلتے جائیں تو قافیہ درست ہو گا۔ کیونکہ مدارِ قافیہ
زیادہ تر معانی پر ہے۔ کسی کا قطعہ ہے

الٰہی عاصیم استغفر اللہ   توئی فریاد رس الحمد للہ

ندارم ہیچ گو نہ توشۂ راہ   بجز لا تقنطو من رحمۃ اللہ

دیکھیے تینوں مصرعوں میں اللہ ہی اللہ قافیہ ہے مگر بحیثیت مجموع ہر جگہ معانی بدلتے گئے اسی لیے
جائز قرار دیا گیا۔

جناب رشید لکھنوی مرثیہ گو کا ایک بند ہے جس کے اوپر کے چاروں مصرعوں میں ایک قافیہ
بدلی ہے۔ مگر ہر جگہ معانی بدلتے گئے لہذا جائز۔ ہر شخص ایسا ہی کہہ سکتا ہے۔

۸۔ کشتی کھیلنا۔ یہ محاورہ رائج الوقت لکھنؤ نہیں۔ پٹا کھیلنا۔ جوا کھیلنا وغیرہ وغیرہ تو صرف ہے لیکن کشتی کھیلنا صرف نہیں۔ کشتی لڑنا۔ کشتی مارنا۔ کشتی نکالنا۔ کشتی جیتنا۔ کشتی ہارنا۔ کشتی کھولنا۔ کشتی پکانا۔ کشتی بدنا۔ کشتی ہونا۔ کشتی سیکھنا۔ کشتی کھانا وغیرہ سب صحیح صرف ہیں اور ان کا صرف موجود ہے لیکن کشتی کھیلنا غیر فصیح۔ غالباً کسی زمانے میں یہ محاورہ بولا جاتا تھا جیسا کہ حضرت سودا کے شعر سے پتا چلتا ہے۔

مرزا جی میں بھی کشتی کھیلوں گا   اس اکھاڑے میں ڈنڈ پیلوں گا

جملہ جوابات حاضر خدمت ہیں۔ خدا سے امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے۔ خدا کا فضل ہے کہ اب بخیریت ہوں آیندہ اگر ضرورت ہو یا شکوک پیدا ہوں تو آپ دریافت فرما سکتے ہیں۔ فقط

الراقم غیر معروف

خط لفافے میں رکھ کے پتہ لکھ کے ملازم کو دے کے روانہ کیا۔ سات روز تک برابر شغلہ تحقیق جاری رہا کہ صبح کو نواب صاحب اپنی غزل لے کے آگئے اور سلام ادب کیا۔

اُستاد۔ تسلیم۔ آئیے۔ میں خیال کر رہا تھا کہ آج تاخیر کیوں ہوئی۔

نواب سلام کر کے بیٹھ گئے اور عرض کیا کہ حضور ایک صاحب تشریف لے آئے تھے۔

اُستاد۔ کوئی ہرج نہیں، غزل پڑھیے اصلاح دیدوں۔

نواب۔ بہت خوب (یہ کہہ کے غزل جیب سے نکالی اور مطلع پڑھا)۔

اصلاح نمبر۳

غزل نواب

مطلع نمبر۱

~~آپ کا تیرِ نظر معلوم ہے کیا ہوگیا~~ ~~فکر سے بیکار~~ وہ دل کی تمنا ہوگیا
ہم بتا دیں آپ کا تیرِ نظر   ڈھونڈتا بیکار ہے

اُستاد۔ پہلے مصرع میں (معلوم ہے) کے ساتھ استفہام خاص فائدہ نہیں دیتا۔ وہ شوخی جو

مصرع میں ہونا چاہیے، نہیں ہے - اسی طرح دوسرے مصرع میں فکر کا لفظ بیکار ہے - آپ اور تو سب قرینے سے کہنے لگے - ابھی آپ کو الفاظ نہیں ملتے - خیر، یوں لکھیے ؎

ہم بتادیں آپ کا تیرِ نظر کیا ہوگیا ڈھونڈنا بیکار ہے دل کی تمنا ہوگیا

نواب - واللہ مطلع خوب ہوگیا - بیشک سستیِ نظم تھی -

مطلع نمبر ۲

تم نے مارا تیر جینے کا سہارا ہوگیا پہلے سے زخمِ جگر کچھ اور پیارا ہوگیا
(اچھا)

اُستاد - اب آپ کے یہاں یہ معمولی عیوب نہ ہونا چاہیے - پہلا مطلع بے قید، دوسرا مطلع قید میں، اسکے کیا معنے ؟

نواب - (دانتوں کے نیچے زبان دباکے) بیشک حضور مسئلہ یاد تھا مگر بمقتضائے بشریت غلطی ہوگئی -

اُستاد - اسی سے جناب رشید لکھنوی کا مقولہ ہے کہ عمر بھر شاعر کو ایک سنبھالنے والے کی ضرورت ہے - یہ بھی فرماتے تھے کہ میرے چچا حضرت عشق رح کا انتقال ہوگیا، مجبور ہوں، مرثیہ یا غزل کس کو دکھاؤں - اگر زندہ رہتے تو عمر بھر کلام دکھاتا - واللہ منبر پر پڑھتے ڈرتا ہوں - اے جناب پہلے مطلع میں (کیا) اور (تمنا) - دوسرے مطلع میں (سہارا) اور (پیارا) قافیے ہیں - پہلا مطلع اسلیے صحیح ہے کہ آپ کی غزل بغیر قید (را) ہے - جب غزل بے قید ہے تو قید کے ساتھ مطلع نہ ہونا چاہیے - میں آپ کو شاید سمجھا بھی چکا ہوں -

نواب - میں سمجھے ہوئے ہوں لیکن افسوس یہ ہے کہ دھوکا کھا گیا - آیندہ ضرور احتیاط کروں گا -

اُستاد - دوسرے مصرع میں (پیارا) کی جگہ (اچھا) کردیجیے - اب قید نکل جائیگی - اور پڑھیے -

نواب نے لکھ لیا اور دیر تک سکوت کے عالم میں لطف اصلاح لیتے رہے -

مطلع نمبر ۳

آنے والے جی اُٹھے ارمان یہ کیا ہوگیا بس ٹھہر جا قبر میں اک حشر برپا ہوگیا

اُستاد - رہنے دیجیے، غنیمت ہے - اور پڑھیے -

شعر نمبر ۴

آ کے ~~مُردے~~ پر مرے کہتے ہیں وہ کس یاس سے ~~زندگی سے مر کے بیمار~~ اچھا ہوگیا
بالیں مر کے بیمارِ محبت آج

اُستاد۔ پہلے مصرع میں (مُردے) کی جگہ (بالیں) بنائیے۔ دوسرا مصرع یوں کیجیے اور پڑھیے۔

مر کے بیمارِ محبت آج اچھا ہوگیا

نواب نے موافق حکم لکھ لیا۔ اور شعر بلند ہو جانے سے خوش ہوئے۔

شعر نمبر ۵

اس قدر صحرا نوردی نے کیا مجھ پر اثر ~~پھول میرے واسطے جنگل میں~~ کانٹا ہوگیا
گل جو ہاتھ آیا بھی قسمت سے تو

اُستاد۔ دوسرا مصرع یوں کیجیے۔

گل جو ہاتھ آیا بھی قسمت سے تو کانٹا ہوگیا

دیکھیے اب زور پیدا ہوا یا نہیں۔۔ اور پڑھیے۔

نواب۔ جی، بہت زور ہوگیا۔ کیا کہنا۔

شعر نمبر ۶

نیند کا دھوکا ہوا تن سے چلی میری جو روح چارہ گر سمجھے مریضِ ہجر اچھا ہوگیا

اُستاد۔ (تن سے چلی میری جو روح) کے معنے یہ پیدا ہوتے ہیں کہ جب میرا دَم نکلنے لگا تو چارہ گر سمجھے کہ اچھا ہوگیا۔ یہ آپ کا مطلب نہ ہونا چاہیے بلکہ مقصود مرنے پر دھوکا ہوا۔ اب آپ میری تقریر کے بعد مصرع خود درست کیجیے۔

نواب۔ (سکوت کے بعد) حضور مصرع بدل دیا۔

نیند کا دھوکا ہوا نکلی جو تن سے میری روح چارہ گر سمجھے مریضِ ہجر اچھا ہوگیا

اُستاد۔ خوب بدلا۔ اور پڑھیے۔

نواب نے سلام کیا اور کلماتِ انکسار کہے۔ شعر نمبر ۷

~~حال~~ اشکِ غمِ فرقت کروں کس سے بیاں آنکھ سے ٹپکا گر اک آنسو تو دریا ہوگیا
وسعت

اُستاد - شعر اچھا ہے، صرف ایک لفظ کی ضرورت ہے جس کے بغیر شعر نامکمل ہے - (حالت) کا لفظ مطلب ادا نہیں کرتا اسی وجہ سے مصرع نہیں لگا - یہاں (وسعت) کا لفظ بنائیے - اب دیکھیے کہ مصرع لگا یا نہیں - (آنسو کا دریا ہونا) بغیر لفظ (وسعت) کے ناممکن - ان چیزوں کو ضرور غور کرتے رہا کیجیے تحصیل علم عروض اور تحقیق لغات آپ اپنی جگہ سب کچھ کر سکتے ہیں - لیکن اسکا بتانے والا سوائے میرے دوسرا نہ ملے گا - اور پڑھیے -

نواب - بیشک حضور بجا فرماتے ہیں - خدا حضور کو زندہ رکھے -

شعر نمبر ۸

دیکھنے آتے ہیں مجھ کو روز اب وہ شوق سے   بڑھ کے زخم دل مرا کچھ اور اچھا ہو گیا

اُستاد - رہنے دیجیے - اور پڑھیے -

نواب -

شعر نمبر ۹

~~تھک گیا میں تو مگر اللہ رے شوق وصال~~   چھوڑ کے مجکو سوئے منزل روانہ ہو گیا

تھک کے میں بیٹھا مگر بیٹھا نہ دل

اُستاد - خبر غائب - کون چھوڑ کے روانہ ہو گیا یہ پتہ نہ چلا - سمجھ کے کہتے کہتے بے سمجھے کہنے لگے ؟

نواب - دل -

اُستاد - (المعنی فی بطن الشاعر) کا مصداق یہ شعر ہے - یوں بنائیے - اور آئندہ بہت غور کر کے اپنے کلام پہ خود اصلاح دے کے لایا کیجیے ؎

تھک کے میں بیٹھا مگر بیٹھا نہ دل اللہ رے شوق   چھوڑ کے مجکو سوئے منزل روانہ ہو گیا

اب شعر شعر ہوا - آپ نے پہیلی بجھائی تھی - اور پڑھیے -

نواب - (شرمندہ ہو کے) درست ہے ۔

شعر نمبر ۱۰

میں وہ مجنوں ہوں اثر دیوانگی کا ساتھ ہے ؎   جب قدم رکھا سر گلزار صحرا ہو گیا

اُستاد - شعر اچھا ہے، صاد بنائیے - اور پڑھیے -

نواب - شعر نمبر ۱۱

تیر چٹکی سے چھٹا جس وقت اُن کی یاد ہے — پھر سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ دل کیا ہوگیا

اُستاد - پہلا مصرع بہت سست ہے، تھوڑی تعقید بھی ہے۔ خود مصرع صاف کیجیے۔

نواب - (تھوڑی دیر کے بعد) عرض کروں؟

اُستاد - پڑھیے اور ضرور پڑھیے۔

نواب -

تیر کا چٹکی سے اُن کی چھوٹنا تو یاد ہے — پھر سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ دل کیا ہوگیا

اُستاد - ہاں، یہ مصرع خوب بدلا۔ بہت اچھا شعر ہوگیا۔ ماشاءاللہ۔ اور پڑھیے۔

نواب نے کھڑے ہو کے سلام کیا۔

شعر نمبر ۱۲ مقطع

دیکھتے ہیں وہ محبت کی نظر سے اے امید — تم بھی اب خوش ہو کہ مرنے کا سہارا ہوگیا

دلچسپ معلومات نمبر ۲۱

اُستاد - شعر غنیمت ہے۔ ذرا غزل کہنے کے بعد خود بھی اصلاح دے لیا کیجیے۔ اب آپ کہنے لگے۔ اور اچھا کہنے لگے۔ آج مجھے معلوم ہوا کہ میری محنت کا ثمرہ اچھا ہوگا۔ عنقریب آپ کو اصلاح کی ضرورت نہ رہے گی۔

نواب - خدا حضور کو زندہ رکھے اور ہم لوگ ہمیشہ آپ کو غزل دکھاتے رہیں۔ سب تصدق سرکار ہی کا ہے ورنہ ہم لوگوں کی کیا حقیقت ہے۔ مولانا شعار صاحب تشریف لاتے ہیں؟

اُستاد - برابر آٹھویں روز نئی غزل لاتے ہیں، اب وہ بھی اچھا کہنے لگے اور معلومات میں نمایاں اضافہ ہوگیا، اچھے شاعر نکلیں گے۔ آج کے دن آپ اصلاح لینے کے لیے آتے ہیں یعنے ہفتہ کو۔ کل کے دن یعنے اتوار کو مولانا اصلاح لینے آتے ہیں۔ کیا آپ سے اُن سے راہ و رسم نہیں ہے؟

نواب ۔ صرف صاحب سلامت ہے ۔
اُستاد ۔ (صاحب سلامت) نہ کہا کیجیے ۔ اب غیر فصیح ہے ۔ بلکہ "سلامٌ علیک" کہا کیجیے ۔
نواب ۔ بہت خوب ۔ احتیاط کروں گا ۔
اُستاد ۔ کسی دن آپ دونوں کو جمع کر کے تعارف خاص کرا دوں گا تاکہ شاید میرا عراق جانا ہو جائے تو آپ لوگ آپس میں مشورہ کر لیا کریں گے ۔
نواب ۔ جب حضور کا حکم ہوگا حاضر ہو جاؤں گا ۔
اُستاد ۔ انشاء اللہ تعالیٰ وہ وقت قریب آگیا ہے ۔ ہاں یہ تو بتائیے کچھ اور پڑھا ؟
نواب ۔ جی ہاں، پڑھا ہے ۔ یاد بھی ہے ۔
اُستاد ۔ یہ بات تو ضرور ہے کہ آپ جو کچھ پڑھتے ہیں یاد کر لیتے ہیں ۔ اچھا چند سوال کرتا ہوں بتائیے ۔
نواب ۔ ارشاد ہو ۔ اگر یاد ہوں گے تو عرض کروں گا ۔
اُستاد ۔ بتائیے، بحر کے کیا معنے ہیں، اور بحر کو بحر کیوں کہتے ہیں ۔ اختلافات کو وضاحت سے بیان کیجیے ۔
نواب ۔ بحر کے لغوی معنے دریا کے ہیں ۔ اور اصطلاح عروضیین میں ہر طائفہ و پارۂ کلام موزوں کہ جو مشتمل ہو چند انواع شعر پر ۔ یہ مناسبت صرف اسلیے ہے کہ جس طرح دریا مشتمل ہوتا ہے مختلف چیزوں پر مثلاً مرجان، نباتات، حیوانات وغیرہ پر اسی طرح بحر، بحور، عروض میں بھی مشتمل ہوتی ہے چند نوع شعر پر ۔ بعض کا خیال یہ ہے کہ وجہ مشابہت صرف یہ ہے کہ جسطرح انسان دریا میں حیران و پریشان ہوتا ہے اُسی طرح شعر کہنے والا بحروں میں گھر کے تغیرات ارکان وغیرہ سے متحیر و عاجز ہو جاتا ہے ۔ کہ یہ تغیر کیسا ہے، یہ وزن کیا ہے ۔
اُستاد ۔ ماشاء اللہ آپ کو بالترتیب یاد ہے ۔ بتائیے کہ کل زحافات کتنے ہیں اور کون کون ہیں ۔
نواب ۔ کل زحافات ۳۵ ہیں ۔ اور وہ یہ ہیں :۔ اضمار [1] عصب ۔ وقف [2] ۔ خبن [3] ۔

طے[۴] - کف[۵] - قبض[۶] - تشعیث[۷] - قصر[۸] - قطع[۹] - وقص[۱۰] - عقل[۱۱] - نقص[۱۲] - کشف[۱۳] - شکل[۱۴] - حذف[۱۵] - اخذ[۱۶] - صلم[۱۷] - قطف[۱۸] - تسبیغ[۱۹] - اذالہ[۲۰] - ترفیل[۲۱] - جدع[۲۲] - جب[۲۳] - خرم[۲۴] - اثلم[۲۵] - اثرم[۲۶] - اعضب[۲۷] - اقصم[۲۸] - اجم[۲۹] - اخرم[۳۰] - اشتر[۳۱] - اخرب[۳۲] - ابتر[۳۳] - معاقبہ[۳۴] - مراقبہ[۳۵] -

اُستاد - ماشاءاللہ، سب کی تعریفیں بھی یاد ہیں -

نواب - رات رات بھر یاد کرکے حفظ کی ہیں -

اُستاد - برابر یاد کرتے رہیے گا ورنہ زحافات و بحور دو چار دن نہ دیکھنے پر انسان اکثر و بیشتر بھول جاتا ہے دس دن کے بعد اگر آپ سے پوچھوں اور آپ دس دن تک یاد نہ کیے ہوئے ہوں تو ۳۵ کے ۱۵ زحاف مشکل سے بتائیے گا -

نواب - خوب حضور نے بتا دیا، اب روزانہ ایک نظر ڈال لیا کروں گا -

اُستاد - عروضی یہی کرتے ہیں ورنہ بھول جائیں - اچھا بتائیے بحریں کتنی اور کون کون سی ہیں - یعنے شعراء عجم نے کتنی بحروں کو متروک کر دیا ہے اور کتنی بحریں استعمال کی ہیں -

نواب - کل سولہ[۱۶] بحریں ہیں جن میں سے پانچ[۵] بحریں تو شعراء عجم نے بالکل متروک کر دیں - کوئی شعر کہا ہی نہیں - وہ یہ ہیں :-

طویل[۱] - مدید[۲] - بسیط[۳] - وافر[۴] - مقتضب[۵] - اور گیارہ[۱۱] بحروں کو ہمیشہ استعمال کیا یعنے انھیں بحروں میں شعر کہتے رہے وہ یہ ہیں :-

ہزج[۱] - رجز[۲] - رمل[۳] - سریع[۴] - خفیف[۵] - مجتث[۶] - مضارع[۷] - منسرح[۸] - متدارک[۹] - متقارب[۱۰] - کامل[۱۱] - لیکن بحر کامل کو سوائے کامل کے مزاحف استعمال نہیں کیا -

اُستاد - خوب یاد کیا، اب آپ عروضی ہو گئے - سب بحروں کے اوزان یاد ہیں -

نواب - سب نوک زبان ہیں -

اُستاد - میری ایک ہدایت یاد رکھیے گا - عروض سیفی کے بعد حدائق البلاغۃ پر ایک نظر ضرور ڈال لیجیے گا جہاں کہیں شک ہو جناب قاری صاحب سے رفع کر لیجیے گا - بس پھر آپ کو کوئی

ضرورت نہ رہے گی۔ نہ آپ کسی محل پر کسی شاعر سے دبیں گے۔ بس میں پوچھ چکا۔ آپ نے دل خوش کر دیا۔ ہر ایک کو اس طرح شاید ہی یاد ہو۔

نواب نے سلام کیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد اجازت لے کے رخصت ہو گئے۔

حسبِ معمول دوسرے روز مولانا نئی غزل لے کے آگئے (آتے ہی) سلامٌ علیکم۔

اُستاد۔ علیکم السلام۔ میں انتظار ہی کر رہا تھا۔ پہلے اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں آخر میں اُستاد نے کہا کہ اب تو آپ کی غزل کم بنتی ہے بلکہ گویا نہیں بنتی۔ سنائیے۔

مولانا۔ بہت خوب کہہ کے جیب سے غزل نکالی۔

اصلاح نمبر ۲۲

غزل مولانا

مطلع نمبر ۱

ہوں گے وحشی نہ کبھی بے سر و ساماں ہم سے　　لے لیے دشت نے دامان و گریباں ہم سے

اُستاد۔ آپ پڑھے جائیے۔ جہاں کوئی بات ہوگی ٹوک دوں گا۔

مولانا۔ بہت خوب۔

مطلع نمبر ۲

دستِ وحشت یہ ہوا کارِ نمایاں ہم سے　　ہو گئے ایک جو دامان و گریباں ہم سے

شعر نمبر ۳

چاہتے ہیں کہ خلش بھی نہ کبھی یاد آئے　　دل کے ہمراہ لیے جاتے ہیں پیکاں ہم سے

اُستاد۔ بہت خوب شعر کہا، حاصلِ طرح ہے۔

مولانا۔ سلام کر کے۔

شعر نمبر ۴

کون ہے ہجر میں تیرے جو نہیں دیوانہ　　صبحِ محشر نے بھی بدلا ہے گریباں ہم سے

شعر نمبر ۵

کہہ کے یہ جان دی بیمارِ محبت نے ترے ابتو کاٹے نہیں کٹتی شبِ ہجراں ہم سے

شعر نمبر ۶

چشم تر کہتی ہے بڑھتا ہے جو غم کا دریا کیا تعجب ہے جو اُٹھنے لگیں طوفاں ہم سے

شعر نمبر ۷

انتہا ہو گئی سوزِ جگری کی اے دل یار نے پھینک دیا لیتے ہی پیکاں ہم سے

اُستاد۔ اب یار کا لفظ متروک ہو چلا ہے، پچاس برس قبل اساتذہ لکھنؤ صرف کرتے تھے۔ چنانچہ جناب تعشق کا بے نظیر مطلع ہے

سوئے دریا خندہ زن وہ یار جانی پھر گیا موتیوں کی آبرو پر آج پانی پھر گیا

لہذا خود بدلیے۔

مولانا۔ (یار) کی جگہ (شوخ) کا لفظ لکھدوں؟

اُستاد۔ بیشک، میرے ذہن میں بھی یہی لفظ تھا۔ اور پڑھیے۔

مولانا۔ لفظ لکھ کے۔

شعر نمبر ۸

بجھ گیا داغِ جگر آہ جو کھینچی شبِ غم گُل ہوا ہائے چراغِ تہِ داماں ہم سے

شعر نمبر ۹

جس کو آئینہ سمجھتے ہو یہ کس کا دل ہے اب چھپاؤ تو بھلا زلفِ پریشاں ہم سے

شعر نمبر ۱۰

صبح تک شام سے روشن رہے داغوں کے چراغ ہو گئی روشنیٔ گورِ غریباں ہم سے

شعر نمبر ۱۱

مدتیں ہو گئیں صیاد چمن کو چھوڑے ہائے اب پوچھتا ہے حالِ گلستاں ہم سے

شعر نمبر ۱۲

روح نکلی نہ گیا زورِ جنوں ہاتھوں سے سب چھڑایا کیے چھوٹا نہ گریباں ہم سے

اُستاد۔ (مارے خوشی کے آبدیدہ ہو کے) بخدا کیا شعر ہے شعار صاحب۔ بہت خوب شعر آپ نے کہا، اس کا جواب نہیں۔

مولانا نے کھڑے ہو کے سلام کیا۔

مقطع نمبر ۱۳

اے شعار اب جگر و دل ہی نہیں اپنے پاس عشق میں ہوں گے کہاں بے سر و ساماں ہم سے

دلچسپ معلومات نمبر ۲۲

اُستاد۔ آپ نے بہت اچھی غزل کہی۔

مولانا نے پھر سلام کیا۔ اور غزل جیب میں رکھ لی۔

اُستاد۔ وطن کب تک جانے کا ارادہ ہے؟

مولانا۔ ابھی تو حضور کوئی خاص ارادہ نہیں۔ شوقِ شاعری مانع ہے۔

اُستاد۔ (مسکرا کے) شوق اسی کو کہتے ہیں۔

مولانا۔ (تھوڑی دیر کے بعد) اجازت ہے؟

اُستاد۔ خدا حافظ۔

مولانا سلام کرتے ہوئے رخصت ہوئے اور وہی شاگرد جو اپنی غزل لینے آئے تھے اور اتفاق سے اُستاد سے غزل لے نہ سکے تھے اور ہر بات میں ایک غلطی ضرور ہوتی تھی، آ گئے سلام کر کے بیٹھ گئے۔

اُستاد۔ (طعن سے) آپ آ گئے؟ بجائے اس کے کہ پوچھتے، مزاج کیسا ہے۔ چونکہ شاگرد غلط الفاظ بہت بولتے تھے۔ پوچھا "آپ کی زوجہ صحیح ہیں؟"

شاگرد سمجھ گئے (شرما کے) حضور آج تو دونوں صحیح ہیں یعنے میں اور بیوی۔

اُستاد۔ مجھے یہ خوف ہے کہ کہیں آپ غلط نہ کہہ رہے ہوں؟

شاگرد۔ جی نہیں، خدا کے فضل سے صحت ہے۔

اُستاد۔ بیوی کو جو نسخہ پلاتے تھے، لائیے میں بھی دیکھوں۔

شاگرد۔ (جیبوں میں ہاتھ ڈال کے) حضور، لا پتہ ہوگیا۔

اُستاد۔ (ہنس کے) دیکھا، میں نہیں کہتا تھا غلط بول گئے۔

شاگرد۔ حضور، اس میں کیا غلط بولا؟

اُستاد۔ (لا پتہ) کون سی ترکیب سے (لا) لائے نفی عربی کا۔ (پتہ) فارسی لغت۔ ترکیب عربی کیونکر صحیح ہوگی؟

شاگرد۔ (سر جھکا کے) درست ہے۔ سخت دھوکا کھایا۔

اُستاد۔ آپ کو اپنی بیوی کی صحت برقرار رکھنے کی کوئی خاص پرواہ نہیں۔

شاگرد۔ حضور درست فرماتے ہیں، میں بڑا لاپرواہ انسان ہوں۔

اُستاد۔ (بہت زور میں ہنس کے) پھر غلط۔

شاگرد۔ (گھبرا کے) جناب، اب کیا؟

استاد۔ (لاپرواہ) بھی ویسا ہی غلط ہے جیسے (لاپتہ)۔ ابھی بتایا تھا مگر آپ کو یاد نہیں رہا۔

شاگرد۔ کیا عرض کروں، میری خطا نہیں، میرے دوست درحقیقت مجرب ہیں۔ نہ صحبت میں بیٹھتا نہ غلط بولتا۔

اُستاد۔ ہائے کیا غضب ہے، پھر غلط بولے۔

شاگرد کی اب حیرت کی انتہا نہ تھی۔ دل میں کہتے تھے کہ کمبخت طے کر کے آیا تھا کہ آج سمجھ کے صحت کے ساتھ بولوں گا اور اُستاد کو ٹوکنے کا موقع نہ دوں گا۔ دو باتیں کیں اور تیسری غلطی پکڑی گئی۔

شاگرد۔ حضور، اب کیا ہے؟

اُستاد۔ آپ مخرب بولے بسکون خا، در آنحالیکہ بضم میم و فتح خا، و بہ تشدید را ہے یعنے (مخرّب)۔
شاگرد۔ پڑھے لکھے جو بولتے ہیں ؟
اُستاد۔ کیا پڑھے لکھوں کا بولنا دلیلِ صحت ہے ؟ اگر بولتے ہیں تو غلط بولتے ہیں۔ یہ صیغہ اسم فاعل بابِ تفصیل سے آیا ہے۔ اس کا مصدر خراب و تخریب ہے۔
شاگرد۔ اب آیندہ خیال رکھوں گا۔
اُستاد۔ ہمہ وقت خیال رکھا کیجیے۔ آپ کو بہت زیادہ غلط بولنے کی عادت ہے۔ آپ کی زوجہ کن کی صاحبزادی ہیں ؟
شاگرد۔ سید نورالدین صاحب کی صاحبزادی خاص ایرانی ہیں۔ اُنکے پاس سیادت کا شجرہ موجود ہے۔
اُستاد۔ کہاں تک بتاؤں۔ لفظ شجرہ بسکون جیم نہیں بلکہ بفتح جیم صحیح ہے۔ لوگ غلط بولتے اور نظم بھی کر جاتے ہیں۔ اسی طرح ثمرہ بولتے ہیں یہ بھی غلط۔ صحیح لفظ اصل میں ثَمَرہ ہے بفتح میم۔
شاگرد۔ درست ہے۔
اُستاد۔ آپ تو شاعر ہیں، آپ کی بیوی بھی شعر کہتی ہیں ؟
شاگرد۔ کبھی کبھی نوحہ، سلام کہتی ہیں۔
اُستاد۔ اصلاح کس سے لیتی ہیں ؟
شاگرد۔ میں نے کہا کہ اپنے اُستاد یعنے جناب سے بنوالادوں تو کہتی ہیں مجھے شرم آتی ہے۔ تم کلام دیکھ لیا کرو۔
اُستاد۔ پھر آپ نے کبھی اصلاح بھی دی ؟
شاگرد۔ جی ہاں، ایک سلام پر اصلاح دی تھی۔
اُستاد۔ کوئی شعر یاد ہے ؟
شاگرد۔ جی ہاں، مطلع یاد ہے۔

کیا جہاد جو خیبر میں حق کی جانب سے علیؑ کو حیدرِ کرّار کا خطاب ملا

اُستاد۔ (طعن سے) اصلاحی ہے ؟
شاگرد۔ جی ہاں، میرا دیکھا ہوا ہے۔
اُستاد۔ ایک بات بتائیے۔ کیا علیؑ سے پہلے کوئی بزرگ حیدرِ کرار گزرے ہیں ؟
شاگرد۔ جی نہیں، کوئی نہیں گزرا۔
اُستاد۔ پھر آپ نے "حیدرِ کرار کا خطاب ملا" کیوں رہنے دیا ؟ (کا) یہ بتاتا ہے کہ خود حیدرِ کرار نہیں تھے، حیدرِ کرار کوئی دوسرے شخص تھے اُن کا خطاب علیؑ کو دیا گیا۔ اس میں (کا) زائد ہے یا نہیں ؟
شاگرد۔ بیشک زائد ہے۔ مگر بڑے بڑوں کے کلام میں، جو اپنے کو اُستاد کہتے ہیں یہی صورت پائی جاتی ہے۔
اُستاد۔ اسے رہنے دیجیے، خون کھولتا ہے۔ بس "حیدرِ کرار خطاب ملا" اتنا کافی ہے اور یہی ہونا چاہیئے۔
شاگرد۔ بیشک درست ہے۔
اُستاد۔ پھر خود کیوں رہنے دیا ؟
شاگرد۔ مجھ کمبخت کی سمجھ میں پہلے نہیں آتا، جب کوئی ٹوکے تو سمجھ جاتا ہوں۔
اُستاد۔ یہ تو ہر غلط بولنے والا کہہ سکتا ہے، آپ کی کیا خصوصیت ہے۔

اُستاد کو کسی کام سے کہیں تشریف لے جانا تھا وعدہ تھا۔ قطع کلام کرتے ہوئے غزل اصلاحی دے دی اور کہا کہ مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے، کبھی کبھی چلے آیا کیجیے دل بہل جاتا ہے۔
شاگرد۔ بڑا فائدہ ہوجاتا ہے۔ میرے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ غزل لے کے اجازت چاہی اور سلام کرتے ہوئے رخصت ہوگئے۔

آج کے ساتویں روز صبح کو اُستاد، نواب کا انتظار کر رہے ہیں کہ ٹھیک اپنے وقت پر آٹھ بجے نواب نئی غزل لیے ہوئے آگئے۔ آتے ہی۔ آداب عرض کرتا ہوں۔

اُستاد۔ تسلیم۔ آئیے۔

نواب سلام کرکے بیٹھ گئے اور خوشی میں بغیر اُستاد کے پوچھے غزل جیب سے نکالی۔

اُستاد۔ کیوں؟ آج جلدی ہے؟

نواب۔ جلدی کچھ نہیں آج ایک نئی طرح میں غزل کہی ہے اُس کے شوق نے مجبور کیا جو خلاف قاعدہ غزل جیب سے نکال لی۔

اُستاد۔ اچھا اچھا سُنائیے۔

نواب غزل سُنانے لگے۔

اصلاح نمبر ۲۳

غزل نواب

مطلع نمبر ۱

سنانِ عشق کی دل میں گڑنے لگی   ارے چوٹ پر چوٹ پڑنے لگی

اُستاد۔ یہ کہیے "بگڑنے لگی" "پڑنے لگی" میں غزل کہی ہے۔

نواب۔ جی، مجھے یہ طرح بہت اچھی معلوم ہوئی۔

اُستاد۔ آپ بھی اب سمجھ کے کہنے لگے۔ اس قدر اصلاح کی ضرورت نہیں ہوتی۔ آپ پڑھیے میں سُن رہا ہوں، جہاں ضرورتِ اصلاح ہوگی بتا دوں گا۔

نواب۔

مطلع نمبر ۲

نظر اُن سے جس وقت لڑنے لگی   مرے دل کی حالت بگڑنے لگی

شعر نمبر ۳

محبت نے بڑھ کے اُٹھایا حجاب   نظر سے نظر صاف لڑنے لگی

شعر نمبر ۴

جو آہوں نے دل کو پریشاں کیا   تو زُلف اُن کی فوراً بگڑنے لگی

شعر نمبر ۵

وہ پہلو سے اُٹھ کے چلے صبحدم مرے دل کی بستی اُجڑنے لگی

شعر نمبر ۶

بجھایا جو بادِ سحر نے چراغ مری قبر پر اوس پڑنے لگی

اُستاد۔ شعر اچھا کہا ہے۔ واہ واہ۔

نواب سلام کر کے۔

شعر نمبر ۷

وہ مژگاں کو جنبش ہوئی دل بچاؤ وہ تیروں کی بوچھار پڑنے لگی

اُستاد۔ اُس سے اچھا یہ شعر ہے اور بہت اچھا ہے۔

نواب نے کھڑے ہو کے سلام کیا۔

شعر نمبر ۸

اشارے سے بیمارِ غم نے کہا اب آئیے کہ جب سانس اُکھڑنے لگی

اُستاد۔ یہ سب شعروں میں بہتر شعر کہا ہے، بہت نرم زبان ہے۔ اب آپ پر مجھ کو بھروسہ ہو گیا۔ عنقریب آپ بغیر اصلاحی کلام محفل میں پڑھ سکیں گے۔

نواب۔ سب حضور کا صدقہ ہے۔

اُستاد۔ نہیں، آپ کی محنت بھی ہے۔ خوب شعر کہا۔

نواب سلام کر کے۔

شعر نمبر ۹

اُمید اب خدا ہی بچائے گا جاں کہ تم پر بھی آنکھ اُن کی پڑنے لگی

دلچسپ معلومات نمبر ۲۳

اُستاد۔ یہ کتنے شعر کہے؟

نواب - صرف نو شعر عرض کیے - قوافی کی مجبوری سے زیادہ عرض نہ کر سکا -

اُستاد - طرح بھی تو آپ نے ایسی نکالی جس میں قافیے بہت کم ہیں - امتحان کی غرض سے پوچھتا ہوں، بتائیے یہ غزل آپ نے کس بحر میں کہی ہے اور کونسا زحاف ہے ؟

نواب - (فوراً) حضور بحر متقارب میں عرض کی ہے - مثمن محذوف ہے -

اُستاد - ٹھیک ہے - آپ عروضی ہو گئے -

نواب - جی نہیں، حضور کی دعا ہو گی تو عروضی ہو جاؤں گا -

اُستاد - محنت کیے جائیے - وہ وقت بھی آجائے گا کہ اجازت دیدوں گا اور بغیر اصلاح مشاعرے میں غزل پڑھوا دوں گا -

نواب - یہ تو دلی حسرت ہے کہ خدا اس قابل کر دے -

اُستاد - اگر انسان محنت کرے تو ہر کام آسکتا ہے - دنیا میں محنت عجیب چیز ہے -

نواب - حضور بجا ارشاد فرماتے ہیں - کچھ باتیں قابل دریافت ہیں اگر اجازت ہو تو دریافت کر لوں؟

اُستاد - ضرور پوچھیے - میں تو خدا سے چاہتا ہوں کہ کوئی دریافت کرے اور میں بتاؤں -

نواب - میں (بات کھلنا) بولا تھا ایک شاعر جو میرے دوست بھی ہیں انھوں نے اعتراض کیا کہ (بات کھلنا) محاورہ نہیں - کیا اعتراض صحیح ہے ؟

اُستاد - غلط ایراد کیا - بہت قدیم صرف ہے، دُنیا بولتی ہے - حضرت داغ کا شعر ہے ؎

کھل گئی بات جب اُنکی تو وہ یہ پوچھتے ہیں ــــ مُنہ سے نکلی ہوئی ہوتی ہے بُرائی کیونکر

نواب - (بگٹٹ) کے کیا معنے ہیں اور فصیح ہے یا نہیں ؟

اُستاد - (بگٹُٹ) کے معنے (بہت تیزی) کے ہیں - بالکل غیر فصیح ہے - عوام بولتے ہیں، خواص کبھی نہیں بولتے - صرف جناب داغ نے نظم فرمایا ہے ؎

بگٹٹ مرے مزار پہ آیا وہ شہسوار ــــ توسن کو اتنی دیر میں سو بار ایڑ دی

نواب - لفظ (تقیہ) بفتح قاف ہے یا بکسر قاف ؟

اُستاد۔ بفتح تائے معجمہ و بکسر قاف صحیح ہے یعنی (تقیہ) لیکن اکثر حضرات شعرا و غیر شعرا عالم و جاہل (تقَیہ) بفتح قاف استعمال کرتے ہیں جو قطعاً غلط ہے۔ اُردو فرض کرتے ہوئے بھی یعنی بفتح قاف بغیر ترکیب استعمال کرنے میں میرے نزدیک قباحت ہے۔ مع الترکیب تو کسی طرح بفتح قاف صحیح ہو ہی نہیں سکتا۔

نواب۔ میں سمجھ گیا۔ حضور بجا ارشاد فرماتے ہیں اب یاد آگیا لغت میں بھی اسی طرح ہے۔

نواب۔ (چوٹ) کس زبان کا لفظ ہے اور کس کس طریقے سے اس لفظ کا صرف ہے؟

اُستاد۔ سوال ذرا ٹیڑھا ہے اسلیے کہ جتنے طریقے استعمال کے ہیں سب بہ یک وقت کہاں یاد آسکتے ہیں۔ غالباً آپ مثال بھی چاہتے ہوں گے؟

نواب۔ حضور مثال ضرور ارشاد ہو۔

اُستاد۔ آپ میرا امتحان تو نہیں لے رہے ہیں؟

نواب۔ اے معاذ اللہ، میں اور سرکار کا امتحان لوں گا۔ چونکہ زبان کی تحقیق کی ہمہ وقت فکر رہتی ہے اس لیے دریافت کرتا رہتا ہوں۔

اُستاد۔ اچھا، پھر آپ لکھتے جائیے اور میں بتاتا جاؤں اسلیے کہ یوں آپ کو یاد نہ رہیں گے۔ (یہ کہہ کے قلمدان آگے بڑھا دیا)۔

نواب نے سلام کر کے قلمدان کھول لیا۔

اُستاد۔ لکھیے۔ (چوٹ) ہندی زبان کا لفظ ہے، اب اُردو بھی ہے۔ مختلف طریقوں سے اس لفظ کا صرف زبان میں موجود ہے۔

چوٹ کھانا یعنی ضرب کھانا۔ فصیح محاورہ ہے۔ عام، خاص سب بولتے ہیں۔ اس کی عمر کم سے کم ڈیڑھ سو برس سے زائد کی ہے۔ چنانچہ آتش مرحوم کا شعر ہے ؎

شکستوں پہ شکستیں چوٹ پہ کھائی ہر چوٹ اُس نے   کھلونا ہے ہمارا دل تری طفلی کے عالم کا

چوٹ بچانا۔ پڑنے والی ضرب کا خالی دینا۔ یہ محاورہ بھی فصیح ہے۔ عام، خاص سب بولتے ہیں

یہ محاورہ بھی قدیم ہے چنانچہ آتش مرحوم کا شعر ہے ؎

مشتاق دردِ عشق جگر بھی ہے دل بھی ہے کھاؤں کدھر کی چوٹ بچاؤں کدھر کی چوٹ

چوٹ پیدا کرنا ۔ یہاں چوٹ کے معنے (مثل) کے ہیں یعنے مثل پیدا کرنا ۔ چنانچہ آتش مرحوم کہتے ہیں ؎

اے آسماں دکھائیں گے آیا جو بام پر پیدا کیا ہے ہم نے بھی شمس و قمر کی چوٹ

چوٹ لگانا ۔ ضرب لگانا ۔ فصیح صرف ہے سب بولتے ہیں، قدیم محاورہ ہے ۔ چنانچہ داغ دہلوی کہتے ہیں ؎

نگاہِ یار نے اس شوق سے لگائی چوٹ کہ جس طرح سے دل آتا ہے دل پر آئی چوٹ

چوٹ ابھرنا ۔ جہاں چوٹ آچکی ہو اور درد نہ رہا ہو ۔ کسی وجہ سے درد پیدا ہو جانے کو چوٹ ابھرنا کہتے ہیں ۔ چنانچہ داغ کہتے ہیں ؎

کہاں بتوں نے یہ سینے پہ اپنے کھائی چوٹ ابھر ابھر کے جو کرتی ہے خود نمائی چوٹ

چوٹ سہنا ۔ ضرب برداشت کرنا ۔ بہت عام صرف ہے، سب بولتے ہیں ۔ چنانچہ امیر مینائی کا شعر ہے ؎

چین اب کسی پہلو کسی کروٹ نہیں آتا دل تھا یہ ہمارا ہی کہ ہم نے یہ سہی چوٹ

چوٹ چھپلتی لگنا ۔ وار چھپلتا لگنا ۔ بھرپور کا عکس ۔ محاورہ فصیح ہے، رائج الوقت ہے ۔ قدیم صرف ہے ۔ چنانچہ شاد لکھنوی کا شعر ہے ؎

ہر چند اُس ہلاکت سے دل بچ گیا اچھت لیکن جگر پہ چوٹ چھپلتی پڑی سہی

آپ سب مثالیں برابر لکھ رہے ہیں ؟

نواب ۔ جی، حضور جو کچھ فرماتے جاتے ہیں سب لکھتا جاتا ہوں ۔

اُستاد ۔ کبھی شعر اور محاورات یاد تو آتے چلے جا رہے ہیں مگر بیان کرتے کرتے تھکا جاتا ہوں ۔

نواب ۔ پھر کسی وقت ارشاد فرما دیجیے گا، کیوں زحمت فرمایئے ۔

اُستاد ۔ زحمت کچھ نہیں دل چاہتا ہے کہ جس قدر صرف (چوٹ) کے متعلق ہیں سب اسی وقت بیان کر دوں ۔

نواب ۔ حضور اب زحمت نہ فرمائیں میں آیندہ یاد دلا کے دریافت کر لوں گا ۔

اُستاد ۔ بہت اچھا، انشاء اللہ تعالیٰ آیندہ سب بتادوں گا ۔

تھوڑی دیر ٹھہرنے کے بعد نواب اجازت لے کے رخصت ہوئے ۔ ابھی شاید دس قدم بھی راستہ نہ طے کیا ہوگا کہ ایک جلیل القدر رئیس اپنے کلام پر اصلاح لینے کے لیے اُستاد کی خدمت میں آ گئے، بعد سلام علیک اُستاد نے بڑے عزت و احترام سے صدر میں بٹھایا ۔

یہ رئیس عرصے سے اصلاح لیتے ہیں اور کبھی کبھی غزل کہہ کے تشریف لے آتے ہیں، اُستاد اصلاح دیدیتے ہیں ۔

رئیس ۔ جناب کا مزاج گرامی ؟ عرصے کے بعد نیاز حاصل ہوا ۔

اُستاد ۔ الحمد للہ مع الخیر ہوں ۔ حضور کا مزاج مبارک کیسا ہے ؟ واقعاً کوئی دو سال کے بعد زیارت سے مشرف ہوا ہوں ۔

رئیس ۔ زحمت دینے کے لیے حاضر ہوا ہوں ۔

اُستاد ۔ غالباً جناب نے غزل ارشاد فرمائی ہے ۔

رئیس ۔ جی ہاں ۔ ایک غزل کے چند شعر سنانا چاہتا ہوں اصلاح سے مزین فرما دیجیے ۔

اُستاد ۔ جناب ارشاد فرمائیں ۔

رئیس ۔ مطلع عرض کیا ہے ؂

جہاں میں دیکھیے جس وقت بھی حسینوں کو غرورِ حسن میں اُلٹے ہیں آستینوں کو

اُستاد ۔ خیر، غنیمت ہے ۔ کوئی خاص بات نہیں ۔ اور ارشاد ہو ۔

رئیس ۔ شعر ملاحظہ ہو ؂

ہمیشہ بحرِ جہاں میں یہ شور ہے برپا فلک نے غرق کیا سیکڑوں سفینوں کو

اُستاد - جس چیز سے ڈر رہا تھا وہی ہوا -

رئیس - جناب ارشاد فرمائیں ، کیا بات ہے ؟

اُستاد - ایک خاص عیب جو بڑے بڑے اساتذہ کے کلام میں موجود ہے اُن کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں ، جناب غور سے سماعت فرمائیں - پھر عرض کرتا ہوں کہ بہت نازک مسئلہ ہے - وہ یہ کہ جب (حسینوں - آستینوں - زمینوں) کسی غزل یا قصیدے میں نظم فرمائیے تو (سفینوں - سینوں - کمینوں) نہیں لاسکتے - اور وضاحت کردوں - جمع کے ساتھ جب قوافی لائے جائیں مثلاً (حسینوں - آستینوں) تو (سفینوں) اسلیئے ناجائز ہوگا کہ (سفینہ) کے آخر میں (ہا) ہے - جناب غور فرمائیں جمع بنانے میں آخر (ہا) کہاں غائب ہوجائے گی -

رئیس - بیشک بڑی لطیف بات جناب نے تعلیم فرمائی ، بخدا جناب کا جواب نہیں -

اُستاد - میں ایک مردِ نااہل ہوں ، مجھے کیا سلیقہ - سب بزرگوں کا فیض صحبت ہے حضور مجھ سے دنیا خفا رہتی ہے وجہ یہ ہے کہ عیوب ظاہر کردیتا ہوں -

رئیس - احسان ماننا چاہیے کہ عیب سے مُطلع فرما دیتے ہیں ، اُلٹے ناراض ہوتے ہیں ؟

اُستاد - جی ہاں ، یہی زمانہ ہے - خیر ، کوئی بگڑے یا خوش ہو ٹوکوں گا ضرور - شاعر و اُستاد بنتے ہیں تو تحقیق بھی کیا کریں -

رئیس - پھر اس کے معنے یہ ہوئے کہ (کمانوں کی - بالوں کی - نہالوں کی) ان قوافی کے ساتھ (رسالوں کی - قبالوں کی) نظم نہیں کرسکتے - یا (بیماروں میں - گلزاروں میں - زرداروں میں) انکے ساتھ (نقاروں میں - نظاروں میں) نظم نہیں کرسکتے - یا (نمازوں سے - کارسازوں سے) انکے ساتھ (جنازوں سے) نظم نہیں کرسکتے ؟

اُستاد - مثالیں جناب نے خوب پیش کیں - بالکل آپ کے نظم کردہ قوافی کے مطابق ہیں - بیشک وہی عیب جو آپ کے شعروں میں پیدا ہے ان میں بھی ہوجائے گا میں مدح نہیں کرسکتا جتنی عمدہ مثالیں پیش فرمائی ہیں - واقعاً جس طرح آپ کے اشعار میں ایک قافیہ ایسا ہے

جس کے آخر میں (ہا) ہے اُسی طرح آپ کی سب مثالوں میں آخر میں (ہا) ہے یعنے (بالوں کی۔ نالوں کی) کے ساتھ (رسالوں کی) اسلیے ناجائز ہے کہ (رسالہ) کے آخر میں (ہا) ہے۔ اسی طرح (بہاروں میں۔ گلزاروں میں) انکے ساتھ (نقاروں میں) اسلیے ناجائز ہے کہ (نقارہ) کے آخر میں (ہا) ہے بعینہٖ یہی صورت (نمازوں سے، کارسازوں سے۔ جنازوں سے) کی ہے (جنازہ) کے آخر میں (ہا) ہے۔

رئیس۔ جی ہاں، اسی وجہ سے میں نے یہ مثالیں پیش کیں۔

اُستاد۔ سبحان اللہ، بہت خوب، لیکن ایک خاص بات اور بتادوں، خوف یہ ہے کہ کہیں ذہن سے نکل نہ جائے وہ یہ کہ غزل یا قصیدہ وغیرہ میں قوافی کے ساتھ صرف ایک قافیہ ایسا کہ جس قافیہ کے آخر میں (ہا) ہو، لایا جا سکتا ہے۔ بالکل شائگاں کی سی صورت ہے کہ شائگاں میں صرف ایک قافیہ کی اجازت ہے۔

رئیس۔ بجا ہے، درست ہے۔ اب بالکل مطلب واضح ہو گیا۔

اُستاد۔ اور شعر ارشاد ہوں؟

رئیس۔ مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے غزل حاضر ہے جناب اصلاح فرما دیں گے آدمی لے جائے گا۔ (یہ کہہ کے ملازم کی طرف دیکھ کے) جب ہمارے قبلہ فرمائیں لے جانا۔

ملازم۔ بہت خوب سرکار۔ (یہ کہہ کے استاد کی طرف دیکھنے لگا)۔

اُستاد۔ کل کسی وقت غزل لے جانا۔

ملازم۔ بہت خوب حضور۔

رئیس۔ اب اجازت مرحمت ہو، دل نہیں چاہتا۔

اُستاد۔ کیا روکوں، جناب کو کارِ ضروری درپیش ہے، بہت خوب۔

رئیس کھڑے ہو گئے، استاد بھی کھڑے ہو گئے، پھاٹک تک پہونچا کے رخصت کیا۔ اور کارہائے ضروری میں مشغول ہو گئے۔

ایک عرصے تک یہی سلسلۂ اصلاح جاری رہا اور اُستاد نہایت شفقت و محنت سے تعلیم دیتے رہے۔ مولانا اور نواب برابر ہفتہ میں ایک غزل لاتے رہے۔ لکھنؤ میں شہرت ہوگئی کہ شعار صاحب اور امید صاحب اچھا کہتے ہیں، مشاعرے لوٹ لیتے ہیں۔ حسب معمول مولانا جو اصلاح لینے کے لیے آئے تو اُستاد نے کہا کہ اب فضول زحمت سے کیا حاصل، آپ اس قابل ہوگئے ہیں کہ بغیر اصلاحی غزل پڑھ سکیں اور صرف غزل پر اصلاح دے سکیں لہٰذا ۱۸ ذی الحجہ کو آپ آ جائیے نواب صاحب کو بھی بُلوا لوں گا۔ دونوں صاحب میرے سامنے میری دی ہوئی طرح میں غزل کہیں اور میں اجازت دیدوں۔ جب کبھی کوئی ایسی ضرورت ہوگی تو دریافت کر لیجیے گا جو غزل کہہ کے لاتے ہیں وہ لیتے آئیے گا۔

مولانا۔ بہت خوب، مع غزل حاضر ہوں گا اور وقتی غزل حضور کے سامنے عرض کرونگا۔ ایک بات قابل دریافت ہے۔

اُستاد۔ کیا؟

مولانا۔ حضور نے درمیانِ گفتگو میں فرمایا تھا کہ صرف غزل پر اصلاح کی صلاحیت ہوگئی ہے۔ لفظ (صرف) کا مطلب سمجھنا چاہتا ہوں۔

اُستاد۔ آپ نے غزل پر اصلاح لی؟

مولانا۔ جی ہاں۔

استاد۔ مرثیہ، سلام، رباعی، قطعہ تاریخ، قصیدہ وغیرہ پر تو اصلاح لی نہیں۔ پھر اصلاح کیونکر دیجیے گا؟

مولانا۔ کیا غزل گو مرثیہ، قصیدہ، رباعی وغیرہ پر اصلاح نہیں دے سکتا؟

اُستاد۔ کبھی نہیں۔ صرف غزل کا کہنے والا قیامت تک دوسرے اصنافِ نظم پر قلم نہیں اٹھا سکتا۔ ہر ایک کی حدیں علیحدہ، قواعد الگ، ترکیبیں جُدا۔ غزل گو حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ چونکہ ہم اچھی غزل کہہ لیتے ہیں اس لیے ہر چیز کہہ سکتے ہیں یا بنا سکتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے۔ عنقریب

کربلائے معلّٰی بغرض زیارت جانے والا ہوں واپسی پر اگر آپ کو شوق ہوگا تو سلام و رباعی و مرثیہ و قصیدہ وغیرہ کہلوا کے جو رموز و نکات ہیں بتا دوں گا۔ اب محل نہیں۔

مولانا۔ خدا مجھ کو بھی روضۂ حسینِ مظلوم پر پہونچائے۔

اُستاد۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ کیا غزل کہہ کے لائے ہیں؟ پڑھیے۔

مولانا۔ جی ہاں لایا ہوں۔ (جیب سے غزل نکال کے پڑھنے لگے)۔

اصلاح نمبر ۲۴

غزل مولانا

مطلع نمبر ۱

مطلبِ دل مٹ گیا رونے لگا تقدیر پہ ۔۔۔ لکھتے لکھتے چند آنسو گر پڑے تحریر پہ

شعر نمبر ۲

اللہ اللہ مرنے والے کا یہ دورِ انتظار ۔۔۔ لاکھ دم اُکھڑا نظر ٹھہری رہی تصویر پہ

شعر نمبر ۳

باغ کی باتیں نہ کر گلشن کی تصویریں نہ کھینچ ۔۔۔ اے دلِ ناداں قفس میں ہوں اسی تقصیر پہ

شعر نمبر ۴

ہائے یہ طولِ اسیری کھل گئے کڑیوں کے مُنہ ۔۔۔ قیدِ بے مدت مری زنگ آگیا زنجیر پہ

شعر نمبر ۵

میرا ہر ہر لفظ اک شرح کتابِ عشق ہے ۔۔۔ گوش بر آواز ہے دنیا مری تقریر پہ

شعر نمبر ۶

قید میں دیتا ہے وحشی موسمِ گُل کی خبر ۔۔۔ ایک در پہ ہاتھ ہے اک ہاتھ ہی زنجیر پہ

اُستاد۔ بہت عمدہ غزل کہی۔ (موسم) کے سین کو فتح دے کے نہ پڑھیے اسلیئے کہ گُل کی طرف

اضافت ہے اور موسم بفتح سین اُردو ہے۔ موسِم بکسر سین عربی ہے۔
مولانا نے بہت خوب کہہ کے کھڑے ہو کے سلام کیا۔ اور مقطع پڑھا۔

مقطع

خلق میں تدبیر لاحاصل عبث ہی لے شعارؔ چھوڑ دو سب کام اپنے مالکِ تقدیر پر

دلچسپ معلومات نمبر ۲۴

مولانا نے جھک کے سلام کیا۔
اُستاد - آیندہ تیار ہو کے آئیے گا، امتحان ہے۔
مولانا - انشاء اللہ تعالیٰ - ۱۸ ذی الحجہ کو حضور نے فرمایا ہے ؟
اُستاد - جی ہاں - دو چار دوستوں کو اور شاگردوں کو بلالوں گا، چار یہیں پیجیے گا۔
مولانا بہت خوب کہہ کے اجازت لے کے غزل جیب میں رکھ کے رخصت ہو گئے۔ چند دن کے بعد حسب معمول نواب اپنی غزل لے کے آپہونچے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔
اُستاد - آج آپ کو قدرے تاخیر ہو گئی ؟
نواب - حضور بجا فرماتے ہیں فی الواقعی دیر تو ضرور ہو گئی، لڑکی کا مزاج ناساز ہے حکیم صاحب کے تشریف لانے کی وجہ سے تاخیر ہو گئی۔
اُستاد - شافی مطلق شفا عنایت فرمائے۔ ایک لفظ آپ بول گئے جو قابلِ غور ہے۔
نواب - سرکار وہ کیا ؟
اُستاد - (فی الواقعی) واقع عربی لفظ، جس پر الف و لام عربی کا داخل کیا گیا (فی) حرف جار جو عربی کا حرف ہے۔ اب یائے زیادہ لگانے سے کیا خاص فائدہ اٹھانا مقصود ہے۔ ہاں اگر حرف جار (فی) اگر نہ ہوتا اور الف و لام داخل نہ ہوتا تو (یا) کا اضافہ صحیح ہوتا۔ لہٰذا یہ ترکیب غلط ہے۔ یا (واقعی) کہیے یا (فی الواقع) بولیے۔ جب صحیح ہوگا۔

نواب - بہت خوب - یہ ذرّہ نوازی ہے کہ مجھ حقیر کو ٹوک ٹوک کے عیوب پر تنبیہ فرماتے ہیں کہاں تک ممنون و مشکور رہوں -

اُستاد - ایک لفظ آپ پھر غلط بولے - ممنون تک تو غنیمت کیا بلکہ صحیح - مشکور ممنون کے محل پر بولنا بالکل غلط - اسکے معنے یہ ہوئے کہ آپ میرے شکر گزار ہیں - مشکور اُسے کہتے ہیں جس کا شکر ادا کیا جائے - شکر ادا کرنے والے کے معنے نہیں ہیں (مشکور) صیغہ اسم مفعول ہے - یعنے شکر ادا کیا ہوا اس کے محل پر متشکر بولنا چاہیے اور یوں کہنا چاہیے کہ میں آپکا ممنون و متشکر ہوں -

نواب - بہت خوب - اب ایسی غلطی نہ ہوگی - حضور سے ایک بات دریافت کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ لفظ (حور) کے متعلق لغت میں لکھا ہے کہ جمع ہے درانحالیکہ اس لفظ کا واحد میں استعمال ہے - اس کی جمع حوران بولتے ہیں مثلاً (حورانِ بہشتی) وغیرہ -

اُستاد - لغت میں صحیح لکھا ہے (حَورا) واحد - (حور) درحقیقت جمع ہے - لیکن خدا بھلا کرے اہلِ ایران کا کہ جمع یعنے (حور) کو واحد قرار دے لیا اور الف و نون بڑھا کے جمع بھی بنالی - حد ہے کہ اساتذہ و محققین ایران نے استعمال کیا - اب سوال یہ ہے کہ غلط ہے یا صحیح تو ہمارے لیے (یعنے اہلِ ہند کے لیے) بالکل صحیح ہے اسلیے کہ ہم صحت و غلطی دونوں میں اُن کے مقلد ہیں - اُن کا غلط تصرّف ہمارے لیے صحیح - یہ جو کچھ میں نے کہا ایک طے شدہ مسئلہ ہے - اب اپنا مسلک بتاتا ہوں کہ میں صحت میں اُن کی تقلید کرتا ہوں غلطی میں اُن کا یعنے ایرانیین کا مقلد نہیں - حد ہے کہ طیور طائر کی جمع ہے ایرانی شعرا و غیر شعرا نے اس عربی جمع کی بھی جمع بنالی اور طیوران استعمال کر گئے -

نواب - بجا ہے، درست ہے - عالیجاہ آج کل کے شعرا جو بے گرُے اور خود رَو ہیں کسی قاعدے کی پابندی نہیں کرتے جو اچھا معلوم ہوتا ہے اُسی کو قاعدہ قرار دے لیتے ہیں -

اُستاد - اس ذکر سے تکلیف ہوتی ہے - جس چمن اُردو اور باغِ شاعری کو محققین ادیب باغبانوں نے آبِ مشقت دریافت و تحقیق و تدقیق سے سینچ کے، خارِ اغلاط سے پاک کر کے تیار کیا تھا -

اُسی چمنِ زارِ ادب کو باغیانِ زبانِ اُردو کی مخالفت آمیز بادِ خزاں نے تباہ و برباد کرکے آئینۂ فاعتبروا یا اولی الابصار بنا دیا - بہرطور ہم تو نہ ہوں گے مگر آپ تھوڑے ہی زمانے کے بعد دیکھیں گے کہ کیا انقلاب ہوگیا۔ نہ یہ اُردو زبان باقی رہے گی نہ محاورات کے تصرف پر قابو ہوگا نہ قواعدِ شاعری کی پابندی نہ صحیح و غلط کا امتیاز۔ ہر شخص فرعون بے سامان نظر آئے گا۔ خیر، آپ ایک صرف غلط بول گئے جس کی امید آپ سے نہ تھی -

نواب - حضور، کیا (خودرَو) غلط ہے ؟

اُستاد - جی ہاں -(خودرَو) یعنے رے کو زبر یہ غلط ہے بلکہ رے کو پیش دے کے بولنا چاہیے۔ وہ بھی بصورتِ مجہول نہ یہ کہ معروف جیسے (خوب رُو) وغیرہ - مزید یہ سمجھا دوں کہ (رَو) یعنے رے کو زبر کی صورت میں رفتن سے ہے - رَو قرار پائے گا جس کے معنے چلنے والے کے ہوں گے یعنے بغیر کسی کے چلائے خود چلنے والا - اور (رُو) رے کو پیش دے کے بصورتِ مجہول روئیدن سے قرار پائے گا جس کے معنے بغیر بوئے اُگنے والا - اسی مناسبت سے درخت کو خودرُو کہنے لگے اُس کے بعد اہلِ زبان اور تمام چیزوں کو محل و موقع پر خودرُو کہنے لگے درحقیقت یہ صرف یوں ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا -

نواب - بہت خوب - انشاء اللہ اب کبھی نہیں بولوں گا - ایک چیز قابلِ تحقیق ہے اور وہ یہ کہ (عصمت) یعنے عین کو زبر دے کے صحیح ہے یا عین کو زیر دے کے صحیح ہے ؟

اُستاد - عین کو زیر دے کے بولنا چاہیے بالخصوص جب ترکیب کے ساتھ بولا جائے جیسے عِصمتِ پیغمبر وغیرہ میرے نزدیک تعلیم یافتہ فصحا کے لیے عین کو زبر دے کے بولنا بالکل غلط ہوگا - اچھا غزل پڑھیے -

نواب نے غزل نکالی اور پڑھنا شروع کی -

اصلاح نمبر ۲۵
غزل نواب
مطلع نمبر ۱

کیا نکلنا سہل ہے دمِ وصل کی تدبیر میں
وقتِ آخر جان اٹکی تھی تری تصویر میں

مطلع نمبر ۲

زہر خاموشی میں جادو کا اثر تقریر میں
ہے یہی فرق آپ میں اور آپ کی تصویر میں

شعر نمبر ۳

التجا میری طرف سے آپ کی جانب سے ناز
یہ مری قسمت میں ہے وہ آپ کی تقدیر میں

اُستاد۔ شعر اچھا کہا، مطلع بھی صاف ہیں۔ اب آپ بہت اچھا کہنے لگے۔

نواب نے کھڑے ہو کے سلام کیا۔

شعر نمبر ۴

دل نشانہ تھا جگر خود بڑھ کے دل سے مل گیا
لے قدر انداز عالم کیا کشش تھی تیر میں

اُستاد۔ یہ شعر بھی بہت اچھا کہا ہے۔

نواب نے سلام کر کے

شعر نمبر ۵

چھوڑ دو چٹکی سے تم جلدی نشانہ ہو درست
دل مرا ٹھہرا ہوا ہے انتظارِ تیر میں

شعر نمبر ۶

بعدِ آزادی بھی ہے طولِ اسیری کا اثر
میں سمجھتا ہوں کہ میرا پاؤں ہو زنجیر میں

اُستاد۔ ایسا شعر آپ نے بہت عرصے کے بعد سنایا کہ جو حاصلِ طرح کہنے کے قابل ہو۔

نواب۔ بہت ادب سے سلام کر کے

شعر نمبر ۷

سامنے نکلے ترا دم اور میں دیکھا کروں
اے دلِ امید لکھا تھا یہی تقدیر میں

اُستاد ۔ کیا شعار صاحب سے مِل کے آئے ہیں ؟

نواب ۔ کیوں حضور ؟

استاد ۔ مولانا بھی سات شعروں کی غزل کہہ کے لائے تھے، آج آپ بھی سات شعروں کی غزل لائے ۔

نواب ۔ جی نہیں، اتفاق سے کہہ نہ سکا حسبِ عادت وقاعدہ آج حاضر ہونا ضروری تھا ۔

اُستاد ۔ ۲۸ ذی الحجہ کو صبح کو چائے یہیں پیجیے گا اور جس طرح غزل لاتے ہیں کہہ کے لائیے گا ۔ وقتی طرح آپ کو اور مولانا کو دوں گا سامنے غزل کہیے گا ۔ اور چند احباب کو جمع کروں گا سب کو سنائیے گا ۔ اگر کوئی مسئلہ پوچھوں تو جواب دینا ہوگا اُس کے بعد آپ کو اجازت دے دوں گا کہ بغیر اصلاح جہاں چاہیں آپ پڑھ سکتے ہیں ۔

نواب ۔ ضرور حاضر ہوں گا (یہ کہہ کے اجازت لے کے رخصت ہو گئے) ۔

اُستاد نے چند روز کے بعد ملازم کو آواز دی اور دوستوں کے نام بتائے چند شاگردوں کے نام اور پتے بتائے ۔ فرمایا کہ سب سے کہہ آؤ کہ پرسوں صبح کو چائے یہیں پئیں مختصر سی بزمِ مشاعرہ ہے ۔

ملازم سب کو اطلاع دے آیا، ۲۸ ذی الحجہ ہفتہ کے دن صبح کو علی الصباح احباب تشریف لے آئے ۔ تھوڑی دیر کے بعد تین شاگرد آگئے ۔ چند لمحوں کے بعد مولانا اور نواب ساتھ ساتھ باتیں کرتے ہوئے آپہونچے، دیکھا کہ آج اُستاد کا بیٹھکا سجا ہوا ہے، سماور گرم ہے، پرانی وضع کے بزرگ، اُستاد کے دوست، شاعر قدامت پسند بیٹھے ہیں ۔ اور اُستاد کسی مسئلے کو بیان فرما رہے ہیں ہنسی کی گفتگو ہو رہی ہے ۔ آتے ہی آداب عرض تسلیمات کر کے دونوں سامنے ایک گوشے میں بیٹھ گئے ۔

اُستاد ۔ کیسی غزل کہی ہے ؟

مولانا اور نواب ۔ حضور غزلیں کہہ کے لائے ہیں ۔

اُستاد۔ پہلے اپنی غزلیں حاضرین بزم کو بے اصلاحی سنا دیجیے اُس کے بعد چار نوشی ہو گی بعدہٗ طرح دوں گا اور آدھ گھنٹے کے اندر غزل کہنا ہوگی۔ نواب صاحب پہلے آپ پڑھیے۔

نواب نے موافق حکم غزل نکالی اور سُنانا شروع کی۔

غزل نواب

مطلع نمبر ۱

دل باوفا ہے راز کرے کیوں بیاں کہیں دانتوں میں دب کے بول سکی ہے زباں کہیں

حضار۔ واہ واہ، کیا مطلع کہا ہے، پھر ارشاد ہو، ماشاء اللہ۔

نواب جھک جھک کے ایک ایک کو سلام کر رہے ہیں، جب اُستاد تعریف کرتے ہیں تو گھٹنے ٹیک کے تھوڑا سا بلند ہو جاتے ہیں اور سلام کرتے ہیں۔

شعر نمبر ۲

میں اُن کو دیکھتا ہوں وہ دم توڑنے کی سیر اللہ پھر نہ جائیں مری پتلیاں کہیں

حضار۔ واللہ کیا شعر کہا ہے (اُستاد کی طرف دیکھ کے) بڑے نازک خیال آپکے یہ شاگرد ہیں۔

ایک بزرگ۔ میاں سلامت رہو، کیا سلاست وصفاء بندش ہے۔

نواب۔ سب کو سلام کر کے۔

شعر نمبر ۳

دونوں نے مل کے پیس دیا مجکو خلق میں ظاہر میں ہے زمین کہیں آسماں کہیں

استاد اور حضار۔ واہ نواب صاحب، بھئی خوب کہا۔

نواب سب کو سلام کیے جاتے ہیں۔

شعر نمبر ۴

تکمیلِ عشق چاہتی ہے حسرتوں کا خوں بدلی ہیں اس مزاج کی نیرنگیاں کہیں

حضار۔ خدا کی قسم کیا کیا شعر سُنا رہے ہیں، دل خوش کر دیا۔

نواب ۔ سب کو سلام کرکے ۔

شعر نمبر ۵

تارے فلک پہ ڈوب گئے بجھ گیا چراغ ہم شامِ غم کے ساتھ ہیں جائے کہاں کہیں

حضار ۔ کوئی شعر نئی بات سے خالی نہیں ۔ کہاں تک تعریف کریں ۔ اُمید صاحب اب ہم تھک گئے ۔

نواب ۔ سلام کرکے ۔

شعر نمبر ۶

دنیا سے ہم چلے گئے یہ پوچھتے ہوئے ہے بیٹھنے کا کوئی ٹھکانا یہاں کہیں

یہ شعر سُن کے اُستاد بھی جھومنے لگے ۔

حضار ۔ لاجواب ، بے نظیر ، بے ثباتی دُنیا کا مرقع کھینچ دیا ۔ واہ واہ واہ واہ ۔

نواب ۔ سب کو سلام ادب کرکے ۔

شعر نمبر ۷

ماتم میں سرو باغ ہیں مصروف رات دن اُجڑا ہوا پڑا ہے مرا آشیاں کہیں

حضار ۔ (اُستاد کی طرف دیکھ کے) یہ آپ کے کمال کی دلیل ہے ۔ کیا تیار کیا ہے ۔

اُستاد ۔ یہ نواب صاحب کی محنت کا نتیجہ ہے ۔ واقعًا خوب شعر کہا ہے ۔

نواب ۔ سب کو سلام کرکے ۔

شعر نمبر ۸

تم آؤ نقش اُبھریں گے بن کے طلسم عشق مٹتا ہے باوفا کی لحد کا نشاں کہیں

حضار ۔ تعریف ہو ہی نہیں سکتی ، قلم توڑ دیا ۔ پھر پڑھیے ۔ جناب پھر ارشاد ہو ۔

نواب نے پھر پڑھا ، سب کو جُھک جُھک کے سلام کیا ۔

استاد ۔ بہت سمجھ کے شعر کہا ۔ الفاظ مناسب ، ادائے خیال نہایت مستعلیق ۔

نواب نے اُستاد کو امتیازی حیثیت کے ساتھ سلام کیا ۔

شعر نمبر ۹

شہ رگ تو کٹ چکی ہے مگر چل رہی ہے تیغ   اے خونِ باوفا ہو رگوں سے رواں کہیں

حضار۔ اہا ہا، یہ شعر بھی خوب کہا ہے۔ (باوفا) کی قید نے جان ڈال دی۔

نواب۔ سلام کر کے۔

شعر نمبر ۱۰

آنکھوں میں آ کے پھیل گیا خونِ دل مرا   بدلے گا اب نگاہ میں رنگِ جہاں کہیں

حضار۔ بہت لطیف خیال، نازک مضمون، بلند پروازی کی انتہا نہیں۔

نواب۔ سلام کر کے۔

شعر نمبر ۱۱

دل میں تڑپ تڑپ میں ہیں بجلی کی تیزیاں   کیا کہہ رہا ہے رازِ مرا رازداں کہیں

حضار۔ ماشاءاللہ، پرانے کو کیا نیا جامہ پہنایا ہے۔ رنگ بھر دیا۔ واہ واہ۔

نواب نے سلام کیا۔

مقطع نمبر ۱۲

امید دم کے ساتھ ہے اُردو جہان میں   بدلے گی جدلحد نہ ہماری زباں کہیں

حضار۔ کیا مقطع کہا ہے، واللہ خوب کہا۔ بیشک یہی بات ہے ہماری زبان سوائے قبر کے بدل ہی نہیں سکتی۔

(ایک دوسرے سے) بالکل ٹھیک خیال، واقعاً بس اگر بدلے گی تو زبان عربی ہو جائے گی کیونکہ قبر میں سوال و جواب زبان عربی میں ہوں گے اور یہ ہمارا ایمان ہے۔ یہاں ہماری زبان کون بدل سکتا ہے۔ واہ واہ نواب صاحب کیا مقطع فرمایا ہے۔

اُستاد۔ (سب کی طرف دیکھ کے) جناب، دس سال برابر اصلاح لی ہے۔ علم عروض حاصل کیا ہے۔ نہایت التزام سے غزلیں کہہ کہہ کے لاتے رہے۔ اب ماشاءاللہ بہت خوب کہنے لگے، مجھے اتنی امید نہ تھی

اُمید کے لفظ پر سب ہنسنے لگے ۔

حضار ۔ آپ سا اُستاد جسے ملے وہ کیوں نہ شاعرِ بے بدل ہو جائے ۔

اُستاد ۔ میں کسی قابل نہیں ، مجھے صحیح مصرع کہنا نہیں آتا ۔ آپ حضرات کا حُسنِ ظن ہے ۔ یہ سب نواب صاحب کی محنت کا نتیجہ ہے ۔

نواب نے لکھنؤ کی پُرانی تہذیب کے مطابق کھڑے ہو کے ختمِ غزل کا سلام کیا اور دست بستہ استاد کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ سب ہمارے حضور کا تصدق ہے ، عزت دیتے ہیں ۔ غزل تہ کر کے جیب میں رکھ لی ، بیٹھ گئے ۔ مولانا بھی برابر خوش ہو ہو کے تعریف کرتے رہے تھے ۔ ابھی نواب کی تعریف اچھی طرح ختم نہیں ہوئی تھی کہ اُستاد نے مولانا کی طرف اشارہ کیا کہ غزل سُنائیے ۔

مولانا ۔ دست بستہ بہت خوب کہہ کے غزل جیب سے نکالی ۔ (اُستاد کی طرف ہاتھ جوڑ کے) عرض کروں ؟

اُستاد ۔ پڑھیے ۔ (حضار کی طرف دیکھ کے) یہ غزل بھی سُنیئے گا ، بہت عمدہ طبیعت پائی ہے ۔ ماشاءاللہ فارغ التحصیل ہیں ۔ آپ کا وطن پورب میں ہے ۔ کجھوہ ضلع سارن کے رہنے والے ہیں ۔ آپ نہایت قابل شاعر ہیں ۔ صرف شاعری کے شوق کی وجہ سے وطن مالوف ترک کر کے لکھنؤ میں قیام پذیر رہے برابر اصلاح لیتے رہے ، تحقیق کا نہایت درجہ شوق ہے ۔

حضار ۔ درست ہے ۔

اُستاد ۔ اچھا غزل سنائیے خود سب کو معلوم ہو جائے گا ۔

غزل مولانا

مطلع نمبر ا

اے خونِ دل ٹھہر کہ یہ وقت سفر نہیں　　دریا چڑھا ہوا ہے مری چشم تر نہیں

حضار ۔ یہ مطلع سنایا ہے واہ مولانا صاحب کیا کہنا ۔ دریا چڑھا ہوا ہے کے ٹکڑے نے جان ڈال دی کمال کیا ہے ۔

مولانا نے فرداً فرداً سب کو سلام کیا ۔

مطلع نمبر ۲

حد ہے کہ تم کہو مجھے تابِ نظر نہیں　　کیا آفتابِ حشر ہے داغِ جگر نہیں

حضار۔ یہ مطلع بھی اچھا ہے۔ خوب کہا ہے۔

مولانا۔

شعر نمبر ۳

حدِ کمالِ عشق ہے احساس کی فنا　　وہ دل سے تیر لے گئے مجکو خبر نہیں

حضار۔ یہ شعر سُن کے اُچھل پڑے۔ واہ مولانا صاحب (حدِ کمال عشق) اور (احساس کی فنا) کیا ٹکڑے ہیں۔ پھر ارشاد ہو۔ پھر فرمائیے۔

مولانا نے سلام کرتے ہوئے پھر پڑھا۔

حضار۔ سیری نہیں ہوتی۔ ایک مرتبہ پھر پڑھیے۔

مولانا نے خوش ہوتے ہوئے پھر پڑھا۔ اور سب کو جُھک کے سلام کیا۔

شعر نمبر ۴

یہ کہہ کے شمع ختم ہوئی اے مریضِ غم　　وہ رات کیا کٹے گی کہ جس کی سحر نہیں

حضار۔ یہ بھی خوب، سبحان اللہ، کیا کہنا۔

مولانا۔ سلام کر کے۔

شعر نمبر ۵

چھٹ کے قفس سے جاؤں نشیمن میں کس طرح　　اللہ ری خوشی مرے قابو میں پر نہیں

حضار۔ بہت عمدہ خیال ہے، خوب کہا ہے۔

مولانا۔ سلام کر کے۔

شعر نمبر ۶

آ کے کہاں پہ ختم ہو حدِ جستجو　　محشر میں کُل جہاں ہے مرا نامہ بر نہیں

حضار۔ یہ بھی خوب کہا، بھئی کیا کیا شعر مولانا سُنا رہے ہیں۔

مولانا۔ سلام کرکے۔

شعر نمبر ۷

چٹکی سے اُن کی تیر کا چھٹنا تو یاد ہے   پھر دل کہاں گیا ہمیں اس کی خبر نہیں

حضار۔ کیا کلام کی شوخی ہے۔ واہ ری جدّت۔ پھر پڑھیے۔

مولانا نے پھر پڑھا۔ پھر سب نے تعریف کی۔ مولانا نے سب کو سلام کرکے۔

شعر نمبر ۸

رخ سے نقاب اُلٹ کے وہ بیہوش ہو گئے   میں نے بہت کہا مجھے تاب نظر نہیں

حضار۔ (بیچین ہو کے) واہ مولانا صاحب، اس شعر کی شوخی کی انتہا نہیں دل خوش کر دیا۔ مکرر ارشاد ہو۔ تعریف میں زبان قاصر ہے۔

مولانا نے پھر پڑھا۔

حضار۔ دل چاہتا ہے پڑھے جائیے۔

اُستاد۔ ان کی طبیعت بہت شوخ ہے آپ حضرات شعر سُن رہے ہیں؟

حضار۔ جی ہاں، بہت شوخ۔

ایک بزرگ۔ میاں کیا کہنا، کچھ ہو کے رہو گے۔

مولانا نے سب کو بادب سلام کیا اور انکسار کے جلے گئے۔

شعر نمبر ۹

اوپر کی سانس لیتا ہے جو جو مریضِ غم   دَم توڑتا ہے دل کہ ہَوا کا گزر نہیں

حضار۔ نہایت لطیف خیال، پاکیزہ بندش، خوب فرمایا۔

مولانا۔ سلام کرکے۔

شعر نمبر ۱۰

بیمار غم سے کہہ کے گئے چارہ گر تمام   باقی بہت ہے رات اُمید سحر نہیں

حضار۔ انتخاب شعر کہا ہے۔

مولانا۔ سلام کرکے   شعر نمبر ۱۱

یوں آتے آتے قبر پہ میری پلٹ گئے   جیسے کوئی پکار کے کہہ دے اِدھر نہیں

حضار۔ (بیساختہ پن کے ساتھ) حاصل طرح شعر ہے۔ "اِدھر نہیں"، کا جواب نہیں۔

مولانا نے سب کو سلام کیا۔   مقطع نمبر ۱۲

اُردو کے دشمنوں سے شعارؔ اب کہو صاف   زندہ ہیں ہم ابھی تمھیں اِسکی خبر نہیں

حضار۔ بیشک آپ اس کے اہل ہیں۔ لاجواب مقطع کہا ہے۔ واقعًا اُردو کے دشمن بہت پیدا ہوگئے۔ چاہتے یہ ہیں کہ کوئی اُردو نہ بولے۔

اُستاد۔ مقطع مجھے پسند ہے صرف اس لیے کہ آپ کے دل میں خدمت و بقائے اُردو کا جذبہ تو ہے۔

مولانا نے ختم غزل کا اہل بزم کو سلام کیا۔

اُستاد نے حاضرین کی طرف دیکھ کے فرمایا کہ ہمارے مولانا بہت بڑے قابل ولائق ہیں۔ دس سال کامل اصلاح لی ہے۔ نواب صاحب بھی پُرگو اور نازک خیال ہیں۔ شوخیٔ طبع تو آپ حضرات نے ملاحظہ فرمائی، زبان کس قدر صاف وشستہ ہے۔

ایک بزرگ۔ ہم تو آپ کے خلوص کی تعریف کریں گے۔ گو مولانا لکھنوی نہیں ہیں مگر آپ نے ذہین ماہر کردیا۔

اُستاد۔ جناب نے یہ کیا فرمایا کہ گو آپ لکھنوی نہیں ہیں۔ بخدا میرے دل میں کبھی اس کا خیال بھی نہیں آیا۔ میں متعصب انسان نہیں۔ دشمنِ اخلاق و مروت ہیں وہ ہستیاں جو ملکی و غیر ملکی، مقامی و غیر مقامی کا خیال علم و فن میں کرتی ہیں۔ بحمداللہ میں ان تمام چیزوں سے بری ہوں۔

بزرگ۔ میں نے ان معنے سے عرض نہیں کیا۔ معافی چاہتا ہوں۔

اُستاد۔ (ہنس کے) معافی کیسی، میں پھر عرض کرتا ہوں کہ انسانیت سے بعید ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ فلاں پوربی ہیں، فلاں دکھنی ہیں، فلاں ہندوستانی ہیں، فلاں لکھنوی ہیں اور دل میں بغض و عناد بھرا ہوا ہے۔ خدا اُن کی ہدایت کرے۔ کہیں کا صاحب کمال ہو، عزت کرنا ہمارا فرض منصبی ہے (حضار کی طرف

رُخ کرکے) آپ حضرات نے غزلیں سُنیں؟

حضار۔ کیا کہنا، خوب سُنیں، تعریف ناممکن۔ ہم تو آپ کی محنت کی تعریف کریں گے۔

اُستاد۔ آپ حضرات کے سامنے یہ عرض کرتا ہوں کہ یہ حضرات اب دوسروں کو اپنا شاگرد بناسکتے ہیں، انھیں اصلاح کی ضرورت نہیں۔ یہ طریقہ صرف اسلیے اختیار کیا کہ آج کل بے گُرے، خودرُو شاعر بہت نکل آئے ہیں جنھیں کہنا کجا شعر سمجھنے کا وقوف نہیں۔ اُستاد کے سامنے کبھی زانوے ادب طے نہیں کیا لہذا آپ حضرات گواہ رہیں کہ میں انھیں اجازہ اصلاح سخن دیتا ہوں۔ اساتذہ پر بڑا اعتراض یہ ہے کہ سب نہیں بتاتے، تلامذہ سے چھپاتے ہیں۔ بخدا میرا یہ مسلک نہیں۔ (نواب اور مولانا کی طرف دیکھ کے) اس طرح میں سات سات شعر کہیے اور اہل بزم کو سُنائیے:۔

یہی رونا ہے کہ دُنیا میں مروت نہ رہی

مولانا اور نواب غزل کہنے لگے (آدھ گھنٹے کے بعد) حضور، غزل تیار ہے۔

اُستاد۔ (حضار کی طرف دیکھ کے) جب دونوں صاحب غزلیں پڑھ لیں تو آپ حضرات تعریف کریں (یہ کہہ کے مولانا سے کہا غزل سنائیے، آپ کے بعد نواب صاحب پڑھیں گے)۔

مولانا بہت خوب کہہ کے غزل سُنانے لگے۔

(۱) کب غمِ ہجر سے دل میں مرے ہمت نہ رہی — رہ گیا صبح کو میں اور شبِ فرقت نہ رہی

(۲) آپ کیوں روک رہے ہیں مری خودداری کو — حشر تک یہ نہ کہوں گا کہ محبت نہ رہی

(۳) ضعفِ طاقت سے نہ بدلے تو نہیں رہِ عشق — یا محبت نہ رہی یا تری ہمت نہ رہی

(۴) داستاں ہجر کی کہتا ہوں مگر رُک رُک کے — بندہ پرور وہ مری شانِ طبیعت نہ رہی

(۵) ہجر کو شوقِ تصور سے سمجھتا ہوں وصال — آئی لیکن شبِ فرقت شبِ فرقت نہ رہی

(۶) اے حدِ ضعف کوئی موت کی تدبیر بتا — جان دینے کی بھی بیمار میں طاقت نہ رہی

(۷) کس لیے رنگِ غزل آپنے بدلا ہے شعار — آپ یا وہ نہ رہے یا وہ طبیعت نہ رہی

مولانا کی غزل ختم ہونے پر نواب صاحب پڑھنے لگے۔

مرضِ عشق سے نالوں کی وہ صورت نہ رہی (۱) شکر اس بات کا کرتا ہوں کہ طاقت نہ رہی
میں بڑی بات سمجھتا ہوں ہمیشہ چھوٹی (۲) درد کو درد نہ سمجھا تو وہ شدت نہ رہی
تم مرے نام کے دو پھول کہیں رکھ دیتے (۳) کیوں یہ ہر ایک سے کہتے ہو کہ تربت نہ رہی
ایک کروٹ میں اُلٹ دے گا زمانے کا ورق (۴) کون کہتا ہے کہ بیمار میں طاقت نہ رہی
درحقیقت ہے خیالات کی تابع تکلیف (۵) جس کو برداشت کیا پھر وہ مصیبت نہ رہی
نالے کرتا تھا کبھی لب پہ ہے اب مُہرِ سکوت (۶) دل وہی ہجر وہی پر وہ طبیعت نہ رہی
کب سے اُمید پکارا کیا بیمارِ فراق (۷) آئے اُس وقت کہ جب بات کی طاقت نہ رہی

اُستاد۔ (حضار کی طرف دیکھ کے) آپ نے غزلیں ملاحظہ فرمائیں؟ میرے نزدیک اب کمی نہیں رہی۔

حضار۔ کوئی کمی نہیں، اُستاد بنا دیا۔ ایسے ہی شاگردوں سے آپ کا نام روشن ہوگا۔

اُستاد۔ میری کوئی اولاد نہیں، میں نے دونوں کو اپنے بعد اپنا جانشین کیا۔

نواب اور مولانا نے کھڑے ہو کے اُستاد اور مجمع کو سلام کیا۔ بزم شعر و شاعری ختم ہوئی۔ ایک ایک دو دو کر کے رخصت ہو گئے۔ آخر میں مولانا اور نواب نے اجازت چاہی۔ اُستا[د] خدا حافظ فی امان اللہ کہہ کے دونوں کو گلے لگا کے رخصت کیا۔ مولانا وطن چلے گئے۔ چونکہ طے کر چکے تھے، شوقِ زیارت تھا بغیر اطلاع احباب و اعزا سامان سفر تیار کر کے زوجہ اور ملا[زم] ہمراہ لے کے جانبِ عراق بغرض زیارت جناب سید الشہدا ۱۳ ر رجب المرجب کو ۵ بجکے ۵۴ م[نٹ] چارباغ اسٹیشن سے روانہ ہو گئے۔ شاگرد شاعری کرتے رہے۔ اُستاد نے جوار سید الشہدا اور مستقل بود و باش اختیار کی۔

تمت بالخیر

مصنف کتاب ہذا سید محمد میرزا مہذب فاضل و ممتاز الافاضل و دبیر کامل، مؤلف لغات محمد[یہ]
۲۲ راگست ۱۹۴۵ء مطابق ۱۴ ر رمضان المبارک ۱۳۶۴ھ یوم پنجشنبہ بساعت دہ واللہ الموف[ق]

مطبوعہ گنگا فائن آرٹ پریس لکھنؤ

۱۔ اردو کی تنقید

۲۔ [illegible]